سماع الموتیٰ
محمد سرفراز خان

إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ (قرآن کریم)

مَا مِنْ رَجُلٍ يَمُرُّ بِقَبْرِ أَخِيْهِ الْمُؤْمِنِ كَانَ يَعْرِفُهُ فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِلَّا عَرَفَهُ وَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (حدیث شریف)

بالجملہ انکارِ شعور و ادراکِ اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست (فتاویٰ عزیزی ص ۱۰۹)

سماع الموتٰی

المقلب

باثبات السماع والشعور لجملة اهل القبور

بحمد اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ جس میں بے حد کوشش اور خاصی کاوش کے ساتھ قرآن کریم صحیح احادیث، کتب تفسیر، کتب فقہ اور فتاویٰ سے مسئلہ سماع موتیٰ کا مثبت اور منفی پہلو وضاحت سے واضح تر کیا گیا ہے اور اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جمہور امت عند القبور سماع الموتیٰ کی قائل ہے اور حضرات فقہاء احناف کا معتدبہ طبقہ اور اکابر علماء دیوبند کی اکثریت سماع الموتیٰ کی قائل ہے اور عدم سماع الموتیٰ کے قائلین حضرات کے دلائل بھی نقل کر کے کتاب و سنت اور فقہ کی روشنی میں ان کے واضح جوابات عرض کر دیئے گئے ہیں اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ حضرات ائمہ اربعہؒ میں سے کوئی امام اور خصوصاً امام اعظم ابو حنیفہؒ سماع الموتیٰ کے منکر نہیں، بلکہ مقر ہیں اور ان کی طرف عدم سماع الموتیٰ کی جو روایتیں منسوب کی جاتی ہیں وہ سب شاذ اور غیر معتبر ہیں۔ الغرض ٹھوس حوالوں کے ساتھ اردو زبان میں بفضلہ تعالیٰ یہ جامع کتاب ہے۔

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ

ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر خطیب جامع مسجد گکھڑ
و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

طبع ۹ جولائی ۲۰۰۷ء

نام کتاب ……… سماع الموتی

تالیف ……… شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

تعداد ……… ایک ہزار (۱۰۰۰)

قیمت ……… ۱۱۰/- (ایک سو دس) روپے

مطبع ……… مکی مدنی پرنٹرز لاہور

ناشر ……… مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
☆ [illegible] اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ سلطان عالمگیر اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
☆ کتب خانہ مجیدیہ بوہڑ گیٹ ملتان
☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
☆ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
☆ اقبال بک سنٹر جہانگیر پارک کراچی
☆ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ اردو بازار گوجرانوالہ

☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ الحسن اردو بازار لاہور
☆ بک لینڈ اردو بازار لاہور
☆ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور
☆ مکتبہ حقانیہ ملتان
☆ مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور
☆ مکتبہ فریدیہ اسلام آباد
☆ ادارۃ الانور بنوری ٹاؤن کراچی
☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
☆ والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ

☆ ظفر اسلامی کتب خانہ جامع مسجد بوہڑ والی گکھڑ

فہرست مضامین

تصدیقات علماء کرام

(۱) فخر الاماثل عمدۃ المحققین رئیس المحدثین مصنف انوار الباری شرح البخاری داماد زبدۃ المحدثین رأس الاتقیاء حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا سید احمد رضا شاہ صاحب بجنوری دامت فیوضہم العالیۃ۔

باسمہٖ سبحانہٗ جل ذکرہٗ

مکرم و محترم جناب مستطاب مولانا محمد سرفراز خاں صاحب دام فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا کل ایک عریضہ ارسالِ خدمت کر چکا ہوں آج سماع الموتیٰ کا مطالعہ کیا دل خوش ہوا خوب خوب دادِ تحقیق دی ہے جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

آپ بڑا کام کر رہے ہیں درازیٔ عمر اور صحت کے لئے دل سے دعا ہے (اس کے بعد حضرت موصوف نے ایک غلطی کی نشاندہی فرمائی ہے جس کی اصلاح کر لی گئی ہے۔ مرتب) بعد ملاقات کا مشتاق ہوں دعاؤں میں یاد کریں آپ کے ساتھ دو ایک بار اجلاس صد سالہ دیوبند کے موقع پر جو مدرسہ نصرۃ العلوم کے مہتمم (مولانا صوفی عبد الحمید) صاحب تھے ان کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔

والسلام خیر ختام

(احمد رضا عفا اللہ عنہ از بجنور (انڈیا)

۸ر اپریل ۱۹۸۰ء

(۲) عالم جلیل فقیہ کامل رئیس المحدثین محقق العصر نمونۂ سلف استاذ العلماء والفضلاء الحاج حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ سابق شیخ الحدیث المدرسۃ العربیہ الاسلامیہ نیوٹاؤن کراچی و سابق امیر مرکزیہ تحفظ ختم نبوت (پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی آثر مولانا ابو الزاہد صفدر صاحب زادکم اللہ الخیر توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جدید تالیف سماع الموتٰی موصول ہو کر باعث شکر گزاری ہوئی جزاکم اللہ تعالیٰ ماشاء اللہ تسکین الصدور کے بعد اس موضوع پر یہ تصنیف مزید سکون صدور کا ذریعہ ہوئی اللہ تعالیٰ قبول فرما کر اور نافع و مثمر بنا کر مزید توفیق نصیب فرمائے۔ جستہ جستہ دیکھی ماشاء اللہ عمدہ ہے (اس کے بعد دو غلطیوں کی اصلاح کی تلقین فرمائی جو بحمد اللہ تعالیٰ اب درست کر دی گئی ہے۔ صفدر) کتابت کے اغلاط کافی ہیں۔ (جن کی کافی حد تک اب درستی کر دی گئی ہے۔ صفدر) امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام

محمد یوسف بنوری ۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۶ھ

---

(۳) عالم باعمل حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن محمد نذیر اللہ خان صاحب (فاضل دیوبند) رحمہ اللہ تعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الَّذِیْ اَرْسَلَہٗ بِالْھُدٰی

وَدِيْنِ الْحَقِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ الَّذِيْنَ هُمْ مِنْ خَيْرِ اُمَّةٍ
اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِيَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ وَهُمْ اَهْلُ السُّنَّةِ وَجَمَاعَةِ الرَّسُوْلِ
رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ مَنِ اتَّبَعَهُمْ فَقَدِ اهْتَدٰى وَمَنْ
عَصَاهُمْ فَقَدْ ضَلَّ وَغَوٰى لِاَنَّهُمْ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ صِرَاطِ
الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ
وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ اَمَّا بَعْدُ "ما انا علیہ واصحابی"
کہ نشان ہدایت و نجات ہے سنت رسول و جماعت رسول راہ ہدایت ہے ان کی اتباع
ملی ورنہ اتباع نبوی متبعین کا دعویٰ زبان سے یہ ہوتا ہے کہ ہم قرآن و سنت کے متبع ہیں مگر
انہوں نے قرآن و سنت کو اپنی آراء و اہواء کا تختۂ مشق بنالیا ہوتا ہے حالانکہ تمسک
بالقرآن والسنہ کا مطلب وہی معتبر ہے جو اسلاف امت نے بیان کیا ہے اور متوارث
طور پر صحابہؓ علم و فضل سے دیانت و امانت محفوظ چلا آتا ہے اور اعجاب کل ذی رائے
برائیہ اور عدم اعتماد علی الاسلاف کی وباء سے آج بھی ایسے حضرات کا ظہور ہوا ہے جو
قرآن پاک کی آیات اور احادیث کی روایات کو اپنی اہواء کے مطابق تقریر و تحریر سے
نداء حق اور دعوۃ الحق و شفاء الصدور کا اعلان کر رہے ہیں اُمت مسلمہ اور اسلاف اُمت
کے جم غفیر حضرات کو نشانہ طعن و تشنیع کرتے ہوئے سماع موتیٰ کے قائلین کو مشرک
کہتے ہیں اور طالب شفاعت حضرت محمد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قائلین کو بھی
شرک میں مبتلا ثابت کرتے ہیں حالانکہ سماع فی الجملہ حق ہے اور خوارج کی طرح وہ آیاتِ
نداء لغیر اللہ و من البعید کو سماع موتیٰ کی نفی کے لیے بے محل و بے موقع استعمال کرتے

ہیں اسی اثناء میں غالب شفاعت للمغفرۃ بعد الموت کو وہ تماد غیر اللہ کے ماتحت داخل کرتے ہیں وجو قطعاً غلط ہے اور حضرات فقہاء کرام کے اقوال اس کے رد کے لیے کافی ہیں۔ صفحہ ضرورت تھی کہ کوئی جلیل القدر شخصیت جس کا علم و عمل دیانت و تقویٰ علماء کرام میں مسلم ہو اور اس کی سعی بلیغ سے اس فتنہ کی سرکوبی یا مدافعت کے لیے کوئی کتاب مستطاب لاجواب تحریر ہو جائے چنانچہ مولانا الحاج محمد سرفراز صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث نے نہایت دیانت و امانت سے سماع الموتٰی دو جلد تحریر کی جو نہایت مبرہن و مدلل ہے حوالہ جات اور دلائل کا ایک ذخائر سے بھرپور ہے طلبہ و علماء کے لیے ایک بہترین علمی تحفہ ہے تفاسیر اور احادیث و آیات کا بیان اہل السنت والجماعت کی معتبرات سے منقول ہے بقول حضرت مجدد الف ثانی قرآن و احادیث کا مطلب وہی معتبر ہے جو علماء اہل السنت کرام سے منقول ہے۔ اس کتاب میں اسلاف امت کی تحریرات و تعبیرات کو مدنظر رکھ کر مسائل کی وضاحت کی گئی ہے اور گمراہ ذہنوں کو شکست و خاموش کرنے کے لیے تو پیغمبر کی تعلیم بھی حجت نہیں ہوتی مگر صاحب انابت کے لیے وہ راہ ہدایت ہے خداوند کریم مولانا موصوف کے لیے یہ تحریر باعث ثواب آخرت بنائے اور ہمیں بھی صراط مستقیم اور راہ ہدایت پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین

ناکارہ خلائق حفیظ الرحمٰن محمد نذیر اللہ خان فاضل دیوبند
خطیب جامع مسجد مدرسہ بنات النبی گجرات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْحَیٰوةُ وَالْمَوْتُ وَالنُّشُوْرُ وَالَّذِیْ یَبْعَثُ مَنْ یَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ شَرَعَ السَّلَامَ عَلَی الْاَحْیَآءِ وَعَلٰی مَنْ دُفِنَ فِی الْقُبُوْرِ وَعَلٰی مَنْ تَبِعَهٗ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِیْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ اَمَّا بَعْدُ

سببِ تالیف

اس پُرفتن اور پُرآشوب دَور میں جس میں مادی قوتوں نے لوگوں کے اذہان و افکار کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی ہے اور ہر آدمی مادی ترقی ہی کا خواہاں اور دلدادہ ہے، ایک مسلمان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ بنیادی عقائد اور اصولِ دین پر سختی سے کاربند ہو اور ان پر عمل پیرا ہو کر اپنی قبر اور آخرت کو سنوار سکے۔ اس نازک دَور میں باریک اور دقیق علمی و تحقیقی موشگافیوں اور فروعی مسائل کو چھیڑنا کسی بھی طرح مستحسن نہیں ہے مگر بعض مجبوریاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اگر فروعی مسائل میں بھی راجح اور حق پہلو کو عوام کے سامنے نہ پیش کیا جائے تو وہ غلط ڈگر پر چل نکلتے ہیں اور راجح و حق پہلو پر عمل کرنے والوں کو کیا حضرات سلفؒ اور کیا خلف سب کو بنظرِ حقارت دیکھنے لگتے ہیں اور ایسے غلط کار لوگ اپنی غیر معصوم رائے کو حرفِ آخر سمجھ لیتے ہیں اور اس کی نشر و اشاعت

کچھ ایسے انداز سے کرتے ہیں کہ عوام حضرات سلفؒ و خلفؒ سے بدظن اور بیزار ہو جاتے ہیں اور ان غلط کار لوگوں کی رائے کو جس کو یہ لوگ عوام پر اپنی لسانی قوت اور قلم کے زور سے بزور ٹھونسنے کی ناکام سعی اور لاحاصل کوشش کرتے ہیں اسلامی مسائل کی تحقیق کا خلاصہ اور بزعمِ خویش توحید کا نچوڑ سمجھنے لگتے ہیں چونکہ عوام اصل حقیقت سے واقف نہیں ہوتے وہ اکثر نقل کو اصل اور پوست کو مغز سمجھ لیتے ہیں اور اسی پر دل میں گرہ لگا کر مخالفین کو کوستے ہیں بلکہ لٹھ لئے انکے پیچھے پھرتے ہیں۔ ناچار حضرات سلفؒ و خلفؒ اور اکابر کا دامن تھامنے والوں کو بھی کچھ کہنا ہی پڑتا ہے اور دفاع کے بغیر عالمِ اسباب میں اور چارہ ہی کیا ہے؟ مشہور تو یہی ہے کہ تنگ آمد بجنگ آمد۔

کچھ سالوں سے چند مسائل میں سے عدمِ سماعِ موتیٰ۔ قبر میں جسم کی طرف عدمِ اعادۂ روح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عند القبر صلوٰۃ و سلام کا عدمِ سماع، عدمِ عرضِ اعمال اور توسل کا شرک ہونا وغیرہ مسائل جمہور اہلِ اسلام اور اکابر سے کٹ اور ہٹ جانے والے حضرات کے نزدیک سرِفہرست ہیں اور ان پر بحث و مباحثہ کا بازار گرم رہتا ہے اور تقریراً و تحریراً ان مسائل کی ترویج و اشاعت کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے اور مستقل کتابیں اور رسالے ان مسائل پر ملک کے طول و عرض میں الگ شائع کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ کے ایک مہربان (ملک محمد فیروز فاروقی۔ ایم ایس سی) نے حیاتُ النبی صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم، عرضِ اعمال اور عدم سماعِ موتیٰ کے مسئلہ کو اپنی تحقیق انیق کا تختۂ مشق بنا لیا ہے اور سستی شہرت حاصل کرنے کی خاطر وفات النبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے عنوان سے ایک کتابچہ بھی لکھا ہے جس کو اسلامک ریسرچ سنٹر جھنگ (پاکستان) نے شائع کیا ہے۔ اس کتابچہ میں حوالوں کے نقل کرنے میں جو خیانت اور قطع و برید کی گئی ہے، راقم اثیم نے اپنی ساٹھ سالہ زندگی میں ایسے مختصر کتابچہ میں اس کی مثال اور کہیں نہیں دیکھی اور اس میں سر اور دم بریدہ حوالوں سے جو اپنی پسند کے معانی اور مطالب کشید کئے گئے ہیں وہ اہلِ علم کے دیکھنے کے قابل ہیں۔ اس کتابچہ میں عدمِ سماعِ موتیٰ کے دعویٰ کے اثبات میں بعض نامکمل اور ادھورے مگر مفیدِ مطلب حوالے نقل کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ :-

یہی مسلک امام مسلمؒ، بیہقیؒ، سفارینیؒ، قاضی ابو یعلیٰ موصلیؒ، فخر الدین رازیؒ، بدر الدین عینیؒ، ابن الہمامؒ، طحطاویؒ، ولی اللہ محدث دہلویؒ، قاضی خانؒ، شاہ عبد العزیزؒ، شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، شاہ محمد اسحٰقؒ محدث دہلویؒ، بشیر الدین قنوجیؒ اور خرم علیؒ وغیرہم سے منقول ہے (ملخصاً وفات النبیؐ ص ۲۹)

ان حضرات میں سے ایک دو بزرگوں کی اپنی کتابیں تو میسر نہیں ہو سکیں لہٰذا ہم قطعیت کے ساتھ ان کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتے کہ سماعِ موتیٰ کے بارے ان کا صحیح مسلک اور مؤقف کیا ہے؟ لیکن بقیہ حضراتؒ کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ عدمِ سماعِ موتیٰ کے قائل تھے اور ان کا یہی مسلک

تھا بسعید جھوٹ، صریح بہتان اور خیانت میں آخر ہے۔ آپ بھی ذرا نظر انتخاب
میں کچھ ملاحظہ فرمالیں گے۔ ان حضرات کا مسلک کیا تھا؟ اور لیا ہے؟ پہلے تو صرف
تمنا ہی کرتے تھے مگر اب تو مشاہدہ دیکھ بھی لیا کرتے

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

پھر ان اکابر علماء کی عظمت اور قدر اور ان کی آراء اور اقوال کی وقعت بھی خود
اس مؤلف کے قلم سے ملاحظہ کر لیجئے۔ وہ لفظ "منقول ہے" کے حاشیہ میں اسکا
صفحہ میں لکھتے ہیں کہ ان علماء کے نام صرف اس لئے درج کئے گئے ہیں کہ انھوں نے
فرداً فرداً مسلک (یعنی عقیدہ بلکہ مؤلف ان کے اپنے مسلک معتقدہ) کی تائید و حمایت
کی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ہر بات تسلیم کرنا ہوگی۔ اگر یہ لوگ تصرف کی
تفسیر یا بلفظ دیگر مؤلف کے مسلک معتقدہ کے خلاف لکھتے تو ان کے اقوال
کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جاتا۔ انتہی بلفظہ (حاشیہ صفحہ ۱۴)

غور فرمائیں کہ ان لوگوں کے نزدیک حضرات سلف صالحینؒ اور متقدمین
کے اقوال کی کیا قدر باقی رہ جاتی ہے؟ ان لوگوں کے نزدیک اگر یہی طے شدہ بات ہے
کہ اکابر علماء امت اور فقہاء ملت کی جو بات ان کی اپنی سمجھ میں نہ آئے یا نفس امارہ
اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو فوراً اس کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

یہی مؤلف عرض عمل کے مسئلہ کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ عرض

اعمال کا عقیدہ اہلِ تشیع کے ہاں پایا جاتا ہے ۔ صوفیوں اور باطنی اماموں کی نوازش سے کہ اہلِ سنت کی کتب میں بھی اسے درج کر دیا اور جعلی حدیثیں بنا ڈالیں حتیٰ کہ اہلِ سنت اسے اپنا عقیدہ تسلیم کرنے لگے " (حاشیہ ص۹)

صد افسوس ہے کہ اسلامی مسائل کا بے دردی سے پوسٹ مارٹم کرنے والوں کو اتنا صاف فرق اور واضح تمیز بھی معلوم نہیں کہ اہلِ سنت کا عرضِ اعمال کے بارے میں مسلک اور ہے اور اہلِ تشیع کا عقیدہ اور ہے ۔ اہلِ سنت صرف اجمالی طور پر بعض بعض اعمال کے عرض کے قائل ہیں اور اہلِ تشیع تفصیلی طور پر تمام اعمال کے عرض ہونے کے معتقد ہیں گویا اسلامی مسائل پر ریسرچ کرنے والے ان لوگوں کے نزدیک کل اور بعض اور اجمال و تفصیل کا کوئی فرق ہی نہیں ہے اور پھر حد کر دی کہ صوفیوں اور باطنی اماموں کو دیمک کے کیڑے بنا کر اور قلم و دوات ہاتھ میں پکڑا کر خفیہ طریقہ سے نظر بچا کر اہلِ سنت کی کتابوں میں گھسیڑ دیا اور وہ برق رفتاری سے عرضِ اعمال کا عقیدہ اہلِ سنت کی کتابوں میں چلتے چلتے خط سے داخل کر گئے اور غضب یہ ہے کہ ان کی اس چابکدستی سے نہ تو مسند احمد، مسند بزار اور ابو داؤد طیالسی وغیرہ حدیث کی مستند کتابیں بچ سکیں اور نہ دیگر وہ متداول اور معتبر کتابیں جن میں اہلِ سنت کے مسلک کے مطابق عرضِ اعمال کا عقیدہ درج ہے اور یہ صوفی اور باطنی امام ان کتابوں میں

---

۱ امام احمد رح المتوفی سنہ ۲۴۱ھ ، امام طیالسی رح المتوفی سنہ ۲۰۴ھ ، امام بزار رح المتوفی سنہ ۲۹۲ھ ۔ یہ سب حضرات چوتھی صدی سے قبل کے ہیں۔

ایسے گھڑے کہ جعلی روایتیں بنا کر ان میں گھسیڑ آئے اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی اور حضرات محدثین کرام جو تحقیق اور نقد و جرح کے میدان میں بال کی کھال اتارنے کے عادی ہیں، نیندِ غفلت میں کچھ ایسے مدہوش ہوئے کہ ان کو کروٹ اور پہلو بدلنے کی سرے سے توفیق ہی نہ ہوئی کہ وہ ان صوفیوں اور باطنی اماموں کو اس دسیسہ کاری اور جعلسازی سے روکتے اور حیرت ہے کہ ان صوفیوں اور باطنی اماموں نے اہلِ سنت پر کچھ ایسا جادو کیا اور افسوں پھونکا کہ وہ بلا چون و چرا اعراضِ اعمال کو اپنا عقیدہ بنا بیٹھے۔
سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝

اس کتابچہ کا تعارف کرانے والے بزرگ جناب قاری عبدالحمید فاروقی (ایم-اے، بی-اے) نے اپنے مقدمہ میں یہ لکھ کر اس کتابچہ کو مزید چار چاند لگائے کہ: "تحقیق یہ ہے (سبحان اللہ تعالیٰ بمقدرہ) کہ چوتھی صدی ہجری میں صوفیاء اور روایات وضع کرنے والے احبار و رہبان جیسی دسیسائی عناصر نے شریعت اسلامی میں بگاڑ پیدا کرنے کی غرض سے اس قسم کی روایات بیان کیں جن میں کہا گیا کہ قبر میں روح واپس بھیجی جاتی ہے اور مردہ اس قبر میں لوگوں کے سلام سنتا اور جواب بھی دیتا ہے۔ خوابوں، مکاشفوں اور تصوف و باطنیت کی حکایتوں کے ذریعہ اس مسلک کو مدلل کیا گیا ہے۔" (ملخصاً صفحہ ۱۰)

جمہور اہلِ اسلام کا مسلک یہ ہے کہ قبر میں دفن ہو چکنے کے بعد میت کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے لیکن اس مسلک کی بنیاد خوابوں، مکاشفوں اور تصوف

دہا طینت کی حکایتوں پر نہیں بلکہ صحیح مشہور اور مستفیض حدیث پر ہے جس کی بقدر ضرورت بحث بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے اپنی کتاب تسکین الصدور میں کر دی ہے۔ اور قبر میں مردے کا سلام سننا اور اس کا جواب دینا اسی پیش نظر کتاب میں صحیح روایات کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ بیان کر دیا گیا ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ جس طرح ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے یا جس طرح بھینگے آدمی کو زاویۂ نگاہ ٹیڑھا ہونے کی وجہ سے کوئی چیز اپنی اصلی شکل پر نظر نہیں آتی اسی طرح ان روحانی بھینگوں کا حال ہے کہ ان کو صحیح احادیث عجمی اور سبائی عناصر کی سازش نظر آتی ہے اور جمہور علماء امت اور فقہاء اسلام رحمہم اللہ جن کی برگزیدہ ہستیوں پر ہمیشہ سے اہل اسلام اعتماد اور فخر کرتے چلے آئے ہیں، کے اقوال ان کو ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل نظر آتے ہیں اور یہ لوگ حضرات سلف صالحین کے اقوال کو کرید کرید کر علانیہ ان پر بے اعتمادی کا اظہار کرتے ہیں اور بعض بزرگان دین کے اقوال کو تو خصوصاً اقوال بزرگان کی پوسٹ مارٹم کرنے والوں نے ہدف تنقید بنایا ہے جیسا کہ اسی کتاب سے بعض ایسی چیزیں انشاء اللہ تعالیٰ بالکل عیاں ہوں گی اور جمہور کے اقوال پر برسنے کے لئے ان لوگوں نے ایک ایسا محاذ بنا رکھا ہے جس کی حقیقت بقول علامہ اقبالؒ صرف یہ ہے کہ ؎

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند!

ان نظریات کے حامل عملہ حضرات کے طرز استدلال میں قارئین کرام کو یہ بات

بخوبی نظر آئے گی کہ یہ حضرات مبہم و مشتبہ عبارات کو تو لے بیٹھے ہیں لیکن ان کتابوں میں مصرح اور واضح عبارات کا نام تک نہیں لیتے یعنی عمداً لوگوں کو دھوکا دینے اور مغالطہ میں ڈالنے کے درپے ہیں۔ فوا اسفا۔

(۲) کراچی سے چند اوراق کا ایک ورقی کتابچہ طبع ہوا ہے جس کا نام "یہ تحریف یہ استثنا" ہے جس کا انداز بیان، دلائل کی ترتیب اور معقیدہ مطلب حوالے اور پھر ان سے نتیجہ اخذ کرنا شفاء الصدور اور تو آتی حق (جن کا ذکر پیرا آرہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ) وغیرہ سے چنداں متفاوت نہیں اور ایسا لگتا ہے کہ یہی کتابیں سامنے دکھ کر سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے اس کو مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کتابچہ جناب کیپٹن ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی ایم بی بی ایس (اور بقول خود) فاضل علوم دینیہ اور امیر حزب اللہ نے تالیف فرما کر امت مرحومہ و مظلومہ پر احسان عظیم کیا ہے۔ یہ کتابچہ ۱۴۰۰ھ میں مکہ مکرمہ میں المسجد الحرام کے اندر بھی مفت تقسیم ہوتا رہا ہے۔ اس میں بھی عدم سماع موتی، عرض اعمال اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کے نہ پیش ہونے پر خاص زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ صدا میں لکھا ہے کہ: "سماع موتی کا عقیدہ تو شرک کی جڑ ہے" ملخصہ) اور پھر آگے صد۱۳ میں "لا تسمع الموتی" آیت اور اس مضمون کی بعض دیگر آیات سے اپنے رنگ میں استدلال کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ: "پس ثابت ہوا کہ قبر کے باسی دنیاوی زندگی سے بالکل عاری ہیں۔ وہ نہ تو دنیا والوں کی پکار سنتے ہیں کہ جواب دیں اور نہ ان میں یہی طاقت

ہے کہ دُعا ان کو اللہ تک پہنچانے کا وسیلہ نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے ائمہ
کا متفقہ فیصلہ یہی ہے اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں (بلفظہٖ) افسوس حیرت
اور صدمہ ہوتا ہے ان لوگوں کی اس عبارت اور بے باکی پر کہ وہ ایک اختلافی مسئلہ
کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں کہ ایک سیدھا سادھا مسلمان ان کی ایسی مغالطہ
آمیز عبارات سے دھوکا کھا سکتا ہے اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو سکتا ہے کہ شاید
شرعی حکم یہی ہے حالانکہ اس کو حقیقت سے دُور تک کا واسطہ نہیں اور یہ
غلط نظریہ ان لوگوں کا نرا تعصب اور خالص غلو ہے۔ حضرات ائمہ کرام رحمہم
اللہ میں سے کسی کا یہ فیصلہ نہیں چہ جائیکہ ان کا متفقہ فیصلہ ہی یہ ہو۔ یہ ایک خالص
بے بنیاد دعویٰ ہے۔

(۳) راقم اثیم نے ابھی کتاب تسکین الصدور نہیں لکھی تھی کہ گوجرانوالہ کے
ایک دوست نے ایک کتاب تحفۃً راقم کو بھیجی جس کا نام شفاء الصدور ہے
اس میں موضوع بحث عدم سماع موتی ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے اور انہی
کے رفیق اور ہم ذہن و منتظم مدرسہ (جو اب دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں)
ساتھ ساتھ مفید مطلب اور آزاد ترجمہ بھی اردو میں اپنی سمجھ کے مطابق کر دیا
ہے اور اس مسئلہ کے سلسلہ میں دونوں دوستوں کا ذہن ایک سا ہے۔ اس
کتاب میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سب کا لُب لباب صرف یہ ہے
کہ مُردے نہیں سنتے، اور اس دعویٰ کے اثبات پر انھوں نے بہت سی

بالکل غیر متعلق آیات اور احادیث سے استدلال بھی کیا ہے جن سے ان کا یہ مدعا ہرگز کسی صورت میں ثابت نہیں ہوتا اور کسی اہل علم چہ جائیکہ کسی بھی عقلمند کو ان سے ذرہ بھر شبہ نہیں ہو سکتا. چہ جائیکہ وہ عدمِ سماعِ موتیٰ پر ان کو قطعی حجت سمجھے. ہاں البتہ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی الآیۃ اور وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ الآیۃ وغیرھا آیات سے نیز بعض اکابر کی کچھ عبارات سے ضرور کچھ شبہ ہو سکتا ہے اور انہی کی وضاحت ہم نے اس کتاب میں کر دی ہے اور تسکین الصدور میں اس کا وعدہ بھی ہم نے کیا تھا. سردست ہم انہی دلائل اور اسی ترتیب پر اکتفاء کرتے ہیں. اگر کسی صاحب نے قلم اٹھایا اور ضرورت ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ طبع دوم میں مزید وضاحت کر دی جائیگی. مؤلف مذکور نے غیر متعلق عبارات سے اس مسئلہ کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے. پھر غضب کی بات یہ ہے کہ جو حضرات اس مسئلہ میں ان کے ہمنوا نہیں بلکہ بالکل ان کے برخلاف ہیں. اپنے ناخواندہ حواریوں کو وہ بزرگ بھی انھوں نے اپنے کر دکھائے اور بلاخوفِ تردید بڑی بیباکی سے ان کے نام بھی منکرینِ سماعِ موتیٰ میں درج کر دیئے ہیں جو حقیقت کے بالکل خلاف ہے جیسا کہ اسی پیشِ نظر کتاب سے انشاء اللہ تعالیٰ یہ بات بالکل عیاں ہو جائے گی اور یہی طریقہ ان کا ندائے حق میں ہے جو انھوں نے بزعمِ خویش راقم کی کتاب تسکین الصدور کے جواب میں لکھی ہے لیکن بحمد اللہ تعالیٰ وَمَنِّہٖ وہ تسکین الصدور کے وزنی اور ٹھوس دلائل کا جواب دینے سے قطعاً قاصر اور یقیناً

عاجز رہے ہیں۔ ہاں غیر متعلق باتوں کا تذکرہ کر کے کتاب کا حجم بڑھا کر اپنے ناخواندہ سوادیوں کو ضرور یہ باور کرایا ہے کہ یہ اس کا جواب ہے۔ اس میں جو جو باتیں اپنی دانست کے مطابق ہم نے شبہ پیدا کرنے والی سمجھی ہیں ان میں سے بعض کا جواب اسی پیش نظر کتاب اور بعض کا تسکین الصدور طبع دوم میں دے دیا ہے باقی ہرواہی اور لچر بات کا جواب دینا ہم علمی اور تحقیقی سطح سے بہت فروتر سمجھتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس میدان میں بھی ان کا حریف کوئی شہسوار کبھی نکل آئے کیونکہ لِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ اور ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی بھی علم دوست اور سمجھدار آدمی جمہور کے خلاف پیش کردہ ان کے وساوس واوہام یا محض قیاسات اور منطقیانہ و مغویانہ مغالطات سے ہرگز دھوکا نہیں کھائے گا۔ ضد اور تعصب کا معاملہ ہی الگ ہے۔ اس کا اس دنیا میں کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ انتہائی حیرت ہے کہ ایک اختلافی مسئلہ کے سلسلہ میں جو لب ولہجہ اور طرز گفتگو انہوں نے اختیار کیا ہے بلکہ توسل عند القبر۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر آپ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں طلب مغفرت کی سفارش کے جواز کے قائلین اور سماع موتیٰ کے معترفین کو جس انداز سے انہوں نے مخاطب کیا اور کوسا ہے اور جس طرح جمہور کا مذاق اڑایا ہے اور جس طرح بلند پایہ حضرات فقہاء کرام کو کھلے لفظوں میں کوسا اور ان پر بے اعتمادی کا اظہار کیا ہے اور جس طرح مشہور اور متداول کتب فقہ اور فتاویٰ کو ہدف تنقید

بنایا ہے وہ صرف انہی کا حصہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ سب کچھ ان کا اور اس سلسلہ میں ان کے رہبر جناب مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی کا انداز گفتگو اور سبق ہے۔ زیادہ تفصیل میں جانا تو ہم مناسب نہیں سمجھتے ، چند عبارات انہی کے الفاظ میں ہدیہ قارئین کرام کئے دیتے ہیں تاکہ آپ بھی نمونہ از خروارے ملاحظہ کر لیں۔

حافظ ابن الہمام الحنفی رح پر بے اعتمادی

حافظ ابن الہمام الحنفی رح نے فی الجملہ سماع موتی کا اقرار کیا ہے کہ مردے قرع نعال اور سلام سنتے ہیں (جو الہ اپنے مقام پر آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ) مگر ان کی تحقیق سے برہم ہو کر مؤلف شفاء الصدور لکھتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ امام ابن الہمام رح کا قول فتح القدیر میں ایسا ہے جس سے سماع موتی سمجھ آتا ہے صاحب بحر الرائق نے لکھا ہے کہ محقق ابن ہمام رح صاحب ترجیح ہیں (یعنی فقہ کے متعارض اقوال کو ایک مذہب پر ترجیح دینے کے اہل ہیں جو ارباب فقہ میں ایک بلند مقام ہے۔ صفدر) دراصل بات یہ ہے کہ ان کے قول کی اتباع تب تک ہے جب تک مذہب کے خلاف نہ ہو۔ خلاف مذہب ہونے کی صورت میں ان کا قول معتبر نہ ہوگا۔ خود ان کے تلمیذ قاسم رح نے یہ بات کہی ہے۔ مسئلہ مذکورہ میں چونکہ مذہب کے خلاف لکھا ہے لہٰذا یہ قول معتبر نہ سمجھا جائے گا (بلفظہ ص۲۹)

نہ معلوم مؤلف مذکور کی مذہب سے کیا مراد ہے؟ اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ
کا یا حضرات جمہورؒ کا مذہب مراد ہے تو ظاہر امر ہے کہ امام ابن الہمامؒ
نے تو ان کی مخالفت کی ہے، ورنہ عدم سماع ان کا مذہب و مسلک ہے۔
اس کی تفصیل اسی کتاب میں آگے آرہی ہے ان شاء اللہ العزیز۔ اور اگر مذہب
سے مؤلف مذکور اور ان کے ہمنوا چند بزرگوں کا اپنا مذہب مراد ہے تو بلاشبہ
امام ابن الہمامؒ اس کے مخالف ہیں مگر جمہورؒ کے نزدیک ان کا قول اس معاملہ
میں صرف معتبر ہی نہیں بلکہ حجت بھی ہے کیونکہ یہ ایک محقق کا قول ہے اور
پھر یہ احادیث صحیحہ کے بالکل مطابق اور حضرات جمہورؒ کے نظریہ کے عین
موافق ہے۔ باقی جو بات علامہ قاسمؒ بن قطلوبغا الحنفیؒ (المتوفی ۸۷۹ھ) نے
فرمائی ہے تو وہ مؤلف مذکور نے سمجھی ہی نہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ میرے استاد
محترم کے تفردات مقبول نہیں ہیں۔ (تفردات شیخنا غیر مقبولۃ ہدیۃ المہتدی ص ۱۲)
اور یہ سماع موتیٰ کا مسئلہ ان کے تفردات میں شامل نہیں ہے بلکہ اس پر علاوہ
صحیح احادیث کے امت کی اکثریت اور حضرات فقہاء کرام کا جم غفیر ان کے
ساتھ اور ان کا ہمنوا ہے لہٰذا حافظ ابن الہمامؒ جیسے صاحب ترجیح کی بات
کو بلاوجہ ترک نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان کے مبنی بر دلائل قول کو غیر معتبر قرار
دے کر رد کیا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر کسی نے مؤلف مذکور کی طرح سبق ہی یہ
پڑھا ہو کہ میں نہ مانوں تو اس کا معاملہ ہی جدا ہے۔

(۲) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ " یہ کہنے اور کلام کرنے کی بات اکثر سبکیؒ، سیوطیؒ، زرقانیؒ، یافعیؒ، محب الدین طبریؒ، نوویؒ، قاضی عیاض رحؒ وغیرہ کی ہیں جن میں سے کوئی بھی حنفی مسلک کا نہیں " (بلفظہٖ شفاء الصدور ص ۹۲)

اس عبارت سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرات احناف رحؒ میں سے کوئی اس کا قائل ہوتا تو مؤلف مذکور ضرور اس کو تسلیم کر لیتے کیونکہ وہ بزعم خویش حنفی مسلک کے مدعی ہیں۔ مگر ان کی شومئی قسمت کہ یہ کہنے والے سبھی بزرگ شافعی اور مالکی ہیں اس لئے ان کا مسلک اختیار کرنے سے معذوری ہے۔

لیکن انشاء اللہ تعالیٰ بحث آگے آرہی ہے کہ حضرات احناف رحؒ کا جم غفیر بھی سماع موتیٰ کا قائل ہے۔ حضرات مالکیہ اور شافعیہ ہی اس کے قائل نہیں ہیں پھر تاسف کی بات یہ ہے کہ انھوں نے حضرات احنافؒ کی بات بھی تو تسلیم نہیں کی۔ اولاً ابھی اوپر حافظ ابن الہمام رحؒ کا رد ان کی تحریر سے گزر چکا ہے، وثانیاً شفاء الصدور کے اسی صفحہ میں حضرت ملا علی ن القاری رحؒ اور علامہ ابن عابدین رحؒ کا حوالہ دے کر اور نامہ سے کہ انھوں نے ایک فقہی مسئلہ بیان کیا ہے کہ زائر قبر مبارک کے پاؤں کی طرف سے آئے اور سر کی طرف سے نہ آئے" تاکہ دیکھنے والے کو دقت نہ ہو۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " تو یہ اقوال حجت نہیں ہیں اور نہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس پر کوئی دلیل ہے۔

نام اللہ تعالیٰ کا ہے بالخصوص ترسی۔ آئی نسخے سے بھی زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ یہ محفوظ الماریوں کے اندر بند کتابوں میں خوشنویسوں کے قلم سے گر داخل ہو جاتے ہیں اور اصل کتاب جیسی خوشخط عبارتیں زیب قرطاس کر آتے ہیں اور کسی کو خبر تک نہیں ہوتی۔ اور وہ ایسے شاطر ہیں کہ حک و اضافہ کا وہم اور نشان بھی کتابوں میں نہیں رہنے دیتے کہ کسی کو حذف و اضافہ ہی کا شبہ پڑے۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:۔

واستفاضت الآثار بمعرفة الميت باحوال أهله وأصحابه في الدنيا وان ذلك يعرض عليه وجاءت الآثار بأنه يرى أيضا ويدري بما يفعل عنده ويسر بما كان حسنا ويتألم بما كان قبيحا اھ

(فتاوی ابن تیمیہؒ ج ۴ ص [illegible] و ص [illegible])

مشہور اور مستفیض احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مُردہ اپنے اہل و عیال اور دوستوں کے احوال کو جانتا ہے جو ان کو دنیا میں پیش آتے ہیں اور یہ حالات اس پر پیش کئے جاتے ہیں اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ دیکھتا بھی ہے، اور جو کچھ اس کے پاس کیا جاتا ہے اس کو جانتا بھی ہے۔ اگر وہ کار روائی اچھی ہو تو اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اگر وہ بُری ہو تو اس کو اس سے رنج پہنچتا ہے۔

اور شیخ بدرالدین شبلیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقد استفاضت الاخبار بمعرفة الميت

بہ تحقیق تواتر سے حدیثیں آئی ہیں کہ مُردہ

بحال اھلہ واصحابہم فی الدنیا وان
ذلک یعرض علیہ وانہ یؤذی ویدری
بما یفعل عندہ ویُسَرُّ بما کان حسنًا
ویتألم بما کان قبیحًا وروی ان عائشۃ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد ان دفن عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کانت تستتر
وتقول کان ابی وزوجی فاما عمر
فاجنبی تعنی انہ یراھا
(مختصر الفتاوی المصریہ صفحہ ۱۴۹)

اپنے اہل وعیال اور دوستوں کے حالات کو
جانتا ہے کیونکہ ان کے اعمال اس پر پیش
کئے جاتے ہیں اور جو کاروائی اس کے پاس
کی جاتی ہے مردہ اس کو دیکھتا اور جانتا ہے اچھی
کاروائی سے اس کو خوشی اور بری کاروائی سے
اسے تکلیف ہوتی ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ
حضرت عمرؓ کے دفن کئے جانے کے بعد حضرت
عائشہؓ پردہ کرکے اندر جاتی تھیں اور فرماتی
تھیں کہ پہلے تو میرے والد اور خاوند تھے۔ اور
بہرحال حضرت عمرؓ تو اجنبی ہیں۔ ان کی مراد
یہ ہے کہ حضرت عمرؓ ان کو دیکھتے ہیں۔

حنفیوں کی کتابوں میں تو یہ مخصوص صرف یہیں داخل کرسکے کہ میت دیکھتی ہے
مگر تعجب ہے کہ حنبلیوں کے ان معتبر فتاووں میں انہوں نے اس کے ثبوت میں حضرت
عائشہ صدیقہؓ کی روایت بھی داخل کردی ہے۔ اب کوئی کرے تو کیا کرے؟ اور ان
دسیسہ کاروں سے بھاگ کر جائے تو کہاں جائے؟ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

علمائے نجد

موجودہ زمانے کے نجدی علماء جو اکثر رسومات بدعیہ پر بھی بلاتکلف
شرک کا اطلاق کرنے سے نہیں چوکتے، اس بات کو

۞ بھی صاف طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ :-

ومعرفة الميت زائره ليس مختصا به صلى الله تعالى عليه وسلم (الدرر السنية في الاجوبة النجدية ۵ ص ۱۳۳)

میت کا اپنے زیارت کنندہ کو پہچاننا صرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سے مختص نہیں ہے (بلکہ ہر میت اپنے زائر کو پہچانتی ہے)۔

حضرت عائشہ رضی کی جس روایت کی طرف اس عبارت میں اشارہ کیا گیا ہے وہ یوں ہے :-

عن عائشة رضی قالت كنت ادخل بيتي الذي فيه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وابي واضع ثيابي واقول انما هو زوجي وابي فلما دفن عمر معهم فوالله ما دخلته الا وانا مشدودة علي ثيابي حياء من عمر (رواه احمد في مسنده ج ۶ ص ۲۰۲ ومشكوة ج ۱ ص ۱۵۴ وقال الهيثمي رواه احمد ورجاله رجال الصحيح مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۷)

حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ میرے جس گھر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور میرے والد مدفون تھے میں کپڑوں کا خاص اہتمام کئے بغیر ہی اس میں داخل ہو جاتی تھی اور میں یہ کہتی تھی کہ میرے والد اور خاوند ہیں اور جب ان کے ساتھ حضرت عمرؓ بھی دفن کئے گئے تو بخدا میں حضرت عمر رضی سے حیا کرتے ہوئے کپڑے اوڑھ کر (اور خوب اہتمام کرکے) وہاں جاتی تھی۔ امام احمد نے مسند میں یہ روایت درج کی ہے اور امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے سب راوی بخاری کے راوی ہیں۔

مؤلف مذکور جو تفسیر اور توجیہ اس صحیح روایت کی کرتے ہیں وہی توجیہ حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ کی ایسی عبارات کی کر دیں تو ہم اس پر صاد دیتے ہیں تاکہ حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ کی گرانمایہ اور بلند پایہ کتابوں کو بالخصوص دشمنوں سے تو بچا لیں۔ مگر ہماری توجیہ پسند نہ آئے تو اس کو قبول کر لیں۔ وہ یہ کہ ان عبارات میں رؤیت سے رؤیت بصری مراد نہیں ہے بلکہ رؤیت قلبی مراد ہے جس کو علم بھی کہتے ہیں۔ صراح میں لکھا ہے: رؤیۃ دیدن بچشم و بدل دانستن متعدی بیک مفعول و دانستن متعدی بدو مفعول اھ یعنی لفظ رؤیت آنکھ کے ساتھ دیکھنے پر بھی بولا جاتا ہے اور جاننے پر بھی بولا جاتا ہے۔ پہلی صورت میں ایک مفعول اور دوسری صورت میں دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ تفسیر خازن (ج۴ ص۱۲۲) اور معالم التنزیل (ج۴ ص۱۱۱) میں الم تر کے معنی الم تعلم کئے گئے ہیں اور امام ابو بکر بن خالویہ فرماتے ہیں کل ما فی القرآن من الم تر فمعناہ الم تخبر الم تعلم لیس من رؤیۃ العیان (اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن ص۴۷)

اور حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کی ان عبارات میں رؤیت سے جاننا مراد ہے۔ کہ جب کوئی زندہ شخص قبر کے پاس آکر سلام و کلام کرتا ہے تو مردے اس کو اور لب و لہجہ سے پہچان لیتے ہیں جیسا کہ نابینا حضرات لوگوں کو آواز سے پہچانتے ہیں مگر نابینا سے بھی اگر کلام کرتا ہے تو وہ لوگ اس کے پیچھے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ سامنے ہی کھڑے ہوتے ہیں گو اس کو نظر کچھ بھی نہیں آتا۔ لیکن عادت یوں ہی ہے اور متکلم کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اگر یہ بینا ہوتا تو میں اس کے سامنے ہی

سے آتا، اب بھی ایسا ہی کروں یہی حال اموات کے ساتھ کرنا چاہیے کہ اگر وہ قبر کے مضبوط پردہ کے نیچے سے اپنی جسمی آنکھوں سے دیکھتے ہوتے تو ان کے پاس آنے والے سامنے سے ہی آتے، اس لئے اب قبر پر سامنے ہی کی طرف سے آئیں نہ کہ پیچھے کی طرف سے، اور ان کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھ کر یوں خیال اور تصور کریں کہ گویا وہ دیکھتے ہیں۔ اس کو ایسا ہی سمجھئے جیسا کوئی مؤدب شاگرد اپنے استاد کے مصلے یا ان کی خاص نشست گاہ پر استاد کی غیر حاضری میں بھی کھڑا ہونے اور بیٹھنے کی ہمت اور جرأت نہیں کرتا اس خیال سے کہ یہ میرے استاد کا مقام ہے کہ اگر استاد محترم موجود ہوتے تو ان کی موجودگی میں یہ جرأت نہ کرتا۔ اب بھی ان کا ادب و احترام ملحوظ رکھتا ہوں۔ ٹھیک اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ بوقت زیارت کیا کرتی تھیں۔ چونکہ حضرت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ ہی وہاں مدفون تھے وہ تستر کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی تھیں جیسا کہ ان کی زندگی میں نہیں کرتی تھیں۔ بخلاف حضرت عمرؓ کے کیونکہ وہ شرعاً غیر محرم تھے اس لئے جس طرح ان کی زندگی میں وہ ان کے سامنے پردے کا اہتمام کرتی تھیں بعد از وفات بھی اس کو ملحوظ رکھا۔

راقم اثیم کے نزدیک حضرت عائشہؓ کی یہ صحیح روایت اور اسی مضمون کی اور بعض دیگر روایات اور آثار حضرات فقہاء کرام کی عبارات کا ماخذ ہیں اور ایسی ہی روایات پر نگاہ رکھتے ہوئے انھوں نے یہ لکھا ہے اور یہ بات

صرف حضرت ملا علی بن القاری رحہ اور علامہ شامی رحہ ہی نے نہیں لکھی جن کا موقف مذکور سب بے اعتمادی کا نشتر چبھو رہا ہے بلکہ دیگر متعدد حضرات فقہاء احناف نے بھی یہ بات لکھی ہے۔ اور دوسرے حضرات نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ چنانچہ علامہ حسن بن عمار الشرنبلالی الحنفی رحہ (المتوفی ۱۰۶۹ھ) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا طریقہ یہ بتلاتے ہیں: کہ سلام کرنے والا آپ کے سر مبارک اور چہرۂ انور کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑا ہو اور پھر اسے تلقین کرتے ہیں کہ:-

ملاحظاً نظرہ السعید الیک وسماعہ کلامک وردہ علیک سلامک وتامینہ علی دعائک (نور الایضاح ص۱۲۱)	تو یہ خیال اور لحاظ کرکے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک تیری طرف متوجہ ہے اور آپ خود تیرا کلام سنتے اور تیرے سلام کا جواب دیتے اور تیری دعا پر آمین کہتے ہیں۔

اس کی شرح میں علامہ سید احمد طحطاوی الحنفی رحہ (المتوفی ۱۲۳۱ھ) لکھتے ہیں:

ای ملاحظا انہ ناظر الیک (طحطاوی ص۴۰۴)	یعنی تو یہ خیال اور تصور کر کہ آپ تیری طرف دیکھتے ہیں۔

اور علامہ رحمۃ اللہ السندھی الحنفی رحہ (المتوفی ۹۹۳ھ) اپنی مشہور کتاب لباب المناسک میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے کے آداب میں یہ بھی فرماتے اور بتاتے ہیں کہ:-

متمثلا صورته الكريمة في خيالك مستشعرا بانه عليه الصلوٰة والسلام عالم بحضورك وقيامك وسلامك۔

تم اپنے ذہن اور خیال میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک صورت کا تصور باندھو یہ خیال اور تصور کرتے ہوئے کہ آپ تیرے حاضر ہونے کھڑے ہونے اور تیرے کلام کرنے کو جانتے ہیں۔

اس کی شرح میں لفظ مستشعرا الخ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت ملا علی بن القاری الحنفی رح (المتوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ صرف اتنا ہی تصور نہ کرنا کہ آپ تیرے حضور کلام اور سلام ہی کو جانتے ہیں۔

اي بل بجميع افعالك واحوالك وارتحالك ومقامك وكانه حاضر جالس بازائك انتهى (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط ص ۳۳۵)

بلکہ یوں تصور کرنا کہ آپ تیرے تمام افعال اور احوال اور سفر کرکے آنے اور کھڑے ہونے کو جانتے ہیں اور یہ تصور کرنا کہ گویا آپ تیرے سامنے حاضر اور تشریف فرما ہیں۔

ان عبارات میں صراحت کر دی گئی ہے کہ روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والا آپ کو صلوٰۃ وسلام عرض کرتے وقت دل میں یہ تصور اور خیال رکھے کہ گویا آپ حاضر ہیں اور سامنے تشریف فرما ہیں اور وَكَاَنَّهٗ حَاضِرٌ جَالِسٌ بِاِزَائِكَ کا جملہ اس کی واضح دلیل ہے۔ اہل علم اس کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

علامہ السید نور الدین علی بن احمد السمہودی الشافعی رح (المتوفی ۹۱۱ھ) حضرت امام

محمدؒ بن محمد الغزالی رح (المتوفی ۵۰۵ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

وقال في الاحياء واعلم انه صلى الله تعالى عليه وسلم عالم بحضورك وقيامك وزيارتك وانه يبلغه سلامك وصلوتك فمثل صورته الكريمة في خيالك واحضر عظيم رتبته في قلبك اه (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۲۳)

امام غزالی رح نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ (اے زیارت کنندہ) تو جان لے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تیرے حاضر ہونے کھڑے ہونے اور تیرے زیارت کرنے کو جانتے ہیں اور آپ کو تیرا سلام اور درود پہنچتا ہے سو اپنے خیال و ذہن میں آپ کی صورت مبارکہ کا تصور باندھ اور اپنے دل میں آپ کے عظیم رتبہ کا خیال ملحوظ رکھو۔

اور علامہ سمہودی رح خود اپنا فیصلہ یہ صادر فرماتے ہیں کہ:-

ولا ريب ان الادب معه صلى الله تعالى عليه وسلم بعد وفاته مطلوب كما كان في حياته فما كنت صانعه في حياته فاصنعه بعد وفاته من احترامه والاطراق بين يديه اه (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۴۴)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح ادب مطلوب ہے جس طرح آپ کی زندگی میں تھا سو جس طرح تو آپ کی زندگی میں آپ کا ادب کرتا اور آپ کے سامنے سر نیچا کرتا تھا آپ کی وفات کے بعد بھی تو ایسا ہی کر۔

یہ تمام عبارات تو ذمہ دار علماء حق کی ہیں اور اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل

روشن ہیں۔ مؤلفِ شفاء الصدور کس کس کا انکار کریں گے؟

علامہ احمد بن محمد القسطلانی رح (المتوفی ۹۲۳ھ) مواہب اللدنیہ میں اور اس کے شارح علامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی رح (المتوفی ۱۱۲۲ھ) لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والا

ویلازم الأدب والخشوع والتواضع غاض البصر فی مقام الهیبة کما کان یفعل بین یدیه فی حیاته اذ هو حی ولیستحضر علمه بوقوفه بین یدیه وسماعه لسلامه کما هو فی حال حیاته اذ لا فرق بین موته وحیاته فی مشاهدته لأمته ومعرفته باحوالهم ونیاتهم وعزائمهم وخواطرهم وذلك عنده جلی ظاهر لا خفاء به باطلاع الله تعالیٰ له علی ذلك الخ (المواهب اللدنیه مع شرحه للزرقانی ج ۸ ص ۳۰۵)

ادب، خشوع اور تواضع کو لازم پکڑے اور ہیبت کے مقام پر اپنی نگاہ کو نیچی رکھے جیسا کہ آپ کے سامنے آپ کی زندگی میں کرتا تھا، کیونکہ آپ زندہ ہیں اور اس بات کو ذہن میں حاضر رکھے کہ آپ آنے والے کے اپنے سامنے کھڑا ہونے اور اس کے سلام کو سنتے ہیں جیسا کہ آپ کی زندگی کی حالت میں تھا اس لئے کہ آپ کی موت و حیات میں اپنی امت کے مشاہدہ اور ان کے احوال و نیات و عزائم اور خیالات کو پہچاننے میں کوئی فرق نہیں اور یہ بات آپ کے ہاں بالکل روشن اور ظاہر ہے اس میں کوئی خفا نہیں ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر اطلاع دیتا ہے۔

اس عبارت سے اہلِ بدعت نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے دیوار کے پار دیکھنے کو علمِ غیب ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے مگر وہ بیچارے استحضار کا مفہوم ہی نہیں سمجھے۔ استحضار کا یہ معنی ہوتا ہے کہ اپنے ذہن اور خیال میں ایک بات کو حاضر کرے اور ذہن میں پیشِ نظر رکھے۔ اور اگر تاریخ اور نفس الامر میں کبھی اللہ تعالیٰ کسی کی خصوصی نیت اور حالت کی آپ کو کوئی خبر دے جیسا کہ علامہ زرقانیؒ باطلاع اللہ تعالیٰ لہ علی ذالک سے اس بات کو سمجھانا چاہتے ہیں تو شرعًا اس میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی اور نہ اس کا علمِ غیب سے کوئی تعلق ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔

مؤلف ندائے حق کی باطل تاویل!

مؤلف مذکور حضرت عائشہ رضؓ کی مذکور حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ " اور اگر اس حدیث کو صحیح مان لیں پھر بھی ہمارا کچھ نہیں بگڑتا اور آپ کا مقصود اس سے ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ دفن عمرؓ سے پہلے تو حجرہ شریفہ مخصوص تھا۔ بغیر اجازت کے کوئی اندر نہیں جا سکتا تھا۔ پھر جب حضرت عمرؓ دفن ہوئے تو عمرؓ کے اقرب اگر اسلام علیکم کرنے آئیں تو انہیں کون منع کرے۔ اس لئے حضرت عائشہ صدیقہؓ جو اچھی طرح کپڑے لپیٹ لیتی تھیں تو تقارب عمرؓ سے پردہ کرنے کے لئے۔ نہ کہ حضرت عمرؓ کی ذات مدفونہ سے پردہ کرنے کے لئے۔ رُواۃ کے اختصار فی الحدیث سے یار لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھا

کرامواتـ کے لیے حواس جسد عنصری والے ثابت کرنا شروع کر دیئے۔ الحاصل حدیث مذکور اس بات پر دال نہیں کہ نبی صلعم کا سماع و بصر ثابت ہو۔ جسد عنصری کے کانوں، آنکھوں سے اہل دنیا کی اصوات و ذوات کے بارے " الخ (ملخصاً ندائے حق ص۳۸)

الجواب۔ مؤلف مذکور نے اس صحیح حدیث کا جس ننگ اور جس طرز سے انکار کیا ہے منکرین حدیث بھی کبھی ایسا نہ کر سکیں۔ بات صرف یہاں ختم ہوتی ہے کہ میں نہ مانوں، باقی سب بہانے ہیں۔ اور مؤلف مذکور نے اس پر مطلقاً غور نہ کیا اور نہ اس کا با حوالہ ثبوت دیا کہ حضرت عمر رض کے دفن سے پہلے حجرہ شریفہ یوں مخصوص تھا کہ بغیر اجازت کے اندر کوئی نہیں جا سکتا تھی؟ اس کا کیا ثبوت اور حوالہ ہے؟ کون اجازت مانگتا تھا اور کس سے مانگتا تھی؟ یہ صحیح روایت تو خود صاف بتاتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رض مدفون ہو چکے تھے تو حضرت عائشہ رض اس حجرہ شریفہ میں نہیں رہتی تھیں بلکہ وہ فرماتی ہیں کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث کہ میں اپنے اس کمرے میں داخل ہوتی تھی جہاں آپ مدفون تھے۔ اور پھر وہ تصریح فرماتی ہیں کہ جب حضرت عمر رض مدفون ہو چکے تو وہ پردے کا اہتمام کر کے جاتی تھیں اور یہ کاروائی حضرت عمر رض کے اقارب سے نہیں بلکہ خود حضرت عمر رض سے حیا کی بنا پر تھی۔ "حیاءً من عمر رض" کے الفاظ اس میں صراحت سے موجود

ہیں۔ پھر مؤلف مذکور کو یہ ہمت بھی نہیں ہو سکی کہ وہ حضرات محدثین کرامؒ کے حوالہ سے یہ بتلاتے کہ اصل روایت یہ تھی اور رُواۃ کے اختصار سے اس کا نقشہ یوں بن گیا ہے۔ اور اُلٹا وہ بار بار لوگوں کو بلاوجہ کوستے ہیں کہ انھوں نے اس حدیث سے ناجائز فائدہ اٹھایا ـــــ یار لوگوں نے تو اس سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا البتہ مؤلف مذکور نے اس کی بالکل ناروا اور باطل تاویل کر کے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا ہے اور اس اصل کے بعد جس طرح انھوں نے غلط نتیجہ نکالا ہے، وہ ان کی کم فہمی کا رونا رو رہا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسدِ عنصری محفوظ ہے اور روحِ مبارک کا اس سے قوی تعلق ہے تو آپ قریب سے کانوں سے اہلِ دُنیا کے اصوات کیوں نہیں سن سکتے اور جسدِ عنصری کی آنکھوں سے قبر اور برزخ کی چیزوں کو کیوں نہیں دیکھ سکتے؟

(۳) یہی مؤلف لکھتے ہیں کہ ـــ " اگر تو یہ کہے کہ اگرچہ ہم اس بات کی سمعی دلیل تو نہیں جانتے لیکن ہم ان جلیل القدر فقہاء کرامؒ پر اعتماد کرتے ہیں کیونکہ وہ جھوٹ تو نہیں کہتے۔ انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ دلائل کی بنا پر کہا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ہم نے یہ تسلیم کیا کہ حضرات فقہاء کرامؒ جھوٹ نہیں بولتے لیکن خطا اور نسیان تو ممکن ہے۔ مولانا محمد عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات مصنف فی نفسہٖ معتبر ہوتا ہے مگر اس کی کتاب نامعتبر ہوتی

ہے کیونکہ اس نے اس میں تنقید و تنقیح کا التزام نہیں کیا ہوتا اور اس میں وہ تدقیق و توضیح کے بغیر ہر رطب و یابس جمع کیا ہوتا ہے (مقدمہ عمدۃ الرعایہ صفحہ ۱۲۔ شفاء الصدور صفحہ ۹ مصطفائی مترجماً) انتہیٰ

مؤلف مذکور کی اس عبارت کا ایک ظاہری مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ علامہ ابن عابدینؒ اور حضرت ملا علی بن القاریؒ وغیرہ کی کتابیں ہی سرے سے نامعتبر ہیں کیونکہ وہ تنقید و تنقیح سے خالی ہیں اگرچہ ان کے مصنف فی نفسہٖ معتبر ہیں اور دوسرا مطلب جو بظاہر مؤلف مذکور کی مراد ہے یہ ہے کہ ان کتابوں میں یہ مسائل اور جزئیات نامعتبر ہیں اس لئے کہ وہ تدقیق و توضیح سے عاری ہیں۔ بہرحال کچھ بھی ہو مؤلف مذکور کے نزدیک ان حضرات کی ان عبارات سے اتفاق مشکل ہے۔ مگر ایک بات فہم سے بالاتر ہے وہ یہ کہ کسی مصنف کا اپنی کتاب میں تنقید و تنقیح کا التزام نہ کرنا خطا اور نسیان کیسے ہو گیا؟ اور ان دونوں باتوں میں جوڑ اور تلازم کیا ہے؟ علاوہ ازیں پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلامی کتابوں کا وہ تمام ذخیرہ جس میں صحیح کے پہلو میں ضعیف اور قوی کے ساتھ کمزور اور راجح قول کے ساتھ مرجوح اور ناسخ کے ساتھ منسوخ وغیرہ درج ہوتا ہے وہ سبھی کتابیں نامعتبر ہیں اور اس لحاظ سے کتاب اللہ تعالیٰ کے بعد صحیحین کے سوا یا محدودے چند اور کتابوں کے علاوہ باقی تمام اسلامی کتابیں عام اس سے کہ وہ حدیث و تفسیر کی ہوں یا فقہ و تاریخ وغیرہ کی سبھی تو نامعتبر ہوں؟ پھر یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے

نہ کیا سبھی حضرات فقہاء کرام رح جو مختلف علاقوں اور زمانوں میں گزرے ہیں خطا اور نسیان پر کمربستہ ہو گئے اور تالیف کے اثناء میں سامنے کتابوں کو اپنا رہبر رکھتے ہوئے بھی ان کا نسیان نہ گیا اور نہ خطا کے چکر سے نکل سکے۔ یہ ذہن اور نظریہ انتہائی خطرناک اور سخت مضر ہے، اور یہ نظریہ صرف مؤلف شفاء الصدور ہی کا نہیں بلکہ مؤلف اقامۃ البرہان کا نظریہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے؛ چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

"نشر الطیب مولانا تھانوی رح کے ابتدائی دور کی تصنیف ہے جو ہر قسم کے رطب و یابس روایتوں سے پر ہے اس لئے وہ درجہ استناد سے ساقط ہے"

(ملخصاً اقامۃ البرہان صفحہ ۲۹)۔

یہ صحیح ہے کہ نشر الطیب میں کمزور اور ضعیف روایات بھی ہیں لیکن اس میں قرآن کریم کی آیات اور صحیح احادیث اور مستند اقوال بھی تو موجود ہیں۔ یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ مؤلف مذکور نے ساری کتاب ہی کو درجہ استناد سے ساقط کر دیا ہے۔ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ

(۴) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ "ملا علی ن القاری رح اپنی کتابوں میں بہت غلطیاں کرتے ہیں۔ اطمینان کے لئے مقدمہ تنسیق النظام اور شرح نخبۃ الفکر پر حواشی عبداللہ ٹونکی کو دیکھو۔ محمد حسن سنبھلی رح فرماتے ہیں کہ ملا علی ن القاری حنفی رح کی بہت عجیب حالت ہے۔ موافق مخالف رطب و یابس صحیح

ضعیف سب نقل کردیتا ہے۔ حدیثوں کی تنقیح اور ان کا امتیاز نہیں کرتا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اکثر تصانیف عجلت سے لکھی گئی ہیں۔ پھر قاری صاحب کی ہر بات پر اعتماد کرنا درست نہ ہوا خصوصاً جبکہ ذہبی رح اور سیوطی کی تقلید میں کوئی بات لکھ جائیں۔ اسی طرح ابن عابدین نے محمد بن عبدالوہاب کے بارہ میں سنی سنائی بات لکھ دی۔" (ترجمہ شفاء الصدور صفحہ و صفحہ)

مؤلف مذکور کی مراد واضح ہے کہ حضرت ملا علی بن القاری رح اور علامہ ابن عابدین الشامی رح کی ہر بات قابلِ اعتماد نہیں ہے اور اس ہر بات سے مؤلف مذکور کی مراد یہاں پر وہ مسئلہ اور جزئیہ ہے جس میں ان دونوں بزرگوں نے روایات پر اعتبار کرتے ہوئے جمہور اور اکثریت کا ساتھ دیا ہے اور ان کے نامعتبر اور غیر قابلِ اعتماد ہونے کی وجہ بھی مؤلف مذکور کے ہاں صرف یہی ہے

(۵) چلیے سبکی رح، سیوطی رح، نووی رح، اور قاضی عیاض رح، زرقانی رح وغیرہ شافعی اور مالکی ہیں، ان کی بات نہ سہی۔ جن اکابر فقہاء احناف رح نے سماعِ موتی کا اقرار کیا ہے مثلاً ابن الہمام رح، علامہ عینی رح، ملا علی ن القاری رح، علامہ آلوسی رح، بحر العلوم رح، مولانا نانوتوی رح وغیرہ حضرات، تو یہ جملہ حضرات حنفی ہیں اور یہ سب سماعِ موتی کے قائل ہیں۔ ان کی بات ہی تسلیم کرلیتے یا ان کی بات بھی محال است و جنوں کا مصداق ہے؟ اگر حضرات علماء اسلام پر بے اعتمادی کا یہی عالم رہا تو پھر منکرین حدیث اور باطل فرقوں کے نظریات بلا روک ٹوک مسلمانوں میں

سرایت کریں گے اور معاذ اللہ تعالیٰ اسلامی مسائل کا حلیہ بگڑ جائے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ غیر معروف الفقہ والعدالۃ ہیں (معاذ اللہ تعالےٰ)

ان حضرات کو اپنی قائم کردہ غیر معصوم رائے پر اتنا اصرار ہے کہ اجماع اور جمہور اور مسلم حضرات فقہاء کرام رح کو چھوڑنے سے گریز کرنا تو درکنار انھوں نے حضرات صحابہ کرام رض پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے (معاذ اللہ تعالےٰ) کسی کی بات کو اعرابی اور جنگلی کہہ کر ٹال گئے ہیں اور کسی کی بات کو یہ کہہ کر کہ صحابی کی بات حجت نہیں اور حضرت ابوہریرہ رضؓ کی تو عدالت ہی کا انکار کر دیا ہے، چنانچہ مؤلف ندائے حق حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

" پھر بیہقی کو بھی صرف تمام دلو سے زائد صحابہ رضؓ ہیں سے جن میں معروف بالاجتہاد والفقہ بھی تھے، ایسی اہم اور ضروری حدیث جس کا انکار موجب فسق و ضلال ہے۔ صرف ایک صحابی غیر معروف الفقہ والعدالۃ یعنی حضرت ابوہریرہ ہی سے روایت ملی جس کی روایت عموم قرآنی اور عام قاعدہ کے خلاف ہو تو مسترد کر دی جاتی ہے جیسے ان کی مصراۃ والی روایت کو احناف رح نے فرما دیا کہ خلاف قرآن ہے۔ الخ (ندائے حق صفحہ ۱۲۵)

حضرت امام بیہقی رح کا تو کمال ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سماع خلف الامام کے بارے میں ایک صحابی کی روایت کی نشاندہی تو کر دی

ہے مگر مؤلف مذا نے حق اور ان کی پوری جماعت اس سے یقیناً قاصر رہی ہے اور تا قیامت قاصر رہے گی کہ وہ کسی ایک ہی صحابی سے یا کسی ایک ہی تابعی سے یا کسی ایک معتبر محدث اور فقیہ سے صاف اور صریح الفاظ میں یہ ثابت کر دے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے اگرچہ بعض حضرات فقہاء کرام رح نے یہ تو لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رض مجتہد اور فقیہ نہ تھے لیکن خود محققین احناف نے اس کی سختی سے تردید کی ہے۔ (ملاحظہ ہو الورد الشذی صلہ وغیرہ) مگر یہ کسی فقیہ نے لکھا ہے کہ وہ معروف العدالۃ بھی نہ تھے اگر حضرت ابوہریرہ رض کی عدالت ثابت نہیں ہے جو ثقاہت راوی کے لیے ایک بنیادی شرط ہے تو ان کی تمام حدیثیں قابلِ رد ہیں۔ اور اس باطل نظریہ کے قائل شاید جناب غلام احمد صاحب پرویز بھی نہ ہوں۔ آخر وہ بھی تو مفید مطلب روایات کو تاریخ کی حیثیت دے کر تسلیم کر لیتے ہیں۔

حضرات فقہاء احناف رح ایرے غیرے نتھو خیرے نہیں اور ان کی کتابیں پوتھیاں ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ)

امام ابن الہمام رح، حضرت ملا علی بن القاری رح، علامہ بحر العلوم رح، علامہ رحمت اللہ السندی الحنفی رح، علامہ شرنبلالی رح اور حضرت مولانا گنگوہی رح وغیرہ احناف رح نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب زائر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض

کرنے اور طلب دعا کی التجا سے فارغ ہو جائے تو پھر حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ سے سلام عرض کرے۔ اور یوں کہے کہ آپ میرے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میری مغفرت کی دعا کی سفارش کریں (محصلہ) ان میں سے بعض کے حوالے راقم نے تسکین الصدور طبع اول میں عرض کئے تھے اور کچھ طبع ثانی میں موجود ہیں۔ اس پر گرفت کرتے ہوئے مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں کہ خلاصہ یہ نکلا کہ شیخین (ابوبکر رضؓ وعمر رضؓ) سے درخواست کہ تم حضور ؐ کو کہو کہ خدا سے کہیں کہ وہ ہماری مغفرت کرے۔ یعنی واسطہ در واسطہ، بریلویوں سے ایک قدم آگے۔ وہ تو کہتے ہیں اے نظیر میری تیرے آگے اور تیری اللہ کے آگے (دعا والتجا) ہے اور یہ بناسپتی دیوبندی فرماتے ہیں۔ ہماری ابوبکر وعمر کے آگے اور ان کی حضور کے آگے اور پھر حضور کی اللہ کے آگے۔ واہ ری دیوبندیت جدیدہ ترمیم شدہ الیٰ ان قال۔ جیسے وہ (بریلوی) لوگ اپنے مسلک کی تائید میں کسی ایرے غیرے نتھو خیرے کا قول کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالتے ہیں اگرچہ کتاب وسنت کے خلاف ہو۔ ایسے ہی تم نے بھی اپنی تائید میں کتابوں کے حوالے پیش کئے۔ دلائل اربعہ (کتاب وسنت اجماع وقیاس مجتہد) میں سے نہ ان کا دعویٰ ثابت اور نہ تمہارا۔ یہود ونصاریٰ بھی توریت وانجیل کو چھوڑ کر اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی پوتھیاں پیش کرتے ہیں اھ (بلفظہٖ ندائے حق جلد ۱ صفحہ) مطلب واضح ہے کہ یہ جلیل القدر حضرات فقہاء احناف ؒ ایرے غیرے

نخود غیرے ہیں اور ان کی یہ کتابیں پوتھیاں ہیں اور تم ان کی بات ڈھونڈ نکالنے والے بنا سپتی دیوبندی ہو، وا دری دیوبندیت جدیدہ ترمیم شدہ۔ مگر افسوس ہے کہ مؤلف مذکور بقول خود اصلی دیوبندیت کے کسی حامی بزرگ سے کتاب و سنت اور اجماع و قیاس مجتہد سے ایک حوالہ بھی اس کے عدم جواز پر صراحت سے پیش نہیں کر سکے اور نہ تا قیامت پیش کر سکتے ہیں۔ اور پھر سے وہ بایں ہمہ اصلی دیوبندی بنے ہوئے ہیں۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ

مؤلف مذکور بلاوجہ محض اپنے عوام کو خوش کرنے کے لئے ہمیں بزور بریلی ہونے کا ناروا طعن دیتے ہیں حالانکہ ہمارے اکابر علماء دیوبند سماع موتی میں روح کے ساتھ جسد عنصری کی مشارکت کے بھی (گو بعض کے نزدیک جسم مثالی سے تلبس بھی ہو) قائل ہیں۔ اور مولوی احمد رضا خان صاحب صرف روح کے سماع کے قائل ہیں اور جسم مثالی سے یہ تعلق تسلیم کرتے ہیں اور یہی نظریہ مؤلف ندائے حق اور ان کے ہمنوا دوستوں کا ہے۔

چنانچہ احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:۔

عرض۔ اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا کا انکار سماع موتیٰ سے رجوع ثابت ہے یا نہیں؟

ارشاد۔ نہیں۔ وہ جو فرما رہی ہیں حق فرما رہی ہیں۔ وہ مُردوں کے سُننے کا انکار فرماتی ہیں۔ مُردے کون ہیں؟ جسم روح مُردہ نہیں اور بے شک جسم

نہیں سُنتا، روح سُنتی ہے، الخ۔ پھر آگے لکھتے ہیں :-

سماع کے عرفی معنیٰ ان آلات کے ذریعہ سے سُننا اور یہ یقیناً بعد مرنے کے روح سے کے لیے نہیں۔ روح کو جسم مثالی دیا جاتا ہے، اس کے جسم کے کانوں سے سُنتی ہے الخ۔ (ملفوظات حصہ سوم صفحہ ۳۳)

غور کیجئے اور انصاف سے فرمائیے کہ اس مسئلہ میں خالفصاحب بریلوی کا ہمنوا کون ہے؟ مگر دُنیا میں ایسا ہوتا رہا کہ چھاننی لوٹے کو دو سوراخ ہونے کا طعن دیتی ہے۔

(۴) جمہور کی توہین

مسئلہ استشفاع عندالقبر اور سماع موتیٰ کی چونکہ جمہور اُمت قائل ہے اور حضرات فقہاءِ احناف، اور ہمارے اکابر علماءِ دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی کثرت اس کی قائل ہے اور مؤلف ندائے حق چونکہ جمہور کے قائل نہیں ہیں، اس لئے ایک مقام پر جمہور سے برہم ہو کر علمی ہوش کو بالائے طاق رکھ کر خالص جوش میں آکر لکھتے ہیں :-

"اگر جمہور کا یہ حال ہے تو ہم ایسے جمہور کی اتباع سے رہے، ہم جمہور سے علیحدہ ہی اچھے ہیں (ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جمہور کی معیت نصیب فرمائے آمین۔ صفدر) ہم ایسے جمہور کے عاشق نہیں۔ ہمیں تو قرآن و سُنت و اتباع مجتہدین کافی ہیں۔ (معاف رکھنا یہ سب جمہور کے ساتھ ہیں بلکہ جمہور ان پر عامل ہیں اور آپ کے پاس صرف لفظوں کی شعبدہ بازی ہے اور بس۔ صفدر)

یہ جمہور زنبور کشف خوابیں جنگلیوں کا مذہب آپ ہی کو نصیب ہو الخ (حفظہم فدائے حق ص۳۴۳)۔

قارئین کرام! آپ مؤلف مذکور کا انداز گفتگو ملاحظہ کریں کہ انھوں نے جمہور کو کیا کہا؟ اور کن الفاظ سے یاد کیا ہے۔ عربی زبان میں زُنبور بھڑ کو کہتے ہیں جو چھوٹی سُرخ رنگ کی ہوتی ہے اور بڑی بھڑ کو کالی بھڑ کہتے ہیں جو مختلف رنگ کی ہوتی ہے اور زہریلا ڈنگ مارتی ہے۔ مگر سخت افسوس ہے کہ مؤلف مذکور نے جمہور کو بھی زُنبور بنا ڈالا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ جب ان کے نزدیک جمہور کا یہ ادب و احترام ہے تو ما و شما کی ان کے نزدیک کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے؟ اور غور کیجئے کہ ایک جلیل القدر دیہاتی صحابی کے خواب کو (جس کی بحث آگے آ رہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ) جس کی تائید خلیفہ راشد حضرت عمرؓ نے حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں کی اور جس کی تصدیق حضرات صحابہ کرامؓ نے کی مؤلف مذکور نے کس بے باکی اور جسارت سے اس کو کشف خوابیں اور جنگلیوں کا مذہب کہہ کر اس کا تمسخر اڑایا ہے اور کس طرح وہ حدیث ولعن آخر ھذہ الامۃ اولھا (ترمذی ج۲ ص۴۴ و مشکوٰۃ ج۲ ص۴۷۰) کا مصداق بن رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین۔

(۸) اور علماء سوء بھی ان کو تعلیم دیتے ہیں کہ اگرچہ دور سے نہیں تو قبر کے اوپر جاکر اگر پکارا جائے اور سفارشیں کروائی جائیں اور درخواستیں پیش کی جائیں تو مُردے

سمجھتے جاتے ہیں معاذ اللہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تعالیٰ۔ ایسے غلط عقائد اور شرکیہ خیالات اور بدعیہ حرکات وسکنات سے بچائے۔ اگر اس قسم کے شرع میں جائز ہوتے تو سب سے پہلے صحابۂ کرام رض سید المرسلین خاتم النبیین صلعم کی مزار مبارک پر بجا کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سید الانبیاء علیہم السلام کی قبر مبارک کو ایسے کرتوتوں سے بچا کر رکھا ہے انتہیٰ (بلفظہ شفاء الصدور ص۲۸)

بحمد اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ ہم نے استشفاع عند القبر کی کچھ بحث اس پیش نظر کتاب میں اور کچھ تسکین الصدور طبع دوم میں کر دی ہے کہ کیا حضرات صحابۂ کرام سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ لیکن مؤلف مذکور کی دیدہ دلیری دیکھئے کہ انہوں نے بیک جنبش قلم استشفاع عند القبر کے جواز کے قائلین کو علماء سوء کے زمرہ میں شامل کر دیا ہے اور آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ کون کون علماء اس مد میں آتے ہیں یا بالفاظ دیگر کون اس شاہی فتویٰ کی زد سے بچ سکتا ہے؟ اور ملاحظہ کیجئے کہ کس سینہ زوری سے انہوں نے حضرات فقہاء کرام رح کے ایک جائز فتویٰ کو غلط عقائد، شرکیہ خیالات اور بدعیہ حرکات وسکنات میں جا داخل کیا ہے۔

(۹) مؤلف مذکور عنوان یوں قائم کرتے ہیں:۔ "باب پنجم۔ ملحدین و مبتدعین سماع موتیٰ الخ۔" (شفاء الصدور ص۱۰۱)

اس عنوان کے تحت انہوں نے بزعم خویش بعض فرقوں کی کچھ عبارات بھی نقل کی ہیں لیکن ان عبارات کا سماع موتیٰ کے اس پہلو سے ہرگز کوئی تعلق

نہیں جو حضرت فقہاء کرام رحمہم اللہ کے درمیان نزاعی ہے۔ یہ سب کچھ مؤلف مذکور کے اپنے سوء فہم کا نتیجہ اور ان کی اپنی ذاتی کشیدہ ہے مگر ان کا مقصد ان تمام غیر متعلق عبارات سے صرف یہ ہے کہ سماع موتی کا قائل ملحد اور مبتدع ہے جیسا کہ ان کے عنوان سے ظاہر ہے۔ مؤلف مذکور کے اس باطل نظریہ کے تحت آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ کون کون حضرات ملحد اور مبتدع قرار پاتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔

فضول بھرتی اور اس کا رد

مؤلف ندائے حق نے اپنی کتاب میں ص۱۲۵ سے ص۱۵۰ تک لفظ جمہور کا عنوان قائم کر کے خاصی بحث کی ہے جس میں انھوں نے ایک بات تو یہ کہی ہے کہ ادلۃ الشرع تو چار ہیں مگر صاحب تسکین الصدور پانچویں بھی مانتے ہیں جو جمہور ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ کثرت کا کچھ اعتبار نہیں۔ اعتبار قوت کا ہے۔ ہمارے استاد مولانا خدا بخش صاحب فرماتے تھے: سو سنار کی ایک لوہار کی۔ اصولی قاعدہ مسلمہ ہے العبرۃ للقوۃ لا للکثرۃ۔ اور خدا کا فرمان ہے فمنهم مهتد وكثير منهم فاسقون۔ لا يستوي الخبيث والطيب ولو اعجبك كثرة الخبيث۔ وقليل ولكن اكثر الناس لا يشكرون وقليل من عبادي الشكور

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

الحق حق وان قل ناصره والباطل باطل وان كثر ما قلوه (تحفہ اثنا عشریہ ص۲۹۳)

وقال ابراهيم الخواص ليس العلم بكثرة الرواية وانما العالم من اتبع العلم
واستعمله واقتدى بالسنن وان كان قليل العلم (الاعتصام ج ۱ ص ۸۱)
ان العلماء (اهل العلم والاجتهاد) هم السواد الاعظم وان قلوا والعوام المقلدون
الجماعة ان يخالفوا فان وافقوا فهو الواجب عليهم (ج ۲ ص ۲۶۲) كان سفيان الثوري
يقول المراد بالسواد الاعظم هم من كان من اهل السنة والجماعة ولو
واحداً كذا في ميزان الشعراني (صيانة ص ۳۳) قال الملا سعد الرومي
في مجالس الابرار فلابد ان تكون شديد التوقي من محدثات الامور وان
اتفق عليها الجمهور فلا يغرنك اتفاقهم على ما احدث بعد الصحابة بل ينبغي
ان تكون حريصا على التفتيش عن احوالهم واعمالهم فان اعلم الناس واقربهم
الى الله اشبههم بهم واعرفهم بطريقتهم اذ منهم اخذ الدين وهم اصول في
نقل الشريعة عن صاحب الشرع وقد جاء في الحديث اذا اختلف الناس فعليكم
بالسواد الاعظم والمراد به لزوم الحق واتباعه وان كان المتمسك به قليلاً
والمخالف كثيراً (صيانة ص ۳۳) عن ابن مسعود مرفوعا ليس الجماعة بكثرة
الناس من كان مع الحق فهو الجماعة وان كان واحداً (صيانة ص ۳۱)
عن ابي الدرداء وواثلة بن الاسقع وانس بن مالك قالوا يا رسول الله ما السواد
الاعظم قال من كان على ما انا عليه واصحابي (ص ۳۱) قال نعيم بن حماد اذا
افسدت الجماعة فعليك ما كانت عليه الجماعة قبل ان تفسد وان كنت وحدك

فاذا رأيت الجماعة حينئذٍ (؟) قال فضيل بن عياض الزم طرق الهدى ولا
يضرك قلة السالكين واياك وطرق الضلالة ولا تغتر بكثرة الهالكين قال بعض
السلف اذا وافقت الشريعة ولاحظت الحقيقة فلا تبال وان خالف رأيك جميع
الخلق ... قال الكرماني مقتضى الامر بلزوم الجماعة انه يلزم المكلف متابعة ما
اجمع ... المجتهدون وهم المراد بقوله وهم اهل العلم (ص ٣٤٥) قال القسطلاني
في ... الفتن والجماعة التي امر الشارع بلزومها جماعة ائمة العلماء لان الله
جعلهم حجة على خلقه ... وقال آخرون هو جماعة الصحابة ...
وقال آخرون هم جماعة اهل الاسلام ما كانوا مجتمعين على امر واجب على
اهل الملل فاذا كان فيهم مخالف منهم فليسوا مجتمعين

(... نية ص ٣٢٣)

حضرت شیخ الہند رح فرضیت جمعہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-

"اس سے اسی قدر مفہوم ہوتا ہے کہ اکثر علماء فرضیت فی المدینہ کے قائل ہیں اور
بعض فرضیت فی الکل کو تسلیم کرتے ہیں مگر یہ قاعدہ کسی کے ہاں مسلم نہیں کہ
در صورت اختلاف جس جانب اکثر ہوں اس کو ہمیشہ دوسری جانب سے قوی
اور راجح مانا جائے گا۔ آپ تھوڑا سا تامل کریں گے تو بہت سے نظائر ہر ایک
مذہب میں آپ کو ملیں گے کہ علماء قول اکثر کو مرجوح اور دوسری جانب کو راجح
فرماتے ہیں ..... تو کیا آپ بوجہ غربت اور مخالفت جمہور اس قسم کے مسائل کی

تنقیط وتضعیف فرمائیں گے یا بوجہ قوتِ دلیل اور صحتِ سند ایک جانب
کو دوسری جانب پر ترجیح دینا حق فرمائیں گے۔ خواہ قولِ جمہور ہو یا غریب
فما ھو جوابکم فھو جوابنا (احسن القریٰ ص۳۳)

ناظرین سمجھ چکے ہوں گے کہ علماءِ حق کے ہاں جمہور کی کیا حیثیت ہے؟ جس
کا نام لے لے کر عوام کو اہلِ حق کے خلاف ناجائز طریق سے اکسایا جا رہا ہے۔ پھیلایا
جا رہا ہے کہ یہ لوگ جمہور کی نہیں مانتے۔ اکابر کی نہیں مانتے۔ یا سلف جمہور
اور اکابر کے گستاخ ہیں۔ یہ حربہ بعینہٖ وہی ہے جسے بریلویہ اور شیعہ اہلِ حق کے
خلاف استعمال کرتے ہیں۔ الیٰ ان قال ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

پھر کمال تعجب یہ ہے کہ ناقلین کی نقل نقل در نقل در نقل در نقل
پر جمہور کا نام دھر دیتے ہیں۔ یوں تو ہر دوسرے سال جمہور کی تعداد میں اضافہ
ہو جائے گا۔ صاحبِ تسکین اور ان کے ہم خیال ہم نوالہ ہم پیالہ پندرھویں
صدی میں سلف۔ اکابر، جم غفیر اور جمہور اور سوادِ اعظم کہلائیں گے الیٰ قولہ۔
جمہور سے اور آپ کے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی بھی کئی مسائل میں جمہور
کے خلاف تھے۔ سید انور شاہ صاحبؒ کی تحقیق کئی مسائل میں جمہور کے خلاف تھی
حضرت شیخ الہندؒ کی تحقیق بھی کئی مسائل میں مخالف جمہور تھی۔ حضرت نانوتویؒ

کی تحقیق کو خود صاحبِ تسکین مان چکے ہیں کہ جمہور کے خلاف ہے۔ متقدمین و متاخرین علماء میں سے اکثر کے تفردات کتب میں درج ہیں۔ اگر جمہور بھی صحیح شرعیہ میں سے کوئی حجت ہوتی تو یہ اکابر اپنا متفرد قول بیان نہ فرماتے اور اس کو اپنا مسلک نہ بناتے۔ اگر یہ جمہور کا قول شرعی حجت ہوتا تو اس کے مخالفین سب مورد طعن بنتے جس طرح اجماع و قیاس کے مخالفین مورد طعن ہیں۔ الخ۔" پھر آگے لکھا ہے کہ:۔ "اور اکثر ایسا بھی ہو جاتا تھا کہ دوسرے عالم کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی تحقیق کو اپنی کتاب میں درج فرما دیتے تھے۔ اب اگر اتفاقاً پہلے عالم سے خطا ہو چکی تھی تو وہی غلطی نقل نقل در نقل ہوتی چلی آئی اور اسی حسنِ ظن پر آنے والے علماء اپنی اپنی کتب میں درج کرتے چلے گئے حتیٰ کہ وہی غلط قول مشہور ہو گیا جیسے غلط العوام۔ علامہ ابن الہمام رح فرماتے ہیں کثیراً ما ینقل الساھون الساھین (فتح القدیر صفحہ ۲۷) ابن نجیم فرماتے ہیں وقد یقع کثیراً ان مؤلفا یذکر شیئاً خطأً فی کتابه فیاتی من بعده من المشائخ فینقلون تلك العبارة من غیر تغییر ولا تنبیه فیکثر الناقلون لها واصلها لواحد مخطئ

اب ناظرین سوچیں کہ جس جمہور پر اترایا جا رہا ہے اس کی کیا حیثیت رہ گئی؟ بڑی محنت سے کھودا پہاڑ نکلا چوہا، پھر وہ بھی مرا ہوا۔ اب بھی جمہور کا نام لو گے؟" (ندائے حق ملخصاً صفحہ ۱۴۵ تا صفحہ ۱۵۱)۔

الجواب:۔ مؤلف ندائے حق نے مجذوبانہ انداز میں یہ جتنے حوالے پیش کئے ہیں، انھیں ایک بھی مفید نہیں بلکہ بعض ان کے سراسر خلاف ہیں، اور

میں ایک بھی معتبر نہیں ہے ۔ یہ مؤلف مذکور کی کم فہمی اور قلت تدبر کا واضح
نتیجہ ہے کہ خود دھوکے میں مبتلا ہوئے ہیں اور عوام الناس کو کمر باندھ کر دھوکا دینے
کے درپے ہیں ۔ ان کا ان عبارات سے اپنے مطلوب پر استدلال بالکل باطل
ہے اولاً اس لئے کہ ہم نے نہ تو یہ کہا ہے اور نہ ہمارا یہ موقف ہے کہ جمہور
شرع کی پانچویں دلیل ہے ۔ ادلۃ الشرع صرف چار ہیں لیکن ان ادلہ اربعہ میں
سے جس دلیل کو جمہور بیان کرتے اور اس پر عمل کرتے چلے آئے ہوں اس کو
کوئی بھی دیانت دار اور منصف مزاج عالم کبھی بھی جمہور زنبور کہہ کر ٹھکرا تا
بھی نہیں رہا۔ اور نہ حضرات جمہور کے خلاف ایسے گندے الفاظ کسی نے
زبان و قلم سے نکالے ہیں یہی ہوا ہے کہ جمہور کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھ
کر علمی طور پر دوسرے پہلو کو ترجیح دی ہے ۔ وثانیاً اس لئے کہ اگر ایک طرف
محض کثرت ہو اور دوسری طرف قوی دلیل ہو تو سر اور آنکھوں پر ہم اس اصولی
مسئلہ کو تسلیم کرتے ہیں کہ العبرة للقوة لا للكثرة اور یہی مقام ہے سو
سنار کی اور ایک لوہار کی ۔ مگر یقین جانئے کہ مسئلہ سماع موتیٰ عند القبور
اس مد میں ہرگز ہرگز نہیں ہے ۔ کیونکہ سماع موتیٰ کا اثبات صحیح اور صریح
روایات سے ثابت ہے جس پر جمہور (اور بقول آپ کے زنبور ۔ معاذ اللہ تعالیٰ)
کا عمل ہے اور نفی سماع موتیٰ کی ایک بھی آیت کریمہ یا صحیح و صریح حدیث
موجود نہیں ہے جس کی مفصل بحث اپنے مقام میں مذکور ہے لہٰذا قوت

دلیل کا فیصلہ بھی جمہور کے حق میں ہے اور جمہور کی اکثریت اور تعامل اس پر مستمر رہا ہے۔

رثالثاً اس لئے کہ قرآن کریم کی جتنی آیات اس مقام پر مؤلف مذکور نے اپنے استدلال میں بیان اور ذکر کی ہیں وہ بالکل غیر متعلق ہیں کیونکہ پہلی آیت میں ہدایت کے مقابلہ میں جس فسق کا ذکر ہے وہ کفر ہے۔ اسلام اور کفر، توحید اور شرک وغیرہ بنیادی مسائل میں حق متعین منصوص اور محکم ہے لہٰذا حق کے مقابلہ میں باطل پرستوں کی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور مسئلہ سماع موتیٰ کی ہرگز یہ پوزیشن نہیں ہے۔ اس میں قائلین اور مانعین دونوں طبقے مسلمان اور اہل السنت والجماعت سے وابستہ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک طرف اکثریت اور جمہور ہیں اور دوسری طرف اقلیت اور امت میں گنے چنے چند افراد ہیں۔ اور دوسری آیت اس لئے کہ خبیث و طیب میں حرام و حلال کا تقابل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مسلم قوم کی بدقسمتی سے کہیں حرام کی کثرت ہو جائے تو وہ حلال کی قلت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ حرام حرام ہے اور حلال حلال ہے۔ اور سماع موتیٰ کا مسئلہ نفیاً و اثباتاً اس طرح کا نہیں ہے، وہ ایک اختلافی مسئلہ ہے نہ کہ حرام و حلال کی کوئی حسی چیز۔ پھر مؤلف ہی ازروئے انصاف اور دیانت، یہ فرمائیں ربشرطیکہ یہ دولت ان کے پاس ہو) کہ سماع موتیٰ کے مسئلہ کا کون سا پہلو خبیث اور کون سا طیب ہے؟ اور

پھر ان میں سے کون سا گروہ خوشامد کا اور کون سا فطین کا ہے؟ جرأتِ رندانہ اور جسارتِ مجذوبانہ تو ان کو حاصل ہے ہی جس طرح جمہور کو زنبور کہنے سے وہ نہیں چوکے یہاں بھی تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر بے باک اور بے لوث طریقہ سے ضرور خوشامد اور فطین کے گروہ کی تعیین کرتے جائیں؟ کیونکہ ۔

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے

حور و خیام سے گزر بادہ و جام سے گزر

اور تیسری اور چوتھی اس لئے کہ اختلاف اس میں ہے کہ جہاں کسی مسئلہ کے دو پہلو ہوں اور دونوں پر مسلمانوں کے بڑے بڑے علماء فائز ہوں تو اکثریت اور جمہور کے پہلو کو درست پر ترجیح ہو گی۔ مؤلف مذکور کی بنائے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم اور ایک گونہ عبادت ہے کیا اس کی ناشکری کا پہلو بھی جائز اور مستحسن ہے تاکہ اس کا تقابل شکر گزاری سے کر کے دونوں کی گنتی کر کے اکثریت اور اقلیت کو متعین کیا جائے؟ خلاف تری کثرت اور محض قلت میں نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ میں ہے جہاں دونوں مسلمان علم اور خدا پرست ہوں۔ ایک طرف اکثریت ہو اور دوسری طرف اقلیت، تو کس کا ساتھ دینا زیادہ مناسب ہے؟ اور ید اللہ علی الجماعۃ کا مفہوم کس پر زیادہ صادق آتا اور کس پر چسپاں ہے؟ شعر

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

ثالثاً حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح کی عبارت میں حق و
باطل کے الفاظ صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔ معاذ اللہ تعالیٰ اگر مذہب صوفی کا مسئلہ
صراحت سے باطل ہے تو آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا ثبوت کیوں فراہم
فرمایا؟ اور حضرات بھی کیونکر مجتمع رہے کہ اس وقت تک امت کی اکثریت اس
باطل پر کیسے جمی رہی؟ غرض یہ حوالہ بھی مؤلف کو مفید نہیں ہے۔
رابعاً حضرت ابراہیم خواص رح کا حوالہ بھی ان کے لئے مفید نہیں، کیونکہ حضرت
اس سے کہ یہاں فردی قلت اور کثرت کا مقابلہ نہیں، بلکہ ایک ہی شخص میں
کثرت روایت اور قلت علم کی صفت کا بیان ہے یعنی اگر ایک شخص کے
پاس کثرت سے روایتیں تو نہیں لیکن وہ قلیل العلم ہے مگر اپنے علم کے بموجب
عمل کرتا اور سنت کی اقتداء و پیروی کرتا ہے تو وہی صحیح معنی میں جماعت ہے۔ اور جو کم
اس نے کتابوں کے انبار تو جمع کر دیئے ہوں مگر عمل کا صفر ہو یہ حکم مثل الحمار یحمل
اسفارا کا مصداق ہے۔ اور اس میں تفرقی بالسنن کا جملہ صاف طور پر اس کا
مقتضی ہے کہ مثلاً وہ صحیح سنتوں کی حدیثوں کا قائل ہے اور ان کی پیروی کرتا
ہے یعنی ناقص رائے اور نہ یہ سا عقل کی کسوٹی پر ان کو پرکھے اور نہ ان کی غلط تاویل
اور نہ تاویلات کرے جیسا کہ نیلوی صاحب کا یہ محبوب مشغلہ ہے اور خامساً اس سے
کہ سواد اعظم کی تعریف میں علماء اور اہل سنت والجماعت کا ذکر ہے اور ان کو تقابل
عوام سے ہے جو جماعت صحابہ سے الگ اور اہل سنت کے راستہ کے خلاف ہو

ہمارا بھی اس پر صاد ہے لیکن مسئلہ زیر بحث میں اہل سنت اور اہل بدعت کا اور علماء اور عوام کا تقابل نہیں ہے بلکہ علماء کا مسئلہ ہے اور اہل سنت کا آپس میں اختلاف ہے - اس لئے یہ حوالہ بھی ان کو سود مند نہیں ہے -

(۳) مشکوٰۃ ص ... کا حوالہ بھی غیر متعلق ہے کیونکہ اس میں ان بدعات اور محدثات الامور کا ذکر ہے - جن پر حضرات صحابہ کرام رض کے بعد جہالت اور نفس پروری کی وجہ سے اکثریت کا تعامل ہو - ایسے مواقع پر سوادِ اعظم اور الجماعت کی پیروی کا سبق دیا گیا ہے - اور یہ بات بالکل حق ہے - مگر موالی کا مسئلہ حضرات صحابہ کرام رض کے بعد کی پیداوار نہیں بلکہ انہی کے دور کا ہے اور صحیح صریح اور مرفوع حدیث سے ثابت ہے - اور بحوالہ حضرت عائشہ رض اور حضرت ابن عباس رض کے اگر معقول طریقہ سے ان کا قول ثابت ہو جائے تب (بھی) یہ بھی صحابی حجت نہیں کے تحت داخل ہو کر قابل عمل نہیں - اور خود مؤلف مذاہب حق نے صفحہ ۱۲۳ وغیرہ میں قول صحابی کا عنوان قائم کر کے اس پر بحث کی ہے اور لکھتے ہیں کہ "راوی صحابی کا فہم حجت نہیں" — اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ یہ مسئلہ محدثات الامور کی مد میں ہے -

(۴) ... حضرت ابن مسعود رض کی مرفوع روایت بھی مؤلف مذکور کو سود مند نہیں کیونکہ اس میں حق واضح ہے جو طالب کے مقابل الاطلاق بیان ہے اور مسئلہ زیر

بحث میں حق و باطل کا نزاع نہیں بلکہ صواب و خطا کا اختلاف ہے۔ کیونکہ
مختلف فیہا اور اجتہادی اور فروعی مسائل کا اہلِ حق کے ہاں یہی مقام ہوتا ہے قطعی
حق اور قطعی باطل کا معاملہ یہاں نہیں ہوتا۔ اسی طرح سوادِ اعظم کی تفسیر میں ما
انا علیہ واصحابی کا ارشاد بھی بجا ہے اور ہمارے حق میں ہے کیونکہ سماعِ موتیٰ کا
ثبوت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرام رضی سے
ثابت ہے بجز حضرت عائشہ رض کے کہ وہ اس میں متفرد ہیں اور فہمِ صحابی حجت
نہیں ہے اس لئے یہ حدیث بھی جمہور کی تائید میں ہے نہ کہ تردید میں۔ نعیم بن حماد
رح کے قول کہ جب جماعت ساری بگڑ جائے تو اکیلا جماعت ہے، کا یہ مطلب ہے
کہ اگر بالفرض ساری جماعت بھی حق چھوڑ دے تو پھر تو اکیلا جماعۃ ہے۔ یہاں نہ کسی
نے حق چھوڑا ہے نہ جماعت بگڑی ہے بلکہ حق پر قائم ہے۔ اسی طرح حضرت فضیل رح
بن عیاض رح کا قول بھی ہمیں مضر نہیں۔ کیونکہ اس میں ہدایت اور ضلالت کا تقابل
ہے اور بصورت گمراہی ہلاک ہونے والوں کا ذکر ہے اور اس کا بھی تذکرہ ہے
کہ جب تیری رائے شریعت اور حقیقت کے موافق ہو تو پھر ساری مخلوق کی مخالفت
کی بھی پرواہ نہ کر اور یہ مسئلہ اس رنگ کا نہیں ہے۔ یہ شریعت و حقیقت کے
بھی موافق ہے اور اس میں اکثر مخلوق کی موافقت بھی ہے نہ کہ مخالفت۔ اور علامہ
کرمانی رح کا ارشاد بھی درست ہے کہ لزومِ جماعت کے امر کا مقتضیٰ یہ ہے، کہ
مکلف مجتہدین کے اجماعی مسائل کا پابند ہو۔ اور وہی اہلِ علم ہیں۔ آگے حضرت مولانا

سید محمد انور شاہ صاحبؒ کے حوالہ سے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ کہ سماع موتیٰ کے مسئلہ میں اماموں میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں جنھوں نے اس کے خلاف کہا ہے ان کی بات غلط ہے۔ لہٰذا سماعِ موتیٰ کا قائل مجتہدین حضرات کا پیرو ہے۔ اسی طرح علامہ قسطلانی رحؒ کے ارشاد میں جماعت کے مفہوم سے ائمۃ العلماء، جماعۃ الصحابہؓ اور جماعۃ اہل الاسلام مُراد لی گئی ہے۔ اگرچہ اس مسئلہ میں تمام اہل سلام کا اجماع و اتفاق تو نہیں مسئلہ اختلافی ہے لیکن ائمۃ العلماء، جماعۃ الصحابہؓ اور جماعۃ اہل الاسلام کی اکثریت کا یہی مسلک ہے۔

و سابعاً حضرت شیخ الہند رحؒ کا ارشاد بھی صحیح ہے۔ وہ جمہور اور اکثریت کے قول کو تسلیم کر کے راجح و مرجوح کا فرق اور لفظ ہمیشہ تحریر فرما کر اسے بیان فرماتے ہیں جو ایک خالص علمی اور تحقیقی بات ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ مؤلف ندائے حق کی طرح معاذ اللہ تعالیٰ ہٹ دھرم اور ضدی نہ تھے۔ مؤلف مذکور تو اس مسئلہ میں سرے سے اختلاف ہی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا تو یہ دعویٰ ہے کہ ــ " اور عدم سماع موتیٰ پر تمام صحابہؓ کرام کا اجماع ہو گیا" ــــــــ "پس مطلب حل ہو گیا کہ سب صحابہ کا عدم سماع موتیٰ پر اجماع ہے۔" (ص۱۵۱) لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

اور پھر یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ جب اکثریت اور جمہور کا قول جو محض قیاسی اور اجتہادی ہی نہ ہو بلکہ اس کا مبنیٰ اور بنیاد صحیح

صریح اور مرفوع احادیث پر قائم ہو تو اس کو کیسے مرجوح قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ بعض حضرات فقہاء کرام رحنے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ جب مسئلہ اور حادثہ میں حضرات ائمہ رح سے کچھ منقول نہ ہو اور حضرات متاخرین رح میں اختلاف ہو تو اکثر کے قول پر عمل ہوگا چنانچہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رح الحاوی للقاضی جمال الدین احمد بن نوح القابسی الغزنوی رح المتوفی فی حدود ۶۰۰ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :-

وذکر فی الحاوی ایضاً اذا لم یوجد فی الحادثۃ عن واحد من ائمتنا جواب ظاھر وتکلم فیہ المشائخ المتأخرون قولاً واحداً یوخذ بہ فان اختلفوا یوخذ بقول الاکثرین ثم الاکثرین ممن اعتمد علیہ کابی حفص وابی جعفر وابی اللیث وغیرھم ممن یعتمد علیہ الخ (بنقل صـ۸ عمدۃ الرعایۃ صـ۱۳)

حاوی میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب کسی حادثہ میں ہمارے ائمہ کرام رح سے کوئی جواب ظاہر نہ ہو اور اس میں مشائخ متاخرین رح نے کلام کیا ہو اور ان کا صرف ایک ہی قول ہو تو اس کو لیا جائے گا اور اگر انھوں نے اختلاف کیا ہو تو پھر اکثر حضرات کا جن پر اعتماد کیا گیا ہو قول لیا جائے گا۔ مثلاً امام ابو حفص رح، امام ابو جعفر رح اور امام ابو اللیث رح وغیرہم جو قابل اعتماد حضرات ہیں

اور شارح مواقف ایک آیت کی دو تفسیریں نقل کرتے ہیں اور پھر آخر میں فرماتے ہیں :- والمعتمد ھو قول الاکثرین (شرح مواقف صـ۲۲۴ طبع نولکشور لکھنؤ)

الغرض اختلافی مسائل میں اکثریت اور جمہور کے قول کو اگر معمول بہ نہ بھی بنایا جائے اور کسی معقول اور قوی وجہ سے اس کے مدِ مقابل قول کو لیا جائے تب بھی جمہور کو زنبور کہہ کر ان کو ہدفِ ملامت بنانا بھی تو کسی عالم کا کام نہیں ہے۔

وثامنًا مؤلف ندائے حق کا یہ کہنا کہ ناظرین کرام سمجھ چکے ہوں گے کہ علماءِ حق کے ہاں جمہور کی کیا حیثیت ہے الخ۔ سو گزارش ہے کہ ناظرین کرام بحمد اللہ تعالیٰ بخوبی سمجھ چکے ہیں کہ جمہور کی حیثیت اختلافی مسائل میں بڑی مستحکم ہے اور ان کی خدمات اور حق پسندی قابلِ صد تحسین ہے۔ جمہور کو اہلِ حق کے مقابلہ میں لاکھڑا کرنا اور ان کو اہلِ حق سے نکال دینا اور پھر جمہور کے طریق کو ناجائز سے تعبیر کرنا اور سلف و جمہور اور اکابر کا مذاق اڑانا اور پھر جمہور کو بریلویہ اور شیعہ سے تشبیہ دے کر دلِ ماؤف کی بھڑاس نکالنا اور اس پر موج میں آکر۔ "نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن" ۔ چسپاں کر کے جمہور کے منصور مسلک کو ایک گونہ کفر سے تعبیر کرنا پرلے درجہ کی شقاوت قلبی اور خود رائی ہے۔ نعوذ باللہ تعالیٰ من سوء الفہم۔

وتاسعًا مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ ناقلین کی نقل نقل در نقل در نقل در نقل پر جمہور کا نام دھر دیتے ہیں۔ یوں تو ہر دوسرے سال جمہور کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا الخ۔ ان کے باطن اور ذہن کی غمازی کرتا ہے کہ جمہور کی کثرت اور تعداد میں اضافہ ہی سے مؤلف مذکور نالاں اور بے بس ہو کر جمہور کو جلی کٹی

سنا رہے ہیں مشہور ہے کھسیانی بلی کھمبہ نوچے۔ محترم! اگر گزشتہ چودہ صدیوں میں جمہور اور اکثریت کی معیت بحمد اللہ تعالٰے صاحب تسکین کو حاصل ہے تو پندرھویں صدی کے لوگوں کو بھی سلف، اکابر، جم غفیر، جمہور اور سواد اعظم کی پیروی نصیب ہو جائے تو یہ ان کی سعادت اور نیک بختی ہوگی اور جلنے والوں کی حرماں نصیبی ہوگی۔ مگر کوئی کیا کر سکتا ہے جبکہ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

بلاشبہ ہمارے پیر و مرشد قدس اللہ تعالٰے سرہٗ اور حضرت شاہ صاحبؒ اور شیخ الہندؒ اور حضرت نانوتویؒ وغیرہ حضرات نے اپنے علم اور تحقیق کی بنا پر اپنے تفردات کو بھی لیا ہے مگر یقین جانیئے کہ نہ تو انھوں نے جمہور کو زنبور کہا ہے اور نہ ان کا مذاق اڑایا ہے اور نہ انھوں نے یہ فرمایا ہے کہ علماء حق کے ہاں جمہور کی حیثیت کیا ہے؟ محترم! جس ڈگر پر آپ اور آپ کے بعض ضدی حواری چل رہے ہیں یہی کتب اسلامیہ پر سے کلیۃً اعتماد اٹھانے اور جمہور کو نامعتبر سمجھنے کا وہ راستہ ہے جسے اسلام کے کھلے مخالف بھی شاید سرانجام نہ دے سکیں جمہور حجج شرعیہ تو نہیں مگر حجج شرعیہ پر گامزن ضرور ہیں۔ کسی مسئلہ میں ان کے خلاف قول اختیار کرنے والے حضرات اگر علمی اور تحقیقی طور پر فروعی مسائل میں بزعم خود کسی قوی دلیل کے پیش نظر اپنے قول اور رائے پر عامل ہیں تو معذور ہو سکتے

ہیں لیکن اگر وہ محض ہوائے نفسانی اور تحزب و تعصب کا شکار ہو کر ایسا کرتے ہیں تو یقیناً وہ موردِ طعن ہیں۔

و ثانیاً مؤلف مذکور کہتے ہیں کہ اکثر ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ دوسرے عالم کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی تحقیق کو اپنی کتاب میں درج فرما دیتے تھے۔ اب اگر اتفاقاً پہلے عالم سے خطا ہو چکی تھی تو وہی غلطی نقل در نقل ہوتی چلی آئی الخ۔ سو عرض یہ ہے کہ سماعِ موتیٰ عند القبور کا مسئلہ نہ کسی پہلے عالم کی خطا اور غلطی ہے اور نہ پچھلوں کی نقل در نقل میں غلطی اور خطا واقع ہوئی ہے یہ مسئلہ اس نبی معصوم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جن کی بات میں سرے سے غلطی اور خطا کا احتمال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (کیوں کہ جہاں اجتہادی مسائل میں خطا اور زلت صادر ہوتی رہی وہاں منجانب اللہ تنبیہ نازل ہوتی رہی اور آپؐ کو خطا پر باقی نہیں رکھا گیا مگر اس مسئلہ کی یہ حیثیت نہیں ہے) حافظ ابن الہمام رحؒ اور علامہ ابن نجیم رحؒ کے حوالے درست اور صحیح ہیں مگر اس مسئلہ سے غیر متعلق ہیں جیسا کہ بالکل واضح ہے مؤلف مذکور بزعم خود دشوار گزار مورچہ سر کر کے یوں گوہر افشانی کرتے ہیں کہ "اب ناظرین سوچیں کہ جس جمہور پر اترایا جا رہا ہے اس کی کیا حیثیت رہ گئی! بڑی محنت سے کھودا پہاڑ نکلا چوہا، پھر وہ بھی مرا ہوا۔ اب بھی جمہور کا نام لوگے؟" بلفظہٖ۔ ناظرین کرام خود انصاف فرمائیں کہ حضرات جمہور کے ساتھ اس سے

بڑھ کر بھی کیا کوئی تمسخر ہو سکتا ہے؟ مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جمہور پر اعتماد کرنا اور ان کی بے داغ اور مضبوط حیثیت کو تسلیم کرنا اور ان کی علمی اور تحقیقی کارروائیوں پر دل سے یقین کرنا اور ان کا ساتھ دینا سونے پر سہاگہ ہے اور آپ کی غیر متعلق باتوں کو نقل کرنے سے ان کی حیثیت میں رتی بھر فرق نہیں آیا اور کوئی بھی خدا ترس اور منصف مزاج عالم جمہور کا دامن نہیں چھوڑ سکتا اور بھلا جمہور کو چھوڑ کر جا بھی کہاں سکتا ہے؟ کیونکہ جمہور زندہ باد۔ جمہور زندہ باد۔

فائدہ۔ مؤلف مذکور نے بزعم خویش الاعتصام سے مفید مطلب حوالہ تو نقل کر دیا ہے اگر وہ ذیل کا حوالہ بھی نقل کر دیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا اور خواص و عوام سب کو اس سے فائدہ ہوتا۔ چنانچہ اس میں لکھا ہے:۔

إذا ثبت أن الحق هو المعتبر دون الرجال فالحق أيضاً لا يعرف دون وسائطهم بل بهم يتوصل إليه وهم الأدلاء على طريقه انتهى (الاعتصام ج ۳ ص ۳۵۳ للامام ابراهیم بن موسى الشاطبي الغرناطي المتوفی سنہ ۷۹۰ھ)

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اعتبار حق کا ہے رجال کا نہیں تو یہ بات بھی ہے کہ حق ان رجال کے واسطے کے بغیر پہچانا بھی نہیں جا سکتا بلکہ انہی کی بدولت حق تک رسائی ہوتی ہے اور وہی حق کے راستہ کے راہ نما ہیں۔

یعنی جو شخص رجال علم کے واسطہ کے بغیر حق تک پہنچنا چاہتا ہے تو وہ غلطی پر ہے کیونکہ ایسے ہی رجال علم حق تک رسائی کا ذریعہ اور واسطہ ہیں اور

ان کے بغیر حق حاصل نہیں ہو سکتا۔ مگر صد افسوس کہ ؎

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ظاہر کئے فلک نے تھے جو خاک چھان کے

عنہ۔ مؤلف مذکور بزعم خویش حضرت امام ابو حنیفہ رح کو مُنکرِ سماعِ موتیٰ تصور کرکے بڑی موج میں آکر لکھتے ہیں کہ :۔ "دراصل امام موصوف کی فطرتِ سلیمہ اور تحقیق جانتی تھی کہ شرک میں داخل کرنے والا سب سے بڑا گیٹ مسئلہ سماعِ موتیٰ کا ہے۔ اگر پکارنے والے اور نذر و نیاز دینے والے کو یقین ہو جائے کہ یہ میری پکار کو نہیں سُن سکتا تو پکارے کیوں"؟ الخ بلفظہٖ (شفاء الصدور صلہ)۔

اور کتاب شفاء الصدور کا تعارف کرانے والے بزرگ حقیقت بالکل مسخ کرتے ہوئے یُوں لکھتے ہیں کہ "مثلاً عدمِ سماعِ موتیٰ کی بحث میں اس جسم کے سماع کا قول سُنا کر حضرت امام ابو حنیفہ رح کی طرف اس قول کی نسبت کرنا یا اختلاف بین الائمہ رح اس جسم کے بارے کہنا دین پر کتنا ظلم ہے حالانکہ اس جسم کے سماع کا کوئی امام بھی قائل نہیں اور نہ اختلاف کی یہ حقیقت ہے"۔ انتہیٰ (بلفظہٖ شفاء الصدور صلہ)

آپ اس کتاب میں انشاء اللہ تعالےٰ ملاحظہ کریں گے کہ سماعِ موتیٰ کے سلسلہ میں جسمِ عنصری کا باقاعدہ تعلق ہے اور کوئی امام بھی سماعِ موتیٰ کا مُنکر

نہیں خصوصاً حضرت امام ابو حنیفہ رح اور اُمتِ مُسلمہ کی اکثریت سماعِ موتیٰ کی قائل ہے اور اس گیٹ سے سبھی گزرے ہیں مگر یقین جانیئے کہ ان میں کوئی بھی مُشرک نہ تھا بفضلہٖ تعالیٰ سب کے سب مؤحد اور متبع سُنت تھے اور یہ اس اَمر کی واضح دلیل ہے کہ محض سماعِ موتیٰ کا مسئلہ شرک کا براہِ راست ذریعہ نہیں ہے۔ یہ اس شرط کے ساتھ شرک کا ذریعہ بنتا ہے کہ جب اس کے ساتھ شرک و جہالت کی آمیزش ہو جو ایک خارجی اَمر ہے۔ اور ایک خارجی اَمر کو ساتھ ملا کر اس کو شرک بنانے کے بجائے یہ بہت زیادہ قرینِ انصاف ہے کہ حضرات سلف رح و خلف رح کو شرک کی زد سے بچایا جائے اور ان کی خیر خواہی اور ان سے حُسنِ ظن بھی ضرور ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

ع۱۱ سماعِ موتیٰ کے بارے میں چونکہ نصوص قطعیہ تو بالکل پلے میں نہیں تھیں کیونکہ قرآنِ مجید نے تو جہاں بھی تذکرہ کیا تو یُوں فرمایا کہ مُردے نہیں سُنتے۔ (نہ معلوم یہ کس قرآن مجید میں ہے کہ مُردے نہیں سُنتے؟ معاف رکھنا قرآن کریم میں تو زندہ کافروں کے بارے میں آیا ہے کہ وہ صُمٌّ بُكْمٌ ہیں اور نیز آیا ہے کہ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۔ مُردوں کے بارے میں تو کہیں نہیں آیا کہ وہ نہیں سُنتے۔ مؤلف مذکور کی یہ کتنی کھُلی جسارت ہے کہ وہ قرآن کریم میں بھی تحریف کرنے سے باز نہیں آئے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ فوا اسفا۔ صفدر) تو نہیں سُنا سکتا۔ تمھاری پکاروں کو نہیں سُنتے۔ پھر احادیث کی طرف دوڑے تو وہاں بھی کچھ نہ ملا۔

(آپ اسی کتاب میں ملاحظہ کر لینا کہ احادیث میں کچھ وارد ہے یا نہیں۔ صفدر)
بغیر معجزات اور خوارق عادات کے تو پھر ابو حنیفہ رح کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر
سے جواب آیا (اس سے ثابت ہوا کہ مردے سنتے بھی ہیں اور اندر سے جواب
بھی دیتے ہیں۔ صفدر) کہ لعنت ہو اس پر، جو یہ عقیدہ رکھے کہ مردے سنتے ہیں
قرآن کریم میں ہے مردے نہیں سنتے۔ تو نہیں سنا سکتا اھ بلفظہٖ (شفاء الصدور صفحہ ۱۰۶)
آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مؤلف مذکور نے کس طرح حضرت امام ابو حنیفہ رح پر
صریح بہتان باندھا ہے اور معاذ اللہ تعالیٰ ان کے ذمہ قرآن کریم کی تحریف لگا دی ہے
کہ قرآن میں ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ اسی کتاب میں آپ دیکھیں گے کہ سماعِ
موتیٰ کے بارے میں صریح اور صحیح روایات اور احادیث موجود ہیں اور خود حضرت
امام ابو حنیفہ رح اور دیگر حضرات ائمہ کرام رح اور اسلامی دنیا کی کیسی بڑی بڑی
شخصیتیں سماعِ موتیٰ کی قائل ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ مؤلف مذکور کے
اس شاہی فتویٰ کے رو سے یہ لعنت کن کن ائمہ کرام رح اور اسلام کی کن
کن عظیم شخصیتوں پر پڑتی ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

۱۲ لیکن موٹی بات ــ اگر کوئی شخص کہہ دے کہ مثلاً پاکستان کے
مُردے شادی بیاہ کرتے ہیں اور گورستان میں رات کو نکل کر (اپنی قبروں
سے) جو قریب ہوٹل ہوتے ہیں، ان میں آکر چائے پیتے ہیں۔ حوضوں اور نالابوں
میں نہاتے ہیں۔ یا کوئی کہہ دے کہ میں نے کتنی مُردوں کو دیکھا ہے کہ

موٹر سائیکل چلاتے ہیں۔ کیا ایک مولوی مدرس دیوبندی عاقل بالغ باہوش وحواس یہ بات مان لے گا؟ جس طرح یہ چیزیں محال ہیں، مُردوں کا سماع بھی اسی طرح محال ہے۔ صحیح ثابت نہیں ہے پھر دوبارہ کہہ دیتا ہوں کہ معجزہ خرق عادت کرامت کو بحث میں نہ لانا۔ انتہیٰ بلفظہٖ (شفاء الصدور ص۱۰۵)

مبتدی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ محال کسی تقدیر اور کسی صورت میں ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن حیرت ہے مؤلف مذکور پر کہ ایک طرف تو وہ باربار لفظ محال بولتے ہیں اور دوسری طرف اہل حق کی گرفت کے ڈر سے بچنے کے لئے معجزہ، خرق عادت اور کرامت کو مستثنیٰ بھی کر جاتے ہیں۔ جب ایک چیز فی نفسہٖ محال ہے تو ان اُمور کو الگ کرنے کا کیا معنیٰ؟ لیکن مؤلف مذکور بے چارے مجذوب بھی ہیں۔ جب وہ ایک چیز کی طرف اپنے ذہن کو مرتکز کرتے ہیں تو باقی چیزیں ان کے ذہن سے بالکل نکل جاتی ہیں۔ کہنے والوں نے کب یہ کہا ہے کہ عادۃً قبروں سے مُردے نکل کر یہ کارروائیاں کیا کرتے ہیں۔ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ کرامت اور خرق عادت کے طور پر کہیں ایسا ہو اور اس کا واضح اور ٹھوس ثبوت ہو تو اس کا انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ علاوہ ازیں مؤلف مذکور کا عدمِ سماعِ موتیٰ کو اس پر قیاس کرنا ایک تو نص کے مقابلہ میں قیاس ہے جو مردود ہے (آگے انشاء اللہ تعالیٰ صحیح حدیثیں آ رہی ہیں کہ مُردے سلام وغیرہ سُنتے ہیں) اور دُوسرا یہ قیاس مع الفارق

بھی ہے۔ اس لئے کہ قبور سے نکل کر ہوٹلوں میں چائے پینا یا حوضوں اور تالابوں میں چھلانگیں لگا کر نہانا اور بیاہ و شادی وغیرہ کرنا خاصی نقل و حرکت کو چاہتا ہے اور عند القبر سماع میں ان کو ایک چھلانگ بھی قبر سے باہر نہیں لگانی پڑتی وہ لیٹے لیٹے ہی سُن سکتے اور سُن لیتے ہیں۔ لہٰذا ایسے عقلی ڈھکوسلوں سے ثابت شدہ مسائل کا انکار کرنا علم و انصاف سے کوسوں دُور ہے اور دہریوں اور نیز بد مذہبوں کے لئے دینی مسائل میں لب کشائی کے غلط مواقع پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ ہے۔

۱۳ ان حوالجات میں دیوبندی حضرات کے حوالجات بھی درج کر دیئے ہیں محض اسلئے کہ بعض حضرات ایسے شریف الطبع ثابت ہوئے ہیں کہ محض عناداً کہہ دیتے ہیں کہ اہل دیوبند کا عقیدہ عدم سماع موتی کا نہیں ہے بھلا حنفی مسلک بھی ہو اور سماع موتی کا قائل ہو۔ ع " ایں خیال است و محال است و جنوں " اھ (ملفوظہ صد ۱۷)

آپ اس کتاب میں ملاحظہ کریں گے کہ حضرات احناف میں کتنے جلیل القدر بزرگ فقیہہ اور علماء دیوبند میں کتنے اکابر مسئلہ سماعِ موتیٰ کے واشگاف الفاظ میں قائل ہیں جنفی دیوبندی بھی ہیں اور مسئلہ سماعِ موتیٰ کے بھی قائل ہیں۔ خدا معلوم مؤلف شفاء الصدور علم و تحقیق کی کس دُنیا میں بستے ہیں؟ مؤلف مذکور نے اپنی کتاب میں غیر متعلق اور ادھورے حوالے نقل کرکے اس امر پر سارا زور صرف کیا ہے کہ مُردے نہیں سُنتے اور بعض حوالوں میں صراحتہً قطع و برید

بھی کی ہے اور اپنے مدعیٰ کو ثابت کرنے کے لئے بزعم خویش پہلے سترہ قاعدے بیان کئے ہیں تاکہ ان کی روشنی میں ان کی ہمنوائی کا کام آسان ہو۔ چونکہ براہِ راست کسی صریح دلیل سے مطابقی طور پر عدم سماعِ موتیٰ کا مسئلہ ثابت کرنا بڑا مشکل تھا اس لئے ان کو اس کے منوانے کے لئے پہلے سترہ قواعد وضع کرنے پڑے اور سترہ سیڑھیاں لگا کر مدعیٰ ثابت کرنے کی ہمت کی۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں۔ فائدہ ہم نے یہ قواعد اپنے اہلِ علم حضرات کی خدمت میں اس لئے پیش کئے ہیں کہ ان کو پڑھ کر مسئلہ عدم سماعِ موتیٰ کو ان مذکورہ ضوابط و قواعد کے ماتحت سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔ شترِ بے مہار کی طرح نہ خود چلیں اور نہ کسی کو چلائیں۔ اکابرین کے نام پر دین فروشی شیوۂ اہلِ حق نہیں ہے۔ انتہیٰ بلفظہٖ صہ ۹۔

اس سے معلوم ہوا کہ عدم سماعِ موتیٰ کا شترِ بے چارہ بغیر سترہ لگامیں دیئے چلنے ہی سے رہا۔ ہم مؤلف مذکور سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی اس مفید نصیحت پر ضرور غور اور عمل کریں کہ اکابرین کے نام پر دین فروشی شیوۂ اہلِ حق نہیں ہے۔ سچ ہے

ع جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے

اس کے بعد مؤلف مذکور نے باب اول میں اپنے زعم کے موافق بارہ آیتیں پیش کی ہیں جن سے ان کا مقصد یہ ہے کہ مُردے نہیں سُنتے۔ لیکن یقین جانیے کہ ان میں سے ایک بھی ان کے دعویٰ کی دلیل نہیں ہے۔ اصل بات جو قرآن کریم میں ہے اور جس کا مؤلف مذکور کے دعویٰ سے کچھ تعلق ہے۔ وہ یہ ہے :۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى الآیۃ یعنی بلاشبہ تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا۔ سماع اور شے ہے جس کے درپے مؤلف مذکور ہے اور اسماع اور ہے اس کی بقدر ضرورت بحث اسی کتاب میں اپنے مقام پر انشاء اللہ تعالیٰ آرہی ہے۔

پھر اس کے بعد مؤلف مذکور نے باب دوم میں عدم سماع موتیٰ کے اثبات پر چودہ حدیثیں پیش کی ہیں اور بہ جبر اور بزور ان سے سیڑھیاں لگا لگا کر اپنا مطلب ثابت کیا ہے لیکن اس کشید سے نہ تو ان کا یہ مدعیٰ ثابت ہوتا ہے اور نہ ان احادیث میں سے ایک حدیث بھی ان کی صراحت سے دلیل ہے اور خود مؤلف مذکور کو اس کا گہرا احساس ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"باقی رہا ایک خدشہ کہ ان میں کوئی صریح روایت نہیں جس میں لکھا ہو کہ مُردے نہیں سُنتے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ایک امر بدیہی کے لئے اگر کوئی دلیل بیان نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں" اھ (بلفظہٖ شفاء الصدور ص۳۵ طبع اول)

سوال یہ ہے کہ جب عدم سماع موتیٰ اَمرِ بدیہی ہے تو مؤلف مذکور کو اس پر دلائل جمع اور پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور پھر اکابر علماء کا اس میں اختلاف کیوں ہے؟ کیا ایک بدیہی بات میں بھی اتنا اور اس قدر اختلاف ہوتا ہے؟ اور پھر کیا وجہ ہے کہ تقریباً چودہ سو سال سے یہ بدیہی مسئلہ حل نہیں ہو سکا؟ اور پھر ایک بدیہی مسئلہ میں عامۃ المسلمین کے ذہن کو آپ نے کیوں پریشان کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مؤلف مذکور نرے مجذوب ہیں۔ ناتمام حوالے جمع کرنے اور بزور ان سے

مطلب کشید کرنے اور غلط بات پر اصرار کرنے کے سوا ان کا کوئی کمال ہی نہیں ہے مؤلف مذکور اپنی دوسری کتاب ندائے حق ص۱۵۱ میں لکھتے ہیں:-

"اور اگر حق سمجھا (دلیل عائشہ رضؓ کو) تو یہ صحابہ کا سکوت بطور ندامت کے تھا کہ کیسے صاف صاف قرآنِ پاک میں سماعِ موتیٰ کی نفی وارد ہے (کسی ایک آیت کریمہ میں سماعِ موتیٰ کی نفی وارد نہیں چہ جائیکہ صاف صاف ہو۔ اسماع کی نفی الگ حقیقت ہے، بحث انشاء اللہ تعالیٰ آرہی ہے۔ صفدر) مگر ہمارے ذہن میں ڈھول ہو گیا۔ مارے شرمندگی کے خاموش ہو گئے اور اس مسئلہ میں حضرت عائشہ اُم المؤمنین رضؓ کے ساتھ ہو گئے اور عدمِ سماعِ موتیٰ پر تمام صحابہ کرام رضؓ کا اجماع ہو گیا" انتہیٰ (بلفظہٖ)

مؤلف مذکور نے حضرات صحابہ کرام رضؓ کے مسئلہ عدمِ سماعِ موتیٰ پر اجماع کا جو دعویٰ کیا ہے یہ سراسر جھوٹ اور خالص افتراء اور نرا بہتان ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضؓ سے لے کر تا ہنوز اس مسئلہ میں اختلاف چلا آ رہا ہے۔ لیکن مؤلف مذکور کی دیدہ دلیری دیکھئے کہ وہ اپنے باطل دعویٰ کے لئے حضرات صحابہ کرام رضؓ کی اکثریت کو کس طرح ڈھول کا طعنہ دے کر اور ان پر شرمندگی کا داغ لگا کر مطلب براری کرتے ہیں۔ واضح دلائل کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ جو حضرات صحابہ کرام رضؓ سماعِ موتیٰ کے قائل تھے، وہ آخر دم تک قائل رہے اور ان میں سے کسی ایک نے بھی رجوع نہیں کیا اس کے برعکس فتح الباری کے حوالہ سے

یہ روایت آگے بیان ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ کہ حضرت عائشہ ام المومنین رضؓ سماعِ موتیٰ کی قائل ہوگئی تھیں اور اس مسئلہ میں وہ حضرات صحابہ کرامؓ کی اکثریت سے مل گئی تھیں۔

کیا سماعِ موتیٰ معتزلہ کا مذہب ہے؟

مؤلف ندائے حق اپنی فہرست مضامین صد میں یہ عنوان قائم کرتے ہیں۔ "سماعِ موتیٰ دراصل معتزلہ میں سے ایک گروہ صالحیہ کا مذہب ہے" اور اس عنوان پر وہ اپنی کتاب ص۱۲۷ میں یوں گوہر افشانی کرتے ہیں :-

"معتزلہ میں سے صالحیہ فرقہ کا عقیدہ ہے کہ میّت (مُردہ) جاننا بھی ہے اسے قدرت بھی ہے۔ اس کا ارادہ بھی ہوتا ہے۔ سُنتا دیکھتا بھی ہے (شرح المواقف) تو اب اس اعتبار سے سماع الموتیٰ کی اضافت بھی درست ہوگئی اور مُردوں کا سُننا بھی درست ہوگیا۔ بس تھوڑی سی کل مروڑنے کی کسر ہے۔ مذہب اہل السنت والجماعۃ سے ہٹ کر مذہب صالحیہ اختیار کر لیا عقیدہ پختہ ہوگیا عقدہ حل ہوگیا۔ اللہ اللہ خیر سلاّ" بلفظہٖ۔

الجواب۔ اس کو کہتے ہیں اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ مؤلف مذکور کو ماشاء اللہ تعالیٰ سمجھ سے تو کوئی سروکار ہی نہیں بس مجذوبوں کی طرح کچھ کہنے کے عادی ہیں۔ دعویٰ و دلیل میں مطابقت اور بات کو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہم عرض کئے دیتے ہیں کہ معتزلہ کے فرقہ صالحیہ نے کیا

کیا؟ اور ان کا ہمنوا کون ہے؛ آیا اہل السنت والجماعت یا مؤلف مذکور اور ان کے حقیقت ناآشنا مگر ضدی اور ہٹ دھرم حواری؟!

مواقف اور اس کی شرح میں ہے :-

الصالحية اصحاب الصالحي ومن مذهبهم انهم جوزوا قيام العلم والقدرة والارادة والسمع والبصر بالميت ويلزمهم جواز ان يكون الناس مع اتصافهم بهذه الصفات امواتا وان لا يكون الباري تعالى حيا وجوزوا خلو الجوهر عن الاعراض كلها انتهى بلفظه (شرح المواقف ص۵۰۵ طبع نولکشور لکھنؤ)

صالحیہ فرقہ صالحی کے پیروکار ہیں اور ان کا مذہب یہ ہے کہ انھوں نے علم وقدرت اور ارادہ اور سمع اور بصر کا قیام میت سے جائز رکھا ہے اور ان پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ یہ جائز سمجھیں کہ لوگ ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کر بھی مُردے ہوں۔ اور دیگر (معاذ اللہ تعالیٰ) باری تعالیٰ زندہ نہ ہو اور انھوں نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے کہ جوہر تمام اعراض سے خالی ہو۔

معتزلہ کے صالحیہ فرقہ کا یہ غیر معقول مسلک ہے کہ قبر میں اعادۂ روح اور زندہ کئے جانے کے بغیر ہی محض بے جان دھڑ اور جسد کو عذاب ہوتا ہے اور منکر ونکیر کے سوال کو وہ سنتا اور جواب دینے کا ارادہ کرتا اور پھر جواب دینے پر قدرت رکھتا اور فرشتوں کو دیکھتا ہے۔ قاضی عضد الدین ایجیؒ اور علامہ سید سندؒ ان کے ساتھ علمی مناقشہ کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ اگر بغیر احیاء (زندہ کرنے) اور

بغیر اعادۂ روح کے مُردے ان صفات سے متصف ہو سکتے ہیں تو اس کا دُوسرا پہلو اور تصویر کا دُوسرا رُخ یہ نکلتا ہے کہ زندہ لوگ جو ان صفات سے متصف ہیں، مُردے کہلائیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جو ان صفات کے ساتھ ہمیشہ سے متصف ہے، وہ بھی زندہ اور حی نہ ہو (معاذ اللہ تعالیٰ) چنانچہ خود مواقف اور اس کی شرح میں سوال وجواب وتنعیم فی القبر کی بحث میں تصریح ہے کہ:۔

واما ما ذهب اليه الصالحي من المعتزلة وابن جرير الطبري وطائفة من الكرامية من تجويز ذلك التعذيب على الموتى من غير احياء فخروج عن المعقول لان الجماد لا حس له فكيف يتصور تعذيبه اه (مواقف مع الشرح صـ ۲۱۶)

جس مسلک کو معتزلہ کے صالحی اور ابن جریر طبری اور کرامیہ کے ایک گروہ نے اختیار کیا ہے کہ وہ مردوں کو بغیر زندہ کرنے کے عذاب جائز قرار دیتے ہیں تو یہ غیر معقول ہے کیوں کہ (بغیر روح کے) نرے دھڑ میں حِس نہیں سو اس کو سزا اور عذاب دینے کا تصور کیسے؟

معتزلہ کا صالحیہ فرقہ یہ کہتا ہے کہ قبر میں مردہ کو زندہ نہیں کیا جاتا اور نہ اسکی طرف اعادۂ روح ہوتا ہے (اور یہی مسلک مؤلف ندائے حق اور ان کے حواریوں کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صالحیہ فرقہ نرے بے روح جسم کے عذاب کا قائل ہے اور بغیر احیاء اور اعادۂ روح کے وہ اس کیلئے علم، سمع اور قدرت وغیرہ ثابت کرتا ہے اور مؤلف مذکور روح اور جسد مثالی سے اس کارروائی کو وابستہ کہتے ہیں) مگر مؤلف مذکور اپنی کم فہمی کی وجہ سے عوام کو یہ غلط تاثر دے رہے ہیں کہ سماعِ موتیٰ کا مسئلہ

صالحیہ کا ہے اور پھر اہل السنت والجماعت سے جن الفاظ سے وہ تمسخر کر رہے ہیں وہ بھی بالکل عیاں ہے۔ اس کو کہتے ہیں کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا اور وہ بھی مرا ہوا۔ سبحان من بیدہ ملکوت کل شیٔ

مسئلہ سماع موتی اختلافی ہے

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مبارک دور اور خیر القرون کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک یہ مسئلہ اختلافی چلا آ رہا ہے کہ قبروں کے پاس اگر کوئی شخص اہل قبور کو سلام وغیرہ عرض کرے تو مردے سنتے ہیں یا نہیں؟ ایک گروہ سماع موتی کا قائل ہے جس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرات مالکیہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم، شافعیہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اور حنبلیہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم کا جم غفیر اور حضرات احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا معتد بہ طبقہ اور اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی اکثریت شامل ہے۔ غیر مقلدین حضرات کا اس مسئلہ میں باہمی خاصا اختلاف ہے۔ قاضی شوکانی رحمہ، امیر یمانی رحمہ، نواب صدیق حسن خان اور مولانا وحید الزمان خان صاحب وغیرہ حضرات شد و مد کے ساتھ سماع موتی کے قائل ہیں جبکہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی رحمہ اور ان کے بیشتر تلامذہ اس کے منکر ہیں۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ نذیریہ و ثنائیہ) جن کے کچھ ضروری حوالے اسی کتاب میں اپنے مقام میں ذکر ہوں گے اور ان میں سے ہر فریق کے ضروری دلائل بھی اس کتاب میں بیان کر دیئے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس مسئلہ کے اختلافی ہونے کا انکار یا تو نرے جاہل اور ضدی سے سرزد

ہوگا اور یا کسی مجذوب سے ، ورنہ کوئی بھی حقیقت شناس دیانت دار عالم اور خدا خوف مسلمان اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ ہم اس مقام پر مسئلہ کی وضاحت کے لئے فقیہ دوران قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) اور بعض دیگر اکابر کی چند عبادات اور حوالے عرض کرتے ہیں تاکہ اس مسئلہ کے اختلافی ہونے کا پہلو بالکل نمایاں اور روشن ہوجائے اور مؤلف ندائے حق کا یہ بالکل باطل نظریہ کہ " یہ وہم ہے سلف میں یہ مسئلہ مختلف فیہ نہ تھا۔ قطعًا نہ تھا ص۱۵۳) کلیۃً مردود ہوجائے۔

(۱) حضرت مولانا گنگوہیؒ مسئلہ سماعِ موتیٰ کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں :-

الجواب ۔ مسئلہ سماعِ موتیٰ کا قرنِ اول میں مختلف ہوا ہے۔ اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں مگر بتقلید اپنے مجتہد مقلد کی کوئی نزعین کی جانب اگر کوئی میلان کرے تو مضائقہ نہیں۔ سو مسلک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مثل طریقہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہ ہے کہ آیت قطعی کو اپنی حالت میں رکھ کر اور معنی حقیقی پر عمل کرکے کہ اصل ہو ضوع لہٗ ہے۔ حدیث میں جو شرح قرآن ہے مناسب تاویل مناسب ہے جبتک قطع معنی حدیث بہم حاصل نہ ہوجائے چنانچہ اصول میں مبرھن ہے پس آیت اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتیٰ قطعی خاص اور احادیث سماع ظنی اخبار احاد سے تخصیص کس طرح

درست ہو سکتی ہے۔ پھر اس آیت میں استعارہ ہے کہ کفار کو اموات وصم سے تشبیہ دیا ہے اور مستعار منہ میں معنی وجہ شبہ کے حقیقۃً ہوتے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ میت اور اصم میں صلاح سماعت نہیں لہٰذا معنی عدم اجابت کے جو مجاز ہے مشبہ بہ میں لینا کیسے درست ہوگا؟ (دوسرے حضرات کے نزدیک اس تشبیہ کی مراد حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کی عبارت ... اور علامہ بدرالدین عینیؒ کی عبارت ... میں اور اسی طرح دیگر اکابر کی عبارات میں دوسرے طریق سے ہے، وہاں ملاحظہ کریں۔ صفدر) البتہ مشبہ میں یہی مراد ہے لہٰذا حسب قاعدہ مرجح جانب عدم سماع ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونکہ فخر عالم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی زبان سے مَآ اَنۡتُمۡ بِاَسۡمَعَ مِنۡهُمۡ سنا تھا تو ان کے نزدیک یہ حدیث بھی قطعی تھی۔ سو جو کچھ معنی انھوں نے سمجھے اس فہم کی وجہ سے اگر آیت مذکورہ کی (صفدر) تخصیص کریں ہو سکتا ہے ورنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو خود حدیث میں تاویل کی اور آیت کو بحال خود رکھا اور جمع کر دیا۔ الحاصل راجح مذہب عدم سماع کا ہے۔ حسب قواعد پس احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے ورنہ دوسری جانب بھی مذہب قوی ہے اور زیادہ بسط کی گنجائش نہیں۔ اگر بغور مطالعہ فرماؤگے، تو توقع ہے کہ اصل مراد کو آپ تصدیق فرما دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(لطائف رشیدیہ ص ... و ص ۹)

(۲) ترمذی شریف پڑھاتے وقت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۳۳۴ھ) نے کتابی شکل میں جمع کر دیا ہے جس کا نام الکوکب الدری ہے اس میں حدیث السلام علیکم یا اهل القبور، کی تفسیر میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :-

"اس حدیث کے ظاہر سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں۔ ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ علاوہ ازیں ان کا استدلال اور روایات سے بھی ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ میت کے پاس جب دو فرشتے منکر نکیر حاضر ہوتے ہیں تو اس وقت وہ قبر سے واپس آنے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سُنتی ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ میت کے دفن ہونے کے بعد فرشتوں کے جلدی آنے سے کنایہ ہے، حقیقت مُراد نہیں ہے اور جو حضرات سماعِ موتیٰ کا انکار کرتے ہیں وہ اس خطاب کے صحیح قرار دینے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ یہ سلام فرشتوں کے واسطہ سے میت کو پہنچتا ہے۔ اور جو حضرات سماعِ موتیٰ کا انکار کرتے ہیں۔ ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ وہ اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کیونکہ جب کُفّار کو عدم سماع میں مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ مُردے نہیں سُنتے ورنہ یہ تشبیہ دُرست نہیں ہوتی۔ اور جو یہ کہا گیا ہے کہ یہ وَمَا رَمَيْتَ

اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی کے قبیل سے ہے تو یہ تام نہیں کیونکہ اس
بنا پر بعد کا یہ ارشاد اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الآیۃ صحیح
نہیں ہوتا کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت و اقتدار پہلی جزو میں ہے اسی طرح
دوسری میں بھی ہے۔ پس کیسے صحیح ہوگا کہ ایک نوع آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے لئے ثابت کی جائے اور دوسری کی نفی ہو۔ باقی سماعِ موتیٰ کے ثابت
کرنے والے جو یہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدر کے کنوئیں پہ
کھڑے ہو کر مقتولینِ بدر کو خطاب کیا تھا اور یہ صاف طور پہ سماعِ موتیٰ پر دال ہے تو
اس کا جواب منکرین نے یہ دیا ہے کہ یہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات
میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مقتولوں کی روحیں ان کے جسموں میں لوٹا دیں تاکہ وہ
آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خطاب سن لیں اور یہ ان کی زجر و توبیخ اور ان
کے عذاب کے اضافہ کے لئے تھا۔ اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ نے ان
سے اس لئے خطاب کیا تاکہ زندہ مشرکینِ قریش کا غصہ اس سے اور بڑھے۔ اور آپ
نے حضرت عمر رض سے جو یہ فرمایا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے تو اس کا معنی یہ ہے
کہ تم ان سے زیادہ نہیں جانتے۔ یہ تفسیر حضرت عائشہ رض نے کی ہے سو یہ بھی سماع
کی دلیل نہیں ہے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ سماع کا انکار کیا جائے اور ہمارے نزدیک یہی بات
زیادہ صحیح ہے اور بحث اس مسئلہ میں طویل ہے۔ یہ اس کا موقع نہیں ہے:

(الکوکب الدری ج ۱ ص ۳۱۹ مترجماً)۔

(۳) قبور سے اس طور دعا کرنا کہ اے صاحبِ قبر اس طرح میرا کام کر دے، تو یہ حرام اور شرک بالاتفاق ہے (یعنی اس کو پکارے اور اس سے مراد مانگے۔ ہمارے پیر و مرشد رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی صاحب المتوفی ۱۳۶۳ھ تفسیر بے نظیر ص۲۸ میں بحوالہ حافظ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں کہ "وہ لوگ جو انبیاء اور صالحین کو بعد موت کے نزدیک سے پکارتے ہیں، وہ مشرک ہیں۔ اس سے بھی یہی صورت مراد ہے) اور یہ بات کہ تم میرے واسطے دعا کرو۔ تو اس باب میں اختلاف ہے۔ منکرینِ سماعِ موتیٰ اس کو لغو ناجائز کہتے ہیں اور مجوزین سماع جائز جانتے ہیں اور یہی بندہ نے پہلے بعض سائلین کے جواب میں لکھا ہے۔ بندہ مختلف فیہا مسائل میں فیصلہ نہیں کرتا لیکن احوط کو اختیار کرتا ہوں"۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ،۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج۱ ص۲۳ طبع جید برقی پریس دہلی)۔

(۴) استعانت کے تین معنی ہیں۔ ایک یہ کہ حق تعالیٰ سے دعا کرے کہ بحرمت فلاں میرا کام کر دے یہ باتفاق جائز ہے خواہ عند القبر ہو خواہ دوسری جگہ۔ اس میں کسی کو کلام نہیں۔ دوسرے یہ کہ صاحبِ قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو۔ یہ شرک ہے خواہ قبر کے پاس کہے خواہ قبر سے دور کہے (حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی المتوفی ۱۲۲۵ھ۔ فرماتے ہیں" و دعا از آنہا خواستن حرام است"۔ مالا بد منہ ط۹۱

(یعنی مُردوں سے مُراد مانگنا حرام ہے) اور بعض روایات میں جو آیا ہے اعینونی عباد اللہ تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں، ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اس کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے تو وہ اس باب سے نہیں ہے۔ اس سے حجت جواز لانا جہل ہے معنی حدیث سے (یہ حدیث حضرت عتبہؓ بن غزوان، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ و رجالہ ثقات مجمع الزوائد ج ۱۰ صـ۱۳۲ اور ابن سنی صـ۱۶۲ اور حصن حصین صـ۱۶۳ میں بھی یہ روایت موجود ہے) تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جاکر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دُعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے۔ اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوز سماع موتیٰ اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاءؑ علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہائ نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے اور جس کو قاضی (ثناء اللہ) صاحبؒ نے منع لکھا ہے وہ دوسری نوع کی استعانت ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ مسئلہ مخلوط ہو رہا ہے

(کہ میت سے مُراد مانگنا اور اس سے دُعا کی التجاء کرنا ایک سمجھ لیا گیا ہے جیساکہ مؤلف نداۓ حق وغیرہ نے یہی سمجھ لکھا ہے) - اور سماع موتیٰ کا مسئلہ بھی صحابہ رض کے وقت سے مختلف فیہ ہے۔ سلام کرنے کو کوئی منع نہیں کرتا - بہرحال یہ مسئلہ مختلفہ ہے اس میں بحث مناسب نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم - رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹ طبع ۱)

اس عبارت میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عند القبر سماع کا اتفاقی اور اجماعی ہونا صراحت سے مذکور ہے اور عند القبر استشفاع کے جواز کی بھی بحوالہ حضرات فقہاء کرام رح تصریح موجود ہے نیز مردوں سے جائز و ناجائز استعانت کا فرق اور حکم بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

(۵) اور تفصیل یہ ہے کہ استمداد تین قسم ہے۔ ایک یہ کہ اہلِ قبور سے مدد چاہے۔ اس کو سب فقہاء رح نے ناجائز لکھا ہے۔ دُوسرے یہ کہے' اے فلاں خدا سے دُعا کرو کہ فلاں کام میرا پورا ہو جائے - یہ مبنی اُوپر مسئلہ سماع کے ہے۔ جو سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں اُن کے نزدیک درست، دُوسروں کے نزدیک ناجائز۔ اسی کو شیخ (عبدالحق محدث دہلوی رح شرح مشکوٰۃ بزبان عربی یعنی اللمعات) نے لکھا ہے وان الاستمداد باھل القبور فی غیرالنبی والانبیاء علیہم السلام فقد انکرہ کثیر من الفقہاء الخ انبیاء کو اسی وجہ سے مستثنیٰ کیا کہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ تیسرے یہ کہ دُعا مانگے الٰہی بحرمت فلاں میرا کام

پُورا کر دے ۔ یہ بالاتفاق جائز ہے اور تمام شجروں میں موجود ہے ۔ اسی وجہ سے اقوال علماء میں اختلاف ہے کہ استمداد لفظ مشترک ہے ۔ کسی نے کسی کو لیا کسی نے کسی کو، قول ہر ایک کا اپنے معنیٰ و مُراد پر صحیح ہے ۔ فقط محمد حسن عفی عنہ مدرّس مدرسہ گلاوٹی مدرّس اوّل ۔ الجواب بہذا التفصیل صحیح رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ ج۲ ص۸) ۔

اِس عبارت میں بحرمت فلاں کے الفاظ سے توسّل اور دُعا کو بالاتفاق جائز بتایا ہے اور لفظ استمداد کے اشتراک کا تذکرہ اور اس کا الگ الگ شرعی اور فقہی حکم بھی صاف طور پر بیان کر دیا ہے ۔

(۶) سوال ۔ میّت قبر میں سُنتی ہے یا نہیں ؟

الجواب ۔ اموات کے سُننے میں علماء کا اختلاف ہے ۔ بعض کے نزدیک سُنتی ہے، بعض کے نزدیک نہیں سُنتی ۔ فقط (فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص۱۱۳)

حضرت مولانا گنگوہی رحمہ کے ان صریح ارشادات سے واضح طور پر یہ ثابت ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے عند القبور سماع کا مسئلہ اتفاقی اور عام اموات کے سماع کا مسئلہ اختلافی ہے ۔ اور یہ اختلاف حضرات صحابہ کرام رض کے وقت سے لے کر تا ہنوز بدستور چلا آرہا ہے ۔ اگر عدم سماعِ موتیٰ پر حضرات صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا تھا جیسا کہ مؤلف شفاء الصدور اور ندائے حق کا یہ بے بنیاد اور سراسر باطل دعویٰ ہے تو پھر علماء مِلّت کا اس مسئلہ میں اختلاف

کیوں ہوا؟ اور کیوں ہے؟ کیا تمام حضرات صحابہ کرام رضہ کے اجماع کے بعد بھی حضرات فقہاء کرام رح کو اختلاف کی کوئی گنجائش ہے؟ الغرض مسئلہ سماع موتیٰ کے اختلافی ہونے کا انکار کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے کیا ہے، علمی طور پر انتہائی بددیانتی ہے۔

مُفتیٔ اوّل دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی رح (المتوفی ۱۳۴۷ھ) نے سماعِ موتیٰ کے بارے میں مختلف فتوے دیئے ہیں جن میں سے بعض فتووں کا تعلق عدم سماعِ موتیٰ سے ہے۔ اور ان کا یہ فتویٰ بھی ہے:-

سوال نمبر ۳۱۸۹/۱۔ بروئے مذہب احناف بزرگانِ دین کے مزارات پر جا کر یہ عرض کرنا کہ آپ مقبولِ خداوندی ہیں، آپ ہمارے لئے دعا کر دیجئے کہ ہماری فلاں مُراد پوری ہو جائے۔ یہ جائز ہے یا نہ؟

سوال نمبر ۳۱۹۰/۲۔ امام صاحب رح کے نزدیک بزرگانِ دین بعد وفات زائرین کی باتیں سُنتے ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر ۳۱۹۱/۳۔ کیا یہ صحیح ہے کہ امام صاحب موصوف رح نے کسی شخص کو کسی قبر پر اہلِ قبر سے کچھ عرض و معروض کرتے دیکھا اور فرمایا کہ تُو ایسے سے التجاء کرتا ہے جو سُن بھی نہیں سکتا۔

سوال نمبر ۳۱۹۲/۴۔ اگر کوئی آیت یا حدیث امام صاحب رح کے قول کی تائید میں ہو تو وہ بھی تحریر فرمایئے۔

الجواب (۱ تا ۴) سماعِ موتیٰ میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ رضؓ کے زمانہ سے ہے۔ بہت سے ائمہ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں اور حنفیہ کی کتب میں بعض مسائل ایسے موجود ہیں (یعنی مسئلہ یمین۔ صفدر) جن سے عدم سماع موتیٰ معلوم ہوتا ہے مگر امام صاحب رح سے کوئی تصریح اس بارہ میں نقل نہیں کرتے اور استدلال عدم سماع کا آیت اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وغیرہ سے کرتے ہیں اور مجوزین کا استدلال حدیث ما انتم باسمع منھم الخ اور حدیث سماعِ قرعِ نعال سے ہے۔ اور آیت مذکورہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نفی سماع قبول کی ہے۔ غرض یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قول فیصل ہونا اس میں دشوار ہے۔ پس عوام کو سکوت اس میں مناسب ہے جبکہ علماء کو بھی اس میں تردد ہے۔ اور دلائل فریقین موجود ہیں اور جبکہ سماعِ موتیٰ میں اختلاف ہوا تو اس میں بھی ہوا کہ بزرگانِ دین کے مزارات پر اس طرح دعا کرنا کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میری فلاں حاجت پوری فرما دے۔ یہ بھی مختلف فیہ ہو گا۔ البتہ احوط یہ ہے کہ اس طرح دعا کرے .... کہ یا اللہ! اپنے اس نیک بندے کی برکت سے میری دعا قبول فرما اور میری حاجت پوری فرما انتہیٰ بلفظہٖ (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل۔ جلد پنجم۔ صفحہ ۴۲۶ طبع دیوبند)۔

اس فتویٰ سے یہ امور بصراحت معلوم ہوتے ہیں:-

(۱) یہ مسئلہ حضرات صحابہ کرام رضؓ سے تا ہنوز اختلافی چلا آرہا ہے۔ (۲) اور فریقین کے پاس دلائل موجود ہیں۔ (۳) فقہ حنفی کی کتب میں بعض مسائل سے عدم سماع موتیٰ

معلوم ہوتا ہے (۴) لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رح سے اس بارہ میں کچھ منقول نہیں۔ (یعنی فتاوی غرائب کا جو حوالہ منکرین سماعِ موتیٰ حضرت امام صاحب رح کی طرف نسبت کرتے ہیں وہ بے اصل ہے) - (۵) بزرگوں کے طفیل اور وسیلہ سے دعا مانگنا درست اور صحیح ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مؤلف اقامۃ البرہان لکھتے ہیں کہ جواہر القرآن صد ۹۰۲ تا صد ۹۰۹ تفسیر سورۂ روم وہاں ہم نے لکھا تھا کہ :-

"سماعِ موتیٰ کا مسئلہ زمانِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے یہ مسئلہ اعتقاداتِ ضروریہ میں سے نہیں جن کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہے بلکہ یہ ایک علمی و تحقیقی بحث ہے جس میں بحث و تمحیص اور نظر و تحقیق کی گنجائش ہے۔ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں۔ کچھ علماء کرام کی یہ رائے رہی ہے کہ مُردے سُنتے ہیں جبکہ دُوسرے علماء نے اپنی تحقیق کی بنا پر سماعِ موتیٰ کی نفی کی ہے۔ علماء کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل ہیں جن پر انھوں نے اپنی اپنی رائے اور تحقیق کی بنیادیں استوار کی ہیں، جو سماعِ موتیٰ کی نفی کرتے ہیں ان کا استدلال ظواہرِ قرآن اور احادیثِ صحیحہ سے ہے جبکہ قائلین سماعِ موتیٰ بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں" صد ۹۶ نیز لکھتے ہیں کہ "جواہر القرآن میں ہم نے اپنا جو موقف تفصیل سے بیان کیا ہے

اس کا حاصل یہ ہے کہ سماعِ موتیٰ کا تعلق احوالِ برزخ سے ہے اور احوالِ برزخ کا علم وحی کے سوا ممکن نہیں۔ اس لئے ضابطہ تو یہی ہے کہ مُردے نہیں سُنتے لیکن جن احوال میں مُردوں کے سُننے کی بعض احادیث میں صراحت ہے۔ وہ اپنے احوال و موارد کے ساتھ مخصوص ہوں گی اور اس سے عمومِ احوال میں سماعِ موتیٰ پر استدلال صحیح نہیں ہوگا۔" (جواہر القرآن ص۹۰۴) ہمارے موقف کی اس توضیح سے یہ بات روشن ہے کہ ہم نے سماعِ موتیٰ کی مطلقاً نفی نہیں کی اھ (اقامۃ البرہان ص۹۶)

یعنی جو چیز مؤلف شفاء الصدور اور ندائے حق کے نزدیک شرک کی جڑ ہے اور بقول ان کے سماعِ موتیٰ کے قائلین پر جو لعنت ہوتی ہے اس میں مؤلف جواہر القرآن اور اقامۃ البرہان بھی سماعی برادران کے ہمنوا ہیں اور کیوں نہ ہوں۔ ؎

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جُدا جُدا
آخر کو ہم دونوں دَرِ جاناں پہ جا ملے!

ہزار افسوس اگر بات یہیں تک محدود رہتی کہ سماعِ موتیٰ کا مسئلہ اختلافی ہے اور ہر فریق کو اپنی علمی اور تحقیقی صوابدید کے مطابق دلائل و براہین کے رُو سے جو پہلو راجح اور صحیح نظر آتا ہے اسے قبول اور اختیار کر لینے کا حق ہے تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور نہیں بھی اس مسئلہ میں کاوش کرنے کی قطعاً ضرورت پیش نہ آتی۔ مگر جب دُوسری طرف سے یہ غلو اختیار کیا گیا کہ یہ

مسئلہ سلف میں اختلافی ہے ہی نہیں جیسا کہ مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں کہ سلف میں یہ مسئلہ مختلف فیہ نہ تھا، قطعاً نہ تھا الخ (صفحہ ۱۵۳) اور یہی غالی مجذوب حضرت امام ابوحنیفہؒ پر خالص بہتان تراشتے ہوئے ان کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ لعنت ہو اس پر جو یہ عقیدہ رکھے کہ مُردے سنتے ہیں الخ (شفاء الصدور صفحہ ۱۰۶) تو ہمیں بھی اس سلسلہ میں کچھ لکھنا پڑا اور درحقیقت شفاء الصدور کے اسی لعنتی حوالے نے ہمیں کتاب لکھنے پر مجبور کیا ہے جس کا وعدہ ہم نے تسکین الصدور میں کیا تھا۔ اور اب تو اس مسئلہ میں اس حد تک غلو اختیار کر لیا گیا ہے کہ الاماں و الحفیظ۔

انجمن اشاعۃ التوحید والسنۃ کے سرگرم اور نوجوان رکن مولوی سعید احمد صاحب چتوڑ گڑھی (جن کی اس جماعت کے بقیہ حضرات صرف مصلحۃً تردید کرتے ہیں لیکن اس جماعت کے امیر جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری دھڑلے کے ساتھ ان کی پوری پشت پناہی کر رہے ہیں) نے صاف اعلانیہ کہا اور ڈنکے کی چوٹ یہ فتویٰ دیا کہ جو شخص سماع صلوٰۃ و سلام عند القبر النبی الکریم کا قائل ہے وہ بلاشک قطعی کافر ہے میرے پاس قرآن مجید کی ساٹھ آیتیں اور پانچ سو حدیث کا ثبوت ہے الخ (بحوالہ دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف صفحہ ۴ مولانا عبدالعزیز شجاع آبادی)۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ کس قدر ناجائز غلو ہے اور قرآن مجید اور احادیث پر کیسا صریح اور صاف بہتان ہے اور بلا استثناء ۱۳۷۴ھ سے قبل کی ساری

اُمّت کی تکفیر ہے۔ ہاں اگر اس خانہ ساز کفر سے کوئی بچ سکتا ہے تو سیّد عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری، جو چودھویں صدی میں اس بدعت ضلالہ کے مُوجد ہیں، اور ان کے چند حواری۔ باقی ساری اُمّت معاذ اللہ تعالیٰ کافر ہے (العیاذ باللہ تعالےٰ ثم العیاذ باللہ تعالےٰ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ) اور خود اسی جماعت کے بعض منصف مزاج بزرگوں کو ان کا رَد لکھنا پڑا۔ (حضرت مولانا عبد العزیز صاحب مؤلف دعوت الانصاف شجاع آبادی انجمن اشاعت التوحید والسُّنّۃ کے امیر ہیں) اور مولوی احمد سعید صاحب نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی قبر مبارک کے نزدیک پڑھا ہوا صلوٰۃ وسلام نہیں سُنتے۔ نہ تحت الاسباب اور نہ فوق الاسباب جو شخص سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر کا قائل ہے، وہ بلا تاویل کافر ہے اور جو اس کو کافر نہ سمجھے وہ بھی ویسا ہی کافر ہے۔ نیز جو شخص اس مسئلہ کو فروعی کہتا ہے وہ بھی کافر ہے۔ اگر سماع عند القبر کا قائل صدیق اکبر رض بھی ہوں تو وہ بھی کافر ہیں۔ بلفظہٖ (دعوت الانصاف ص۲۳ وص۲۴)۔

قارئین کرام! ان الفاظ کو بغور بار بار پڑھیں اور پھر از رُوئے انصاف یہ فرمائیں کہ اس شاہی فتویٰ کی زد سے اس اُمّتِ مرحومہ کا کوئی بھی مُسلمان کُفر کی زد سے بچ سکتا ہے؟ اگر حضرت صدیق اکبر رض کُفر کے اس ایٹم بم سے نہیں بچ سکتے تو اور کون بچ سکتا ہے؟ ہزار افسوس اور صد ہزار حیرت اور تاسف ہے

انجمن اشاعۃ التوحید والسنتہ کے ذمہ دار بزرگوں پر کہ وہ اندرونِ خانہ خفیہ میٹنگیں کرکے مولوی احمد سعید صاحب کی وارفتہ زبان پر پابندی تو لگانے کی فکر کرتے ہیں اور انھیں نرمی کا سبق تو سکھاتے ہیں اور انھیں معتدل رویّہ اختیار کرنے کی تلقین تو کرتے ہیں لیکن یہ سارا کچھ کہہ چکنے کے بعد بھی ان کو علانیہ اپنی جماعت سے نہیں نکالتے اور بعض ان کو اپنے جلسوں میں بلاتے اور ان کی ہمت افزائی کرتے ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ معاف رکھنا کیا سمجھدار عوام یہ سمجھنے میں حق بجانب نہیں کہ یہ کارروائی ہاتھی کے دانت ہیں، کھانے کے اور اور دکھانے کے اور۔

سدّ الذریعہ سماعِ موتیٰ کا انکار

یہاں یہ بات بھی بیان کرنا نہایت ضروری ہے کہ جو حضرات سماعِ موتیٰ کے منکر ہیں وہ علاوہ اُن دلائل کے جنکو وہ اپنے خیال کے مطابق اپنے دعویٰ پر پیش کرتے ہیں (جن کا تذکرہ حسبِ ضرورت انشاء اللہ تعالیٰ اسی کتاب میں ہوگا) ان کے نزدیک یہ مصلحت (یا خطرہ) بھی پیشِ نظر ہے کہ اگر سماعِ موتیٰ کا مسئلہ ثابت اور رائج ہوگیا تو یہ جہالت اور دین سے دُوری کا دَور ہے، شرک وبدعت کے سیاہ اور گھنگھور بادل اطرافِ عالم پر چھائے ہوئے ہیں اور مختلف علاقوں پر کم یا زیادہ برستے بھی ہیں۔ علماءِ سوء اور پیرانِ بدکردار کی بددیانتی اور نفس پروری اظہر من الشمس ہے اور رقمیں بٹورنے

کے لئے حضرات اولیاء کرام رح کی قبور پر عرسوں اور قوالیوں کی بھرمار ہے، جن کی شب و روز خوب اشاعت ہوتی رہتی ہے اور جاہل قبر پرستوں کی بھی کوئی کمی نہیں اور خود غرض مجاور اور دین و شریعت سے بے نیاز فقیر و ملنگ ہمہ وقت قبور کے چمکانے کی لگن اور دھن میں سرمست رہتے ہیں، اندریں حالات اگر سماعِ موتیٰ محقق اور ثابت ہو جائے تو بد فطرت اور مشرک و مبتدع لوگ اس کو اور زیادہ ہوا دیں گے اور عوام الناس میں مزید گمراہی پھیلائیں گے اس لئے سماعِ موتیٰ کے مسئلے کا سرے ہی سے انکار کر دیا جائے کہ نہ یہ ثابت ہو اور نہ اس پر شرک و بدعت کے غلط ثمرات اور اثرات مرتب ہوں۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ چنانچہ مؤلف اقامۃ البرہان لکھتے ہیں کہ "سماعِ موتیٰ کا عقیدہ اگرچہ بذاتِ خود شرک نہیں لیکن شرک کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس لئے بھی عوام اہلِ اسلام کی خیر خواہی اور بہتری اسی میں ہے کہ سدًّا للذریعہ وصونا للعقیدہ سماعِ موتیٰ کا انکار کیا جائے۔"

یہ خدشہ صرف انہی حضرات کو لاحق نہیں جو سماعِ موتیٰ کے منکر ہیں بلکہ اُن کے پیشِ نظر بھی ہے جو شد و مد کے ساتھ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح (المتوفی ۱۲۹۷ھ) جن کی سماعِ موتیٰ کے بارے میں عبارت آگے آ رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ، تحریر فرماتے ہیں:۔ "مگر چونکہ محتاج اور مستغنی محتاج الیہ کا پکارنا جُدا جُدا ہوتا ہے اور عوام اپنے خیالِ خام میں اولیاء کو قادر اور متصرف یعنی غنی محتاج الیہ سمجھتے ہیں تو اگر اس زمانہ میں اس امکانِ استماع کا

بھی چرچا کیا جائے تو اس عمل سے نفع دینی تو کچھ متصور نہیں البتہ قوتِ مضامینِ شرکیہ کا گمان غالب ہے اس لئے یوں مناسب ہے کہ عوام کو فقط طریقۂ مسنونہ زیارتِ قبور تعلیم کیا جائے اور اس سے زیادہ کی اطلاع نہ ہونے دی جائے ورنہ اس علم امکان سے ترقیِ مدارج تو معلوم کیونکہ ضروریاتِ دینی میں سے نہیں البتہ مواخذۂ نقصان مذکورہ کا **احتمال** ہے" اھ۔ (جمال قاسمی صفا طبع قاسمی دیوبند)۔

اور حکیم الامّت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رح (المتوفی ۱۳۶۲ھ) جن کا سماعِ موتیٰ کے بارے میں حوالہ آگے آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔ "غرض اس طرح جانبین میں کلام **طویل** ہے اور دونوں شقوں میں وسعت ہے ۔ البتہ عوام کا سا اعتقادِ اثبات کہ اس کو حاضر و ناظر متصرف مستقل فی الامور سمجھتے ہیں، یہ صریح ضلالت ہے اگر اس کی اصلاح بدون انکارِ سماع کے نہ ہو سکے تو انکارِ سماع واجب ہے" (الکشف صفحہ ۴۳)

عبارت صاف ہے کہ اگر عوام کو غلط عقیدہ سے بچانے کا کوئی اور حل نہ ہو تو پھر انکارِ سماع واجب ہے یہ وجوب ایک **خارجی** دلیل سے ہے اور مجبوری کی وجہ سے ہے جیسا کہ قرآنِ کریم کا جہراً دوسرا پڑھنا موجبِ اجر اور باعثِ ثواب ہے لیکن اگر اس سے نمازیوں کی نماز میں فرق آتا ہو تو بلند آواز سے پڑھنا جائز نہیں۔ (تفسیر مظہری ج ۳ صفحہ ۵۱۲)۔ اور اگر لوگوں کے دنیوی امور میں خلل پڑتا ہو اور وہ قرآنِ کریم کی طرف توجہ نہ کر سکتے ہوں تو بلند آواز سے پڑھنا مکروہ ہے (مجموعہ فتاویٰ عبدالحیؒ ج ۱ صفحہ ۳۰۲)۔

اگر اس بالا مصلحت (یا خطرہ) کا یہ پہلو دیکھا جائے جو اُوپر عرض ہُوا تو منکرین سماعِ موتیٰ کے خدشات اور خطرات بے جا نہیں ہیں کیونکہ جہالت کی وجہ سے شرک و بدعت عام ہے اور علماءِ سوء اور پیرانِ بد اطوار گلے پھاڑ پھاڑ کر عوام الناس کو ورغلانے میں شب و روز کوشاں ہیں اور جہلاء کا طبقہ بزرگانِ دین اور شہدائے کرام کے مزاروں پر حاضر ہو کر ان سے مُرادیں مانگتا اور نذرانے پیش کر کے یوں سودا بازی کرتا ہے کہ گنگو ڑے اور پتر دے۔ اور یہ گمراہ ٹولہ توحیدِ خالص کے انمول موتی اور قیمتی جواہر پارے ہر قبر بلکہ ہر تودہ خاک پر نچھاور کرتا رہتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی اس مذموم اور مُشرکانہ کارروائی کا رونا مولانا حالیؒ مرحوم نے یُوں رویا ہے۔ ؎

کرے غیر گر بُت کی پُوجا تو کافر	جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر	کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کُشادہ ہیں راہیں	پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں	اماموں کا رُتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ جا جا کے نذریں چڑھائیں	شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دُعائیں[1]

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اِسلام بگڑے نہ ایمان جائے

---

[1] یعنی ان سے مُرادیں مانگیں۔ اور اس کا شرک اور ناجائز ہونا پہلے فتاویٰ رشیدیہ کے حوالے سے بیان ہو چکا ہے۔

الغرض اس خدشہ اور خطرہ کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے لیکن اس پہلو کے ساتھ ساتھ ذیل کے اُمور بھی کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں اور ان سے بھی پہلو تہی کرنا مناسب اور روا نہیں ہے۔

(الف) سماعِ موتی کا مسلک اختیار کرنا نہ شرک ہے اور نہ براہ راست شرک کا ذریعہ ہے۔ شرک کا ذریعہ یہ تب بنتا ہے جب بدعقیدگی اور رُوحِ شریعت سے ناواقفی ساتھ شامل ہو۔ سب سے پہلے عوام کے عقیدہ کی دُرستی کی فکر کرنی چاہیئے اور ان کو قرآن کریم، حدیث شریف اور رُوحِ شریعت سے واقف کرنا چاہیئے اور اسلامی تعلیم کو خوب واضح کرنا چاہیئے اور اس کی احسن طریقہ سے نشر و اشاعت کرنی چاہیئے۔ مسئلہ سماعِ موتیٰ سے انکار کرکے اس موہوم ذریعہ شرک پر بزعم خود کاری ضرب لگانا بالکل آخری مرحلہ کی بات ہے جبکہ اور کوئی صورت ممکن ہی نہ ہو۔

(ب) بزرگانِ دین رح اور شہدائے کرام رح جب دُنیا میں زندہ تھے، اور مصیبت زدہ لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی تکالیف اور پریشانیوں کا تذکرہ بھی ان سے کیا کرتے تھے اور وہ بزرگ اور شہید اس دُنیا کی تکلیفی زندگی میں خود اپنے کانوں سے ان کی باتیں سُنتے بھی تھے۔ آخر غور فرمائیے کہ انھوں نے ان پریشان حال لوگوں کی باتیں سُننے کے بعد بھی کیا کر دیا؟ اور وہ کر بھی کیا سکتے تھے؟ کیا نفع و ضرر اُن کے قبضے میں تھا؟ یا معاذ اللہ تعالیٰ ان کو خدائی

اختیارات حاصل تھے؟ یا اولاد اور رزق تقسیم کرنے کا محکمہ ان کے سپرد تھا؟ یا کسی بھی رنج وغم سے نجات دینا ان کے بس میں تھا؟ جب حاجت مندوں اور تکلیف زدہ لوگوں کی فریاد سن چکنے کے بعد بھی وہ اپنی دُنیوی زندگی میں کچھ نہ کر سکے تو اب قبر سے باہر کی آواز سن کر آناً فاناً وہ کس کو بادشاہی مرحمت کر دیں گے؟ یا کم از کم قعرِ مذلت سے نکال کر بامِ عروج اور عزت کی گھاٹیوں پر پہنچا دیں گے؟ یا رزق و اولاد کے دروازے لوگوں پر کھول دیں گے؟ یا صحت و تندرستی کی دولت سے انھیں مالامال کر دیں گے؟ یا آپس کی ناچاقی اور دشمنی کو دوستی میں بدل دیں گے؟ یہ بات کسی بھی صاحب فہم سے مخفی نہیں کہ سُن لینے اور مراد پوری کر دینے میں کوئی تلازم نہیں کہ جب بھی کوئی بات سُن لے تو سُنانے والے کی قلبی تمنا اور مراد پوری ہو جایا کرے۔ ان دونوں چیزوں میں نہ تو شرعی تلازم ہے اور نہ منطقی اور عرفی۔

(ج) دوسروں کا تو قصہ ہی چھوڑیئے۔ جب خود ان بزرگوں پر دُنیا میں بے پناہ مصائب و آلام آئے اور وہ خود تکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا ہوئے تو کیا انھوں نے خود اپنی مصیبتیں اور صعوبتیں دُور کر دیں؟ اور کیا وہ اپنے لئے خوشی اور راحت کے دروازے کھول گئے؟ جب وہ اپنے لئے کچھ نہ کر سکے تو بھلا وہ دوسروں کے لئے کیا کر سکتے تھے؟ یہاں تو افضل البشر سید ولد آدم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو بھی اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے

قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا (پ ۲۹ - الجن - ۲) | تو کہہ میرے اختیار میں نہیں تمہارا برا اور نہ راہ پر لانا۔

اور نیز متصرف فی الامور اور خالق کائنات نے آپ سے یہ اعلان بھی کروایا کہ

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ الآیۃ۔ (پ۹ اعراف ۲۳) | تو کہہ دے میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا اور نہ برے کا مگر جو اللہ چاہے۔

جب فخر عالم سردار دوجہاں خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حال ہے تو دوسروں کا کیا پوچھنا؟ ع

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

ان بزرگانِ دین کا کام صرف اتنا تھا کہ وہ اہلِ مصائب کی تکالیف کو سن کر اللہ تعالیٰ کے سامنے دامنِ سوال پھیلاتے" اور دستِ عجز" اٹھاتے اور بڑھاتے اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہوتا تو ان کی دعا قبول فرمالیتا اور حاجت مندوں کا کام پورا کر دیتا اور اُن کو اُن کی مراد دے دیتا۔ اس کی مرضی نہ ہوتی تو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسی بزرگ ترین ہستی سے بھی فرمادیتا:

وَلَا تَسْـَٔلْنِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ الآیۃ (پ ۱۲ - ھود - ۴) | سو مت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو معلوم نہیں

پھر اس قادرِ مطلق حی و قیوم اور فعال لما یرید ہستی کا کسی نے کیا بگاڑا؟ اور کیا کسی کو یہ پوچھنے کی ہمت بھی ہوئی کہ اے پروردگار یہ کام کیوں نہ ہوا؟

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۔ یعنی اُس سے نہیں پوچھا جا سکتا جو کچھ وہ کرتا ہے اور مخلوق سے پوچھا جا سکتا ہے۔ (پ - الانبیاء - ۲)

جب بزرگانِ دین اِس دُنیا کی زندگی میں زندہ رہ کر اور اپنے کانوں سے لوگوں کی تکالیف کو سُن کر کسی کی تکلیف دُور نہ کر سکے اور نہ کسی کو راحت اور شادمانی عطا کر سکے تو پھر کیا یہ دعویٰ درست اور یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ اِس دُنیا میں بھی کسی کی بات کو نہیں سنا کرتے تھے ؟ اور اگر سنا کرتے تو ضرور وہ مصائب و آلام سے لوگوں کو نجات دے دیتے ؟ یقیناً یہ کہنا غلط ہوگا۔ اصل بیماری کا یہ علاج اور مداوا ہرگز نہیں جو سمجھ لیا گیا ہے۔ بلکہ اصل بیماری عوام النّاس کی قرآن و سُنّت سے جہالت اور رُوحِ شریعت سے بے خبری اور بے پرواہی ہے۔ اور گندم نما جَو فروش مولویوں اور زَر پرست پیروں کی بد دیانتی اور خود غرضی ہے کہ وہ لوگوں کو شرک و بدعت کے جام بھر بھر کر پلاتے ہیں اور بد عقیدہ لوگ فرطِ محبّت کے ساتھ ذوق و شوق سے پیتے ہیں۔ ورنہ درحقیقت شرک و بدعت کا مسئلہ سماعِ موتیٰ سے براہِ راست ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ یہ اس کی پیداوار اور اس کا ثمرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر حضرات سلف صالحین رح جو سماعِ موتیٰ کے قائل تھے پکّے موحد اور صحیح معنی میں متبع سُنّت تھے۔ ان حضرات کے بارے میں اس کا ادنیٰ ترین وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ (معاذ اللہ تعالیٰ) وہ شرک و بدعت کے مرتکب یا اِس کے مروّج یا مداہن فی الدّین تھے۔ اس لئے جہاں آجکل

کے لوگوں کے ایمان اور عقیدہ کو بچانا ان کی خیر خواہی اور بہتری ہے وہاں سماع موتیٰ کے قائلین حضرات کو جہلا کے اس وہم اور فتوی سے بچانا بھی نہایت ہی ضروری ہے کہ سماع موتیٰ کا مسلک اختیار کرنا شرک ہے تاکہ کوئی کوڑ مغز یہ نہ سمجھنے لگے کہ وہ حضرات مشرک تھے یا کم از کم شرک کی ترویج کا وہ سبب بنے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) وہ حضرات اسلام کا اصل سرمایہ ہیں جن پر اہل اسلام کو ہمیشہ کے لئے فخر ہے اور وہ آنے والی نسلوں کے لئے دینی اور مذہبی لحاظ سے بہترین نمونہ ہیں۔ وہ حضرات نہ صرف یہ کہ خود خالص توحید اور اصل سنت پر کاربند تھے بلکہ داعیٔ توحید و سنت اور ماحیٔ شرک و بدعت بھی تھے۔ جن کی مبارک سعی سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں انسانوں کو اسلام و ایمان جیسی عظیم دولت نصیب ہوئی اور وہ خود بھی ایمان کی عظیم تر دولت سے مالا مال تھے اور حقیقت میں ایمان کا تقاضا ہی یہی ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرے اور اس کے قہر و غضب سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہے اور راحت و تکلیف دینے والا صرف اسی کو سمجھے۔ کیونکہ نفع و ضرر سب پروردگار کے ہاتھ اور قبضہ میں ہے۔ اس کے بغیر کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ ہستی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ نفع و ضرر پہنچانے پر ہرگز قادر نہیں ہے۔ ؎

ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہو

(د) لفظ استمداد، دعا خواستن، دعا مانگنا اور پکارنا وغیرہ الفاظ

تفصیل طلب ہیں۔ اگر ان الفاظ سے قائل کی یہ مُراد ہو کہ صاحبِ قبر اور مُردہ کام کرتا اور مُراد پوری کرتا ہے، تو یہ خالص شرک ہے۔ اور اگر مُراد یہ ہے کہ قائل اس کو سفارشی بناتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ تو اللہ تعالےٰ سے میرے لئے دعا کر۔ یہ بات مسئلہ سماعِ موتیٰ پر متفرع ہے جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے اس کے متعلق ضروری بحث گزر چکی ہے۔ ان دونوں کو گڈمڈ کر دینا اور ایک بنا دینا علم و تحقیق سے کوسوں دُور ہے اور اتنی واضح بات کو ملحوظ نہ رکھنا اور نظر انداز کر دینا علماء کو زیب نہیں دیتا۔ الغرض اللہ تعالےٰ کے سوا کسی سے مُراد مانگنا اور اس کو حاجت رَوا سمجھ کر پکارنا شرک ہے۔ اگر کوئی شخص زندہ بزرگ سے بھی اولاد مانگے یا صحت و تندرستی مانگے یا ایسی چیز طلب کرے جو عالمِ اسباب میں اس کے بس و اختیار میں نہیں ہے تو یہ بھی شرک ہے۔ اور اسی طرح دفن ہونے سے پہلے مُردہ کی چارپائی کے پاس حاضر ہو کر اُس سے مُراد مانگے تب بھی شرک ہے چنانچہ علامہ محمدؒ بن احمدؒ بن عبد الہادی الحنبلی رحؒ (المتوفی ۷۴۴ھ) لکھتے ہیں :-

ولو جاء انسان الى سرير الميت يدعوه من دون الله ويستغيث به كان هذا شركا محرما باجماع المسلمين (الصارم المنكى ص۲۰۲)	یعنی اگر کوئی شخص میّت کی چارپائی کے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ کے و۔۔ے اسکو پکارے اور اُس سے مدد مانگے تو مسلمانوں کے جماع اور اتفاق سے یہ شرک اور حرام ہوگا۔

غرضیکہ جو چیز شرک ہے وہ زندگی میں بھی شرک ہے اور مرنے کے بعد دفن سے پہلے بھی شرک ہے جبکہ میت کی چارپائی سامنے ہے اور مُردہ نظر بھی آتا ہے اور دفن کے بعد بھی شرک ہے اور وہ اسی صورت میں ہے کہ اس سے اپنی حاجت اور مُراد طلب کرے اور مانگے۔ رہی استمداد کی وہ صورت جو توسّل اور شفاعت کی مد میں ہے وہ نہ تو زندگی میں شرک ہے نہ دفن سے قبل اور نہ دفن کے بعد۔ اس صورت میں مُراد اور حاجت صرف پروردگار سے طلب کی جاتی ہے۔ ہاں درمیان میں اللہ تعالیٰ کے کسی مقبول اور برگزیدہ بندے کا واسطہ اور سفارش ہوتی ہے اور سفارش کرانے والا یہ سمجھتا ہے کہ مشکل کُشا، حاجت روا اور قاضی الحاجات صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ بندہ کے بس میں یہ امور نہیں ہیں۔ وہ تو صرف دُعا کرتا اور سفارش کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح (المتوفی ۱۲۳۹ھ) قبر کے پاس توسّل اور استمداد کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ونیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجت خود را ازجناب عزت الٰہی بتوسّل روحانیت بندہ کہ مقرب و مکرم درگاہ والا است وگوید خداوندا ببرکت ایں بندہ کہ تو رحمت واکرام کردۂ او را برآور دہ گرداں حاجت	اور اس استعانت کی صورت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ محتاج اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے مقرب اور مکرم بندہ کی روحانیت کے توسّل سے اللہ تعالیٰ سے طلب کرتا ہے کہ اے پروردگار اس بندہ کی برکت سے کہ تو نے اس پر اپنی رحمت کرکے اس کو نوازا ہے میری

مرا یاد کند آں بندہ مقرب و مکرم واکہ اے بندۂ خدا و ولی وے شفاعت کن مرا و بخواہ از خدائے تعالیٰ مطلوب مرا تا قضا کند حاجت مرا پس نیست بندہ درمیان مگر وسیلہ و قادر و معطی و مسئول پروردگار است تعالیٰ شانہٗ و دروے ہیچ شائبہ شرک نیست چنانکہ منکر وہم کردہ و آں چناں است کہ توسل و طلب دعا از صالحان و دوستان خدا در حالت حیات کند و آں جائز است بالاتفاق. پس آں چرا جائز نباشد و فرقے نیست در ارواح کاملان در حین حیات و بعد از ممات مگر در ترقی کمال اھ (فتاویٰ عزیزی ج۲ صفحہ ۱)

{حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے یہ پوری عبارت مائۃ مسائل صفحہ ۳۶، صفحہ ۳۰ میں نقل کی ہے}

حاجت کو پورا کرے یا یوں ندا بلند کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور برگزیدہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے ولی، میرے حق میں آپ سفارش کریں اور اللہ تعالیٰ سے میرے مطلوب کے پورا کرنے کی التجاء کریں تاکہ وہ میری حاجت کو پورا کرے۔ سو اس صورت میں بندہ درمیان میں صرف واسطہ ہے۔ قادر دینے والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے اور اس صورت میں شرک کا شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا جس طرح منکر کا وہم ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور نیک بندوں سے ان کی زندگی میں کوئی توسل کرے اور دعا کی درخواست کرے اور یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ پس ایسا توسل بعد از وفات کیوں جائز نہ ہوگا؟ اور کامل لوگوں کی ارواح میں زندگی اور موت کے بعد کوئی فرق نہیں بجز اسکے کہ مرنے کے بعد کمال میں مزید ترقی ہو جاتی ہے۔

ایک طرف ان حضرات کی تحقیق ملاحظہ کریں اور دوسری طرف مؤلف ندائے حق کی سُنیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔ "آمدم بر سرِ مطلب توسّل بذات المیت یا بدعاء المیت یا بذات النبیؐ بعد الوفات کو یا حرام کہنا پڑے گا یا سکوت اختیار کرنا پڑے گا۔ بلا کھٹک کھلے طور پر کسی شرعی قاعدہ کی رُو سے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا اھ (ص ۱۴۹) مطلب بالکل واضح ہے کہ اکابر کی ایک نہیں سُننی، اپنی مرضی کرنی ہے۔

(ن) جو حضرات سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ مُردے دُور دراز سے بھی سُنتے ہیں۔ وہ صرف اس کے قائل ہیں کہ قبر کے پاس اگر سلام و کلام کیا جائے تو وہ سُنتے ہیں۔ دُور دراز سے عدمِ سماع پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ دُور سے سُننے کا مسئلہ غیر اللہ کے بارے میں عقیدہ علمِ غیب اور حاضر و ناظر پر متفرع ہے اور ان کا کفر ہونا واضح دلائل سے اپنی جگہ پر ثابت ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے ازالۃ الریب اور تبرید النواظر وغیرہ میں ان پر مبسوط بحث کر دی ہے اور دُور دراز سے بزرگوں کی رُوحوں کو حاضر سمجھنا اور ان کے لئے لوگوں کے حالات کا علم ثابت کرنا حضرات فقہاء کرام اور خصوصاً حضرات فقہاء احناف رحہ کے ہاں صریح کفر ہے۔ چنانچہ علامہ زین العابدین الحنفی رحہ (المتوفی ۹۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

قال علماء نا من قال ارواح | ہمارے علماء نے تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص یہ

المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر — کہے کہ بزرگوں کی ارواح حاضر ہیں اور
(البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۴ طبع مصر) — وہ جانتے ہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔

اور اسی کے قریب الفاظ ہیں امام حافظ الدین محمد بن محمد الخوارزمی الحنفی رح (المتوفی ۸۲۷ھ) کے (ملاحظہ ہو فتاویٰ بزازیہ علیٰ ہامش الہندیہ طبع مصر ج ۶ ص ۳۲۶) اور نیز حضرت مولانا محمد عبدالحی اللکھنوی الحنفی رح (المتوفی ۱۳۰۴ھ) کے (ملاحظہ ہو مجموعۂ فتاویٰ عبدالحی ج ۱ ص ۳۵ و ج ۳ ص ۸)۔ اس سے معلوم ہوا کہ دور دراز مقامات سے حضرات اولیاء کرام رح اور مشائخ کو پکارنا اور عقیدہ یہ رکھنا کہ وہ ہمارے مصائب و حالات سے واقف ہیں اور ہمارے پاس حاضر و ناظر ہیں، کفر ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قریب و بعید اور دور و نزدیک کے اس بنیادی اور واضح فرق کو نظر انداز کر دینا (جیسا کہ مؤلف شفاء الصدور اور ندائے حق نے کیا ہے۔ مؤلف مذکور ص ۱۰۶ کا بقیہ صح میں لکھتے ہیں۔ "پھر مُردے کا سماع ثابت کرنا یہ ندا للغیب نہیں تو کیا ہے؟" بلفظہٖ) اور خلط مبحث کرنا اہل علم کی شان کے سراسر خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اختلافی مسائل میں محل نزاع سمجھنے کی توفیق بخشے۔

غائبانہ پکار: اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی بھی ہستی کے بارے یہ عقیدہ رکھ کر اس کو پکارنا کہ دور دراز سے وہ ہماری پکار سنتی اور ہماری حاجت روائی کرتی ہے، ممنوع اور شرک ہے۔ اور اگر کوئی شخص یا رسول اللہ کے الفاظ مدد طلب کرنے کے لئے بولتا ہے تب بھی شرک ہے۔ ہاں اگر یہ

الفاظ محبت اور عقیدت کے طور پر اس طور پر پیش کرتا ہے کہ یہ بھی فی الجملہ درود شریف کے الفاظ ہیں اور فرشتے ان کو آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کردیں گے تو درست اور صحیح ہے۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب الحنفی رح (المتوفی ۱۲۶۲ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

سوال بست و چہارم اگر اہلِ مشرق بگویند یا رسول اللہ یا اولیاء اللہ و اگر اہلِ مغرب بگویند یا رسول اللہ بر ینہا شرع چہ حکم فرماید مشرک یا کافر یا گناہ صغیرہ یا کبیرہ یا مکروہ یا حرام؟

جواب۔ در ندا کردن غائب میان نبی و غیر نبی فرق است۔ اگر نبی را ندا خواہد نمود برائے ایصال صلوٰۃ یا سلام ظاہراً جواز است بدو جہت یکے آنکہ در حدیث شریف وارد است کہ ملائکہ از طرف حق تعالیٰ مقرر اند ہر کہ بر نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوٰۃ یا سلام می فرستد ملائکہ نزد پیغمبر صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم می رسانند۔ دوم آنکہ در التحیات خطاب برائے رسانیدن سلام وارد شدہ

چوبیسواں سوال اگر اہلِ مشرق کہیں یا رسول اللہ یا اولیاء اللہ اور اسی طرح اہلِ مغرب یا رسول اللہ کہیں۔ شریعت ان پر کیا حکم لگاتی ہے؟ وہ لوگ مشرک ہیں یا کافر ہیں یا یہ گناہ صغیرہ یا کبیرہ ہے؟ یا مکروہ یا حرام ہے؟

جواب۔ غائب کے ندا کرنے میں نبی و غیر نبی کا فرق ہے۔ اگر کوئی نبی کو ندا کرتا ہے صلوٰۃ و سلام کے پہنچانے کے طور پر تو ظاہراً یہ جائز ہے دو وجہ سے۔ اوّل یہ کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے مقرر ہیں جو شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات کے لئے صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہے فرشتے اسکو آپ تک پہنچا دیتے ہیں

پس بنا بریں اگر کسی یا رسول اللہ بگوید برائے رسانیدن درود یا سلام جائز است و درحق دیگر اشخاص سوائے نبی ایں قسم وارد نشدہ پس ندا درحق غیر نبی ممنوع است و محظور خواہد بود بدلیل عموم آیات و نصوص قرآنی کہ تلاوت نمودہ خواہد شد و اگر غیر خدا را بایں اعتقاد میگوید کہ ہر وقت کہ من ندا می کنم او می شنود و یا قدرت در انجاحِ حاجات می دارد یا در عالم متصرف است یا شرکت تدبیر در کارخانجات الٰہی میدارد پس درایں صورت شریک گردانیدن است بخدا۔ برائے دفع ایں امر پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث شدہ ہیچکس را در علم غیب و قدرت مطلقہ و تصرف در امور عالم شریک با خدائے تعالیٰ نباید ساخت پس ایں قسم ندا کردن غیر خدا را موجب شرک و کفر است

دوسرے یہ کہ اَلتَّحیات میں سلام کے پہنچانے کے لئے (اَلسَّلَامُ عَلَیکَ کے ساتھ) خطاب وارد ہُوا ہے پس اس بنا پر اگر کوئی شخص درود و سلام پہنچانے کی غرض سے یا رسول اللہ کہتا ہے تو یہ جائز ہے اور نبی کے علاوہ اور لوگوں کے بارے اس طرح وارد نہیں ہُوا اسلئے ایسی ندا غیر نبی کے لئے ممنوع ہے اور اس سے روکنا چاہئے اس لئے کہ قرآن کریم کی عمومی آیات اور نصوص جنکی تلاوت کی جائیگی وہ اس نہی کی دلیل ہیں اور اگر کوئی شخص غیر خدا کو اس اعتقاد سے پکارتا ہے کہ جب بھی میں ندا کروں گا وہ سُنتے ہیں یا حاجات پوری کرنے کی قدرت رکھتے ہیں یا جہان میں متصرف ہیں یا کارخانہ خداوندی میں تدبیر کی شرکت رکھتے ہیں سو ایسی صورت میں غیر خدا کو خدا تعالیٰ کا شریک بناتا ہے اور اسی چیز کے مٹانے کے لئے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے کہ کسی کو بھی علم غیب اور قدرت مطلقہ اور جہان کے کاموں

چنانچہ آیاتِ قرآنی واحادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وروایات فقہیہ برانیہا دال اند اھ۔ (مأتہ مسائل ص۳۳ مطبع)

(ترجمہ) کے تصرف میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بنایا جائے سو غیر خدا کو اس طرح ندا کرنا موجب شرک وکفر ہے چنانچہ قرآن کریم کی آیات اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث اور فقہی روایات اس پر دلالت کرتی ہیں الخ۔

اس کے بعد انھوں نے اس مضمون کی آیات، احادیث اور فقہی عبارات نقل کی ہیں۔

(د) اختلافی مسائل میں ائمہ دین رح اور علماء اسلام کا یہ طریق چلا آرہا ہے کہ وہ اس پہلو کو جو ان کے نزدیک راجح ہوتا ہے دلائل وبراہین سے مبرہن کر دیتے ہیں اور علمی اور تحقیقی طور پر دوسرے فریق کو متانت سے جوابات دیتے ہیں لیکن نہ تو ان کی تکفیر کرتے ہیں اور نہ نفس مسئلہ کے نزاع واختلاف کا انکار کرتے ہیں لیکن مسلم قوم کی بدبختی اور قیامت کی نشانیوں میں ایک نشانی اعجاب کل ذی رأی برأیہ بھی ہے اور اسی کے مطابق مؤلف ندائے حق وغیرہ کا انداز ہی سب سے نرالا ہے۔ پہلے تو انھوں نے مسئلہ سماع موتی کے اختلافی ہونے کا سرے سے انکار کیا اور پھر جو حضرات ان کے ساتھ شریک نہیں بجبر اور سینہ زوری سے اُن کو اپنی کاغذی کشتی پر سوار کرکے اپنا ہمنوا کر دکھایا جو ہرگز ان کے ساتھ نہیں (جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے) اور عدم سماع موتی کا تو قصہ ہی چھوڑیے اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب سے طلب شفاعت کو بھی بیک جنبش قلم شرک قرار

دے دیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اختلافی مسائل میں یہ طریقہ علم و انصاف سے کوسوں دور ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کی بعض عبارتیں بطور نمونہ عرض کر دیں تاکہ قارئین کرام ان کی علمی تحقیق اور دیانت اور فقاہت فی الدین کا بخوبی اندازہ لگا سکیں۔

(۱) الاستفتاء: آپ کیا فرماتے ہیں سواتی برادران (یعنی ابوالزاہد محمد سرفراز و صوفی عبدالحمید۔ صفدر) اس بارے میں کہ جو شخص انبیاء کو خصوصاً نبی اکرم صلعم کو قبر کے پاس جا کر پکارے اور کہتا ہے:۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ادع اللہ لی یارسول اللہ اسئلک الشفاعۃ واتوسل بک الی اللہ فی ان اموت مسلما علی ملتک وسنتک السلام علیک یارسول اللہ من فلان بن فلان (بین السطور لکھتے چلو علم غیب بھی ثابت ہوگیا معلوم نہیں کہ کسی کے پیغام پہنچانے سے علم غیب کیسے ثابت ہوگیا؟ صفدر) ینفع بک الزیارۃ وغیر ذلک وہ کیا مشرک ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا حسین علی رح نے تو امام ابن تیمیہ رح کے حوالہ سے لکھا ہے وہ مشرک ہیں اھ (بلفظہ ندائے حق ص۲۹۵، ص۲۹۶)۔

الجواب: یہ جتنے الفاظ ہیں یہ سب حضرات فقہاء احناف رح وغیرہم کے ہیں جو مختلف عبارات سے درج ذیل کتابوں میں ہیں۔

فتح القدیر ج۲ ص۳۳۶۔ فتاویٰ عالمگیری طبع مصر ج۱ ص۲۶۴۔ نور الایضاح طحطاوی ص۴۰۳۔ کتاب الاذکار ص۱۸۴۔ شرح شفاء لعلی القاری رح ج۲ ص۱۵۰

زبدۃ المناسک صنہ مولانا گنگوہیؒ اور فتاویٰ رشیدیہ (جس کے حوالے پہلے گزر چکے ہیں) وغیرہ جن کے باقاعدہ حوالے تسکین الصدور میں درج ہیں۔ یہ سواتی برادران کی ایجاد نہیں بلکہ یہ حضرات فقہاء کرام رح کے فرمودات ہیں اور امام ابن تیمیہؒ اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رح نے جس پکارنے کو شرک لکھا ہے وہ بالکل بجا اور درست ہے کہ صاحب قبر سے اپنی حاجت اور مُراد طلب کرے صاحب قبر سے مُراد مانگنے کا اور اس کی دُعا اور توسّل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مُراد مانگنے کا اصولی طور پر فرق ہے جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگردوں اور متوسلین نے بلا آخر اس مسئلہ میں شدت اور غلو سے بھی کام لیا ہے اور دُوسرے حضرات ان کی رائے کے پابند نہیں ہیں۔

بے مثل جواب

مؤلف ندائے حق نے حضرات فقہاء کرامؒ کی واضح عبارات کا جو جواب دیا ہے وہ قابلِ دید ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔ "بس ہم اب آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جتنی کتابوں میں یہ مسئلہ قبر پر حضورؐ سے دُعاء استغفار استشفاع کا جو معتبر کتب میں لکھا جا چکا ہے وہ باغیوں کا لکھا ہُوا ہے اور بس"۔ (انتہیٰ بلفظہ ندائے حق صنہ ۳۱۱)۔

حضرات علماءِ کرام اور طلبۂ عظام نے روایتی اور درایتی، عقلی اور نقلی بے شمار جوابات ملاحظہ فرمائے ہوں گے لیکن مؤلف ندائے حق کا یہ انوکھا اور نرالا

اور مجددانہ جواب ان کے معلومات میں اضافہ کرے گا۔ جو اس قابل ہے کہ اس کو سنہری حروف میں لکھ کر چڑیا گھر کے بڑے گیٹ پر آویزاں کیا جائے کہ انسانوں کے علاوہ بلبلیں اور طوطے وغیرہ جانور بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

قارئین کرام! اندازہ فرمائیں کہ جب ایسی معتبر کتابوں میں باغی گھس گئے (جو ممکن ہے کوریا یا ویتنام سے آئے ہوں یا ماؤ ماؤ سے تعلق رکھتے ہوں) تو پھر ان درسی، مشہور اور متداول و معتبر کتابوں کا خدا ہی حافظ ہے۔ نہ معلوم ان میں باغیوں نے کیا کیا شگوفے کھلائے ہوں گے۔ ہاں اگر یہ حوالے فتاویٰ عزائب (یا الغرائب فی تحقیق المذاہب) کے ہوتے تو پھر کیا مجال ہے کہ باغیوں کو اس میں گھسنے کا موقع مل سکتا ہو، مگر شومئے قسمت کہ یہ تو فتح القدیر، عالمگیری، نور الایضاح وغیرہ معتبر کتابوں کے حوالے ہیں۔ پھر یہ کتابیں باغیوں کی دست برد سے کیسے اور کیونکر بچ سکتی ہیں۔ شائد مؤلف مذکور دل ہی دل میں ترتال سے یہ پڑھتے ہوں گے۔

تیرا جواب تو میں تھا میرا جواب نہ تھا۔

سبحان اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(۲) نیز جو شخص بہاول حق یا معین الدین اجمیری یا داتا گنج بخش یا شیخ عبد القادر جیلانی رح کو دور و نزدیک سے پکارے وہ مشرک ہے یا نہیں؟ اگر مشرک ہے تو اس میں کیا فرق ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور ابوبکر و عمر کو پکارے تو موحد، اگر ان تین کے علاوہ اوروں کو پکارے تو مشرک؟ یا نزدیک و دور کا فرق کرتے ہو تو پھر فرمائیے کہ

جو حضرت اسمٰعیلؒ کی مزار پر کھڑے ہو کر پکارے یا لات بزرگ کی قبر پر کھڑے ہو کر پکارے اور دعا مانگے کہ خدا پاک سے میرے حق میں سوال کرو کہ میرا فلاں کام ہو جائے، یہ شرک تھا یا نہ۔ اھ صفحہ ۲۹۹

پہلے فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع عند القبر میں کسی کا اختلاف نہیں۔ لہٰذا آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیگر بزرگوں کے ساتھ اس سوال میں شریک کر کے اس کا فرق پوچھنا نری جہالت ہے۔ پھر پکارنے کا یہ معنی کرنا کہ دعا مانگے کہ خدا پاک سے میرے حق میں سوال کرو الخ۔ سماع موتیٰ کے قائلین کے ہاں درست اور صحیح ہے اور منکرین کے ہاں لغو ہے جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے اور اس طرح سے دعا کرانا شرک نہیں ہے جیسا کہ فتاویٰ عزیزی کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے۔ باقی دور و نزدیک کا فرق اس مسئلہ میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے کما مر اس سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر دینا کسی بھی ذی عقل و شعور کو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ ہاں مجذوبوں کا معاملہ ہی جدا ہے۔

(۳) اب اگر قبر کے پاس جا کر صلحاء شہداء صدیقین اور انبیاءؑ کو پکارنا اور ان کا شفعائنا عند اللہ ہونا محقق اور ثابت ہوتا اور یہ اعتقاد شرک نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ استثناء فرما دیتے۔ لیکن اس اہم استثناء سے خدا کے سکوت کی

کیا وجہ ہے؟ پھر اس قسم کی احادیث متواتر یا مشہور کیوں نہیں؟ پھر صحاح ستہ والوں نے کیوں نہیں لیا اھ صف ۲۹۹

اس استدلال میں مؤلف مذکور نے جس سطحی ذہن سے کام لیا ہے اس کا علم و تحقیق سے کوئی واسطہ ہی نہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا بلاوجہ حجم بڑھانے اور وقت پاس کرنے کے لئے یہ دلیل پرویز صاحب یا ان کے کسی خوشہ چین سے مستعار لی ہے۔ مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کسی سے رائے لینے کا محتاج نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ بیان اور ارشاد فرمایا ہے وہ بالکل بجا ہے۔ معاملہ صرف سمجھنے کا ہے۔ غائبانہ طور پر کسی کو سفارشی بنانا تو اس شفعاؤنا عند اللہ کی مد میں آتا ہے لیکن زندگی میں کسی کو دعا کے لئے سفارشی بنانا یا بعد از وفات قبر کے پاس سے کسی سے دعا کی درخواست کرنا و علی الخصوص حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے طلب شفاعت کرنا اس مد میں نہیں آتا۔ اگر یہ اس آیت کا مصداق ہوتا تو یہ آیت کریمہ حضرات فقہاء کرام رح کے سامنے بھی تھی جنھوں نے ایمان و تقویٰ کی دولت کے ساتھ دین کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کی ہے وہ ہرگز عند القبر شفاعت اور توسل کی اجازت نہ دیتے۔ اور بڑے بڑے ائمہ کرام رح اور علماء ملت جو سماع موتیٰ کے قائل ہیں، بزرگانِ دین کی قبور پر دعا کی اجازت نہ دیتے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نزدیک سے طلبِ سفارش اور دعا کرانا اس آیت کے مفہوم

میں ہرگز شامل نہیں ہے اور نہ شرک ہے۔ شرک اسی صورت میں ہے کہ دور سے پکار روائی کی جائے جس سے علم غیب اور حاضر و ناظر کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے جو شرک کی جڑ اور بنیاد ہے۔ پھر مؤلف مذکور کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ بے شمار حلال و حرام اور عبادات و احکام وغیرہ کے مسائل ایسے ہیں جو قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور مشہورہ سے ثابت نہیں ہیں اور نہ صحاح ستہ والوں نے ایسی احادیث کی تخریج کی ہے لیکن حضرات فقہاء کرام رح اور محدثین عظام رح ان پر بھی کاربند ہیں اور صحاح ستہ سے خارج اور بیرج حدیثوں کو بھی وہ لیتے ہیں جو اصول اور قواعد کے مطابق صحیح ہیں اور ان کو وہ مسترد نہیں کر دیتے۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ یہ مسئلہ سواتی برادران کی ایجاد و اختراع نہیں ہے بلکہ سواتی برادران دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی حضرات فقہاء کرام رح اور اپنے اکابر کے دامن سے وابستہ اور ان کے خوشہ چین ہیں سے

اولٰئك آبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

حضرات فقہاء کرام رح کے اس فتویٰ کی اصل

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلب دعا اور استشفاع نہ فرض ہے اور نہ واجب اور نہ سنت مؤکدہ بلکہ حضرات فقہاء کرام رح کے فتویٰ کے رُو سے صرف جائز ہے۔ اس میں بھی بعض فقہاء کرام رح کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رح اور اس مسئلہ میں

ان کے پیروکار اور بعض دیگر حضرات جواز کے بھی قائل نہیں ہیں۔ باقی حنفی، مالکی اور شافعی وغیرہ مسلک والے حضرات اکثر اس کے جواز کے قائل ہیں اور ظاہر بات ہے کہ ایسے فروعی مسئلہ کے لئے کسی قطعی دلیل کی ضرورت بھی نہیں ہوتی بلکہ فی الجملہ اس کا جواز مطلوب ہوتا ہے اور اس کا اصل جواز حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے ہے جس پر خلیفۂ راشد حضرت عمر رضؓ کی مہرِ تصدیق ثبت ہے۔ واقعہ یوں ہوا کہ حضرت عمر رضؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا اور اس کی وجہ سے بے حد تکلیف پیش آئی۔ گاؤں کا رہنے والا ایک شخص (اعرابی) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور آپ سے درخواست کی کہ حضرت آپ کی امت نہایت تکلیف میں ہے اور اس کی ہلاکت اور بربادی کا خطرہ ہے۔ آپ اللہ تعالےٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائے۔

آپ کی قبر مبارک کے پاس دعا کر کے یہ شخص چلا گیا۔ رات کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اس شخص سے ملے اور یہ فرمایا کہ عمر رضؓ کے پاس جاؤ اور اس سے میرا سلام کہو اور یہ خبر دے دو کہ انشاء اللہ تعالیٰ بارش ہوگی اور عمر رضؓ سے کہہ دو کہ وہ عقلمندی کو لازم پکڑے۔

صبح ہوئی تو وہ شخص حضرت عمر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب کا یہ سارا ماجرا اُن کو سُنا دیا۔ یہ خبر سُن کر (مارے خوشی کے) حضرت عمر رضؓ رو پڑے اور فرمایا: کہ میرے رب جو چیز میرے بس میں ہے اسکے بارے میں تو کبھی میں نے کوتاہی نہیں

کی۔ (محصلہ طبری ج ۴ صفحہ ۹۹۔ البدایہ و النہایہ ج ۷ صفحہ ۹۰۔ شفاء السقام صفحہ ۱۳ اور وفاء الوفا ج ۲ صفحہ ۴۲۱) اور یہ روایت ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب رح نے اپنی کتاب تحریراتِ حدیث صفحہ ۴۵ میں بھی نقل کی ہے۔ طبری ج ۴ صفحہ ۹۹ اور البدایہ والنہایہ وغیرہ کتابوں میں تصریح موجود ہے کہ خواب دیکھنے والے یہ اعرابی بزرگ حضرت بلال رض بن الحارث المزنی (المتوفی ۶۰ھ) جلیل القدر اور مشہور صحابی تھے۔ انھوں نے جس وقت یہ خواب حضرت عمر رض کے سامنے پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں تمہاری طرف جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کا سفیر اور قاصد ہوں تو حضرت عمر رض نے فرمایا کہ یہ خواب تم نے کب دیکھا؟ فرمایا (البارحۃ) کہ گزشتہ رات پھر حضرت عمر رض نے یہ واقعہ حضرات صحابہ کرام رض کے مجمع کے سامنے پیش کیا۔

فقالوا صدق بلال رض (طبری والبدایہ والنہایہ وغیرہ) تو انھوں نے کہا کہ بلال رض سچ کہتے ہیں۔

یہ واقعہ ۱۷ھ کے آخر یا ۱۸ھ کی ابتداء کا ہے (طبری و البدایہ) اور مؤرخ عبدالرحمن بن خلدون رح (المتوفی ۸۰۸ھ) اس کو حتمی طور پر ۱۸ھ کا بتاتے ہیں (ابن خلدون ج ۲ صفحہ ۱۹۹) حافظ ابن کثیر رح۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رح اور علامہ سمہودی رح تینوں بزرگ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (البدایہ والنہایہ ج ۷ صفحہ ۹۲ و فتح الباری ج ۳ صفحہ ۱۴۵ و وفاء الوفاء ج ۲ صفحہ ۴۲۱) حافظ ابن کثیر رح وغیرہ نے اس کی پوری سند بھی نقل کی ہے۔ اس صحیح روایت سے مؤلف ندائے حق کا یہ مطالبہ

بھی پورا ہو گیا کہ آپ اپنے مطالعہ کے زور سے ذخیرۂ احادیث میں سے ایک حدیث ایسی دکھادیں جس میں یہ ہو کہ صحابہ کرام بعد وفات النبی آپ سے استشفاع واستغفار کراتے تھے۔ اھ (ندائے حق صلا۱۳) الغرض یہ واقعہ صحیح سند کے ساتھ تاریخِ اسلام کی ان معتبر کتابوں میں باسند مذکور ہے جن میں احادیث کا خاصا ذخیرہ ہے۔

اس واقعہ اور صحیح روایت سے ذیل کے فوائد صراحت کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں:-

(۱) یہ واقعہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے تقریباً آٹھ سال بعد کا ہے جس میں بکثرت حضرات صحابہ کرام رضی موجود تھے۔

(۲) خواب دیکھنے والا کوئی مجہول اور محض اعرابی اور جنگلی شخص نہ تھا جیسا کہ شفاء الصدور صلا اور اقامۃ البرھان ص۲۹۵ میں ان کو صرف اعرابی کہہ کر گلو خاصی چاہی ہے اور ندائے حق ص۳۰۳ میں تو یہ لکھ کر حضرات فقہاء کرام رح کی پھبتی اڑائی ہے کہ "یہ جمہور کشف خوابیں جنگلیوں کا مذہب آپ ہی کو نصیب ہو" الخ بلکہ یہ واقعہ جلیل القدر اور مشہور صحابی حضرت بلال رض بن الحارث المزنی کا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

(۳) قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر اس طرح طلب دعا اور استشفاع شرک اور بدعت نہیں ورنہ ایک جلیل القدر صحابی یہ کارروائی ہرگز نہ کرتے۔

(۴) یہ واقعہ نرے خواب ہی کا نہیں تاکہ یہ کہہ کر اس کو ٹال دیا جائے۔

جیسا کہ ہمارے کرمفرماؤں نے یہ کیا ہے) کہ خواب پر مدارِ دین نہیں بلکہ اس خواب کو بیداری میں خلیفۂ راشد حضرت عمر رضؓ کی تائید اور تصویب حاصل ہے۔ اگر سُنۃ الخلفاء الراشدین رضؓ کی مَد میں ہو کر اس کارروائی کو سُنت کا درجہ حاصل نہ ہو تو استحباب اور اقل درجہ جواز سے کیا کم ہو سکتا ہے؟ اور حضرات فقہاء کرام رحؒ نے بھی تو جواز ہی کا فتویٰ دیا ہے گو بعض حضرات نے منکرین کے ردِ عمل کے طور پر اس کی تاکید بھی کر دی ہے مگر فرض اور واجب تو نہیں کہا۔

(۵) اس واقعہ کی تائید و تصویب میں تنہا حضرت عمر رضؓ ہی متفرد نہیں بلکہ دوسرے حضرات صحابہ کرام رضؓ نے بھی بلا نکیر اس کی تائید فرمائی ہے۔ فَقَالُوْا صَدَقَ بِلَالٌ رضؓ۔

(۶) یہ واقعہ کسی نص اور شرعی قاعدہ سے متصادم نہیں ہے۔ اگر اس سے کسی نص یا کسی شرعی اصل پر زد پڑتی تو حضرات صحابہ کرام رضؓ اور علی الخصوص حضرت عمر رضؓ اس کو رَد کر دیتے اور یہ فرما دیتے کہ یہ واقعہ قرآنِ کریم کی فلاں اور فلاں آیت یا آیات کے خلاف ہے اس لئے یہ قابلِ قبول نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح قرآن کریم کی سمجھ اُن حضرات کو حاصل تھی وہ بعد میں آنے والوں کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔ جب حضرات صحابہ کرام رضؓ نے اس واقعہ کو قرآن کریم کی کسی نص کے خلاف نہیں سمجھا تو سمجھ لیجئے کہ اب اگر کوئی شخص اس واقعہ کو قرآن کریم کی کسی نص کے خلاف سمجھتا یا بتاتا ہے تو یقیناً وہ غلطی پر ہے اور اسکا نظریہ قابلِ قبول نہیں ہے۔

(۷) اور اس واقعہ کی صحت کے لئے اُمت کی اکثریت کا تعامل بھی ایک واضح قرینہ ہے جس پر ہر مسلک اور ہر طبقہ سے متعلق کروڑوں حضرات اب تک اس پر عمل پیرا ہیں اور حضرات فقہاء کرام رح کا فتوائے جواز بھی ساتھ شامل ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ع

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

اعتراض: مؤلف ندائے حق راقم کی "لیف راہِ سنت کی متعدد عبارات سے بزورِ اپنا مطلب کشید کرتے ہوئے اور اپنے حواریوں کو خوش کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ "حضرت شاہ محمد اسمعیل رح صاحب شہید فرماتے ہیں، متبادر از لفظِ سیرت کہ مضاف بقومے باشد ہمیں است کہ آں سیرت در ایشاں مُروّج باشد نہ آنکہ کسے از ایشاں بطریق ندرت بر آں سیرت باشد۔ (آگے چل کر فرماتے ہیں) نیز بفتوائے رأس العلماء (راقم کے پاس جو نسخہ ہے اس میں رئیس العلماء کے الفاظ درج ہیں۔ صفدر) حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ کہ استمداد بمعنی طلبِ دعا از اموات از جنس بدعات شمردہ اند باوجود آنکہ صاحبِ استیعاب روایت کردہ کہ در زمانِ حضرت عمر رض اعرابی طلبِ دعاء استسقاء از مزارِ مبارک جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نمودہ پس باوجود تحقیق ایں امر مذکور در آں قرن بنا بر آنکہ مروّج دراں قرن نہ گردیدہ از بدعات شمردہ اند (ایضاح الحق الصریح فی احوال المیت والضریح صفحہ ۶ صفحہ (و مع ترجمہ اُردو صفحہ ۱۳) ندائے حق صفحہ ۱۱۹)

الجواب: اس واقعہ کو بدعت کہہ کر اس سے دستگاری حاصل کرنا درست نہیں ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ یہ واقعہ نرے اعرابی کا نہیں ہے بلکہ اس کو بلانکیر حضرات صحابہ کرام رضہ اور بالخصوص حضرت عمر رضہ کی تائید حاصل ہے۔ بکیا حضرات صحابہ کرام رضہ کا یہ واقعہ سن کر اس کی تصدیق وتائید کرنا اور خلیفۂ راشد حضرت عمر رضہ کی تصویب بدعت ہو گی؟ وثانیاً جس طرح حضرت عمر رضہ نے رمضان مبارک میں مسجد نبوی کے اندر الگ الگ جماعتوں میں نماز تراویح پڑھنے والوں کو ایک ہی قاری اور امام پر جمع کر دیا تھا اور پھر یہ ارشاد فرمایا تھا: نعمت البدعۃ ھٰذہٖ یعنی یہ بدعت اور ایجاد کیا ہی اچھی ہے۔ ظاہر امر ہے کہ اس مقام پر لفظ بدعت صرف لغوی طور پر بولا گیا ہے اسی طرح اس عبارت میں بھی بدعت سے نو ایجاد مراد ہے نہ کہ وہ شرعی بدعت جس کی تردید احادیث صحیحہ اور شرعی دلائل سے ثابت ہے۔ کیونکہ اگر یہ شرعی بدعت ہوتی تو حضرات صحابۂ کرام رضہ اور خلیفۂ راشد رضہ اس کی ہرگز تائید و تصویب نہ فرماتے۔ اُن کی تائید ہی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ بدعت لغوی ہے نہ کہ شرعی۔ وثالثاً ایسا لگتا ہے کہ حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہید رح نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رح کی اصل عبارت (یہ بات تحریر فرماتے وقت) ملاحظہ نہیں کی بلکہ اپنے حافظہ پر بھروسہ کر کے ان کا حوالہ دے دیا ہے۔ ہم حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رح کی اصل عبارت مع ترجمہ عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:-

سوال:- از انبیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام و اولیاء کرامؒ و شہداء عظام و
صلحاء عالی مقام بعد موت ایشان
استمداد بایں طور کہ یا فلاں از حق
تبارک و تعالیٰ حاجت مرا بخواہ و
شفیع من شو و دعا برائے من بخواہ
درست است یا نہ؟

جواب:- استمداد از اموات
خواہ نزدیک قبور باشد یا غائبانہ
بے شبہ بدعت است۔ در زمان
صحابہؓ و تابعینؒ نبود لیکن اختلاف
است در آں کہ بدعت سیئہ است
یا حسنہ؟ و نیز حکم مختلف می شود
باختلاف طرق استمداد اگر استمداد بایں
طریق است کہ در سوال مذکور است
پس ظاہراً جواز است زیرا کہ دریں
صورت شرک نمی آید مانند استمداد

سوال:- حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام و اولیاء کرام و شہداء عظام و صلحاء
عالی مقام سے بعد وفات کے اس طور سے
استمداد درست ہے یا نہیں کہ اے فلاں
بزرگ اللہ تعالیٰ سے میری حاجت روائی
کے لئے آپ عرض کریں اور میری سفارش
کریں اور میرے لئے دعا کریں۔

جواب:- استمداد اموات سے بلاشبہ
بدعت ہے خواہ قبر کے پاس استمداد کی
کی جائے یا غائبانہ ہووے۔ صحابہؓ اور
تابعینؒ کے زمانے میں یہ امر نہ تھا لیکن
اس میں اختلاف ہے کہ استمداد کرنا بدعت
حسنہ ہے یا بدعت سیئہ ہے اور طریقہ
استمداد کے مختلف ہونے سے استمداد کے
بارہ میں حکم بھی مختلف ہوتا ہے تو اگر استمداد
اس طریقے سے کیا جاوے جو سوال میں مذکور
ہے تو ظاہراً جائز ہے اس واسطے کہ اس صورت

از صلحاء بدعا و التجاء در حال حیات واگر
بنوعِ دیگر است پس حکم آن موافق آن
خواہد بود و در حدیث برائے روان شدن
حاجت ایں قدر آمدہ است عن عثمان
بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ قال
ان رجلاً ضریر البصر اتی النبی
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال
ادع اللہ ان یعافینی فقال ان
شئت صبرت فهو خیر لك قال
فادعہ قال فامرہ ان یتوضأ
فیحسن الوضوء ویدعو بهذا
الدعاء اللهم انی اسئلك و اتوجه
الیك بنبیك محمد نبی الرحمة
انی اتوجه بك الی ربی لیقضی لی حاجتی
هذه اللهم فشفعه فی رواه الترمذی
وکذا فی المشکوٰۃ (فتاوٰی عزیزی
فارسی ج ا ص۸۸ و ص۸۹)

میں شرک لازم نہیں آتا جیسا کہ بزرگوں سے
بحالتِ حیات استمداد کرنا اس طور سے جائز
ہے کہ ان سے عرض کیا جائے کہ درگاہِ الٰہی میں
میری حاجت روائی کے لئے آپ دعا و التجا کریں اور
اگر اموات سے استمداد کسی دوسرے طریقے سے
ہو تو اس طریقے کے موافق حکم ہوگا اور حدیث شریف
میں حاجت روائی ہونے کے لئے اس قدر آیا ہے
یعنی روایت ہے حضرت عثمان بن حنیف رض سے کہ
ایک شخص نابینا خدمت میں پیغمبر صلے اللہ تعالٰی علیہ و
سلم کی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ دعا کریں اللہ تعالٰی
سے اس واسطے کہ اللہ تعالٰی مجھ کو شفا بخشے تو آنحضرت
صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہاری خواہش
ہو تو دعا کروں اور اگر تم چاہو تو صبر کرو اور یہ تمہارے
لئے بہتر ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ دعا کریں
تو آنحضرت صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ
وضو کرو اور احتیاط سے وضو کرو اور یہ دعا کرو۔
اللّٰھم آخر حدیث تک یعنی اے پروردگار سوال

کرتا ہوں تجھ سے اور متوجہ ہوتا ہوں تیری جانب بذریعہ
حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ آنحضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث رحمت کے لئے ہوئے ہیں
میں متوجہ ہوا آپ کے ذریعے سے اپنے پروردگار
کی طرف تاکہ پروردگار میری یہ حاجت پوری فرما دیوے
اے پروردگار آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ روایت کیا
اس کو ترمذی نے اور ایسا ہی مشکوٰۃ شریف میں
ہے۔ (ترجمہ اردو فتاویٰ عزیزی ۱۲۰ حصہ ۱ ملخصاً)

اس تفصیلی عبارت سے معلوم ہوا کہ استمداد کا جو طریقہ سوال میں مذکور ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رح اس کو جائز کہتے ہیں۔ جب یہ صورت ان کے نزدیک جائز ہے تو پھر یہ بدعت سیئہ کیسے ہوگی؟ واضح بات ہے کہ ان کے نزدیک یہ صورت بدعت حسنہ کی ہے اور ہم نے راہِ سنت میں بقدر ضرورت اس پر بحث کی ہے کہ جو حضرات بدعت حسنہ کا اطلاق کسی جائز امر پر کرتے ہیں تو وہ چیز اصل میں جائز اور ثابت ہوتی ہے۔ صرف تعبیر کا فرق ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن الحارث کا یہ واقعہ حضرت شاہ صاحب رح کے پیشِ نظر نہیں ہے ورنہ وہ بدعت کا لفظ بھی گو حسنہ ہی سہی، ہرگز نہ بولتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن حنیف کی مذکور حدیث کا

ماخذ اور اس کی دیگر روایتی اور درایتی بحث ہم نے تسکین الصدور میں کر دی ہے۔

مسئلہ استشفاع

آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلب مغفرت کی سفارش کرانے کا ثبوت بہت سے حضرات فقہاء کرام رحمہ سے ثابت ہے (جیسا کہ مولانا گنگوہی رح نے اجمالاً ان کے حوالہ سے اس کا جواز نقل فرمایا ہے) اور ذیل کی کتابوں میں (جنکی بقدر حاجت عبارتیں ہم نے تسکین الصدور میں عرض کر دی ہیں) ان کی عبارتیں ملاحظہ ہوں۔ فتح القدیر، فتاویٰ عالمگیری، رسائل الارکان لبحر العلوم رح، وفاء الوفاء، نور الایضاح طحطاوی، لباب المناسک، المسالک المتقسط، کتاب الاذکار للنووی رح، الایضاح فی مناسک الحج لہٗ اور شرح شفا ملا علی ن القاری رح وغیرہ۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :۔

وقد اطبق الائمة الحنفية على سُنيّته زيارة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وزيارة صاحبيه رضي الله تعالىٰ عنهما والسلام عليهم وطلب الشفاعة منهم الخ (المنحة الوهبية ص۱۲ طبع استنبول)	بلاشبہ حضرات ائمہ حنفیہ رح کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور آپ کے دو ساتھیوں (حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض) کی زیارت کرنا اور ان کو سلام کہنا اور ان سے طلب شفاعت کرنا مسنون ہے۔

اس طلب شفاعت کا نہایت اخلاص و عقیدت کے ساتھ ذکر حضرت مولانا گنگوہی رح نے اپنی کتاب زبدۃ المناسک ص۱۴۱ میں بھی کیا ہے۔ فقہی طور پر ایسے فرعی

مسئلہ کے لئے اس سے زیادہ اور کیا ثبوت درکار ہے؟

گلوخلاصی ہمارے کرمفرماؤں نے حضرات فقہاء کرام کی ان صریح عبارات سے رستگاری اور گلوخلاصی کے لئے ایک طریق تو یہ اختیار کیا ہے کہ ان کو قرآن کریم کی ان آیات سے جا ٹکرایا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) جن میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے مگر اہل علم جانتے ہیں کہ عند القبر طلب دعا اور استشفاع کے وہ آیات ہرگز منافی نہیں ہیں۔ اگر استشفاع کی اس صورت میں کسی بھی قرآنی آیت سے تعارض پیدا ہوتا تو حضرات فقہاء کرامؒ کا دینی طور پر نہایت ہی محتاط طبقہ ہرگز اس کی اجازت نہ دیتا۔ یہ طریق محض عوام کو کچھ دکھانے یا الجھانے کے لئے ان حضرات نے اختیار کر رکھا ہے اور مسئلہ زیر بحث سے ان آیات کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسرا مختصر طریق جو انھوں نے اختیار کیا ہے، علم دوست احباب کے سامنے اس کو نہ پیش کرنا بھی ایک گونہ ظلم اور بخل ہوگا۔ مؤلف ندائے حق کا یہ حوالہ مع جواب کے پہلے گزر چکا ہے "بس ہم اب آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جتنی کتابوں میں یہ مسئلہ قبر پر حضورؐ سے دعا استغفار استشفاع کا جو معتبر کتب میں لکھا جا چکا ہے وہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے اور بس" بلفظہٖ۔ اور مؤلف "اقامۃ البرہان" کا جواب بھی اس سے کم درجہ کا نہیں ہے۔ وہ فتاویٰ رشیدیہ کی عبارت کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اگر فتاویٰ رشیدیہ کے مرتب سے

یہاں سہو نہیں ہوا اور یہ الفاظ واقعی حضرت گنگوہی رح ہی کے ہیں تو اسکے بارے میں باادب گزارش ہے کہ اصولی طور پر اس دلیل سے اتفاق مشکل ہے" اھ (اقامۃ البرہان صفحہ ۲۹۴) ۔ عرض ہے کہ یہ عبارت واقعی حضرت گنگوہی رح کی ہے ۔ اس لئے کہ حضرت رح نے زبدۃ المناسک میں بھی ایسا ہی لکھا ہے اور وہ حضرت رح کے اپنے ہاتھ مبارک کی لکھی ہوئی کتاب ہے ۔ اس میں کسی مرتب کا کوئی دخل نہیں ہے"۔ یہ جواب تو فتاویٰ رشیدیہ کی عبارت کا انھوں نے دیا ۔ اب ان کا وہ جواب بھی ملاحظہ کریں جو بقیہ حضرات فقہاء کرام رح کو دیا ہے ۔ "باقی رہا فقہاء کا لکھ دینا تو یہ جواز کے لئے کافی نہیں کیونکہ یہ قول متاخرین کا ہے ۔ اور ان کو مذہب میں ایک نیا قول ایجاد کرنے کی اجازت نہیں ۔ قبر مبارک تو امام ابوحنیفہ رح اور صاحبین رح کے زمانے میں بھی موجود تھی مگر انھوں نے قبر مبارک پر شفاعت مغفرت عرض کرنے کی اجازت نہیں دی اس لئے ان متاخرین کا قول حجت نہیں"۔ اھ (اقامۃ البرہان صفحہ ۲۹۵)

محترم! حضرت بلال رض بن الحارث المزنی اور حضرت عمر رض اور دیگر وہ حضرات صحابہ کرام رض جنہوں نے صدق بلال رض کہہ کر اس واقعہ کی تصدیق کی ۔ یہ تو متاخرین میں سے نہیں ہیں ۔ اور کیا ان حضرات کا قول بھی جواز کے لئے کافی نہیں ہے؟ اور پھر حضرت امام ابوحنیفہ رح اور حضرات صاحبین رح کا مسلک آپ زیادہ جانتے ہیں یا حافظ ابن الہمام رح، حضرت ملا علی بن القاری رح

مرتبین فتاویٰ عالمگیری اور علامہ بحر العلوم رح وغیرہ حضرات؟ اور پھر یہ بھی بتایا جائے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رح اور حضرات صاحبین رح سے بصراحت کس کتاب کے حوالہ سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے قبر مبارک پر شفاعتِ مغفرت عرض کرنے کی اجازت نہیں دی؟ بات تو صرف اتنی ہے کہ ان حضرات نے ایک رائے قائم کر رکھی ہے اور یہ اس کو کسی قیمت پر چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہیں خواہ اس میں ان کی جمہور سے ٹکر ہو یا متاخرین سے، متقدمین سے معرکہ ہو جائے یا دیگر طبقہ کے حضرات فقہاء کرام رح سے۔ خود حضرات فقہاء احناف رح سے اختلاف ہو یا اپنے ہی دیوبندی اکابر سے۔ بہرکیف بقول ان حضرات کے ان کا ان سے اتفاق مشکل ہے۔ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک اعجاب کل ذی رأی برأیہ بھی ہے اور اس پرفتن دور میں ہم نے ایسے بہت سے لوگوں کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ ان لوگوں کا علمی اور تحقیقی طور پر فرض ہے کہ وہ اپنے قائم کردہ اصول کے مطابق متقدمین سے بصراحت یہ ثابت کر دیں کہ عند القبر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صاحبین رض سے استشفاع درست نہیں۔ باقی رہے حافظ ابن تیمیہ رح، حافظ ابن القیم رح، علامہ ابن الہادی رح اور امام ابن رجب رح وغیرہ حضرات، تو ایک تو یہ متاخرین میں شامل ہیں۔ ان کا قول بلا دلیل حجت نہیں، پھر اس مسئلہ میں یہ فریق ہیں لہٰذا مجوزین کے نزدیک ان کی بات حجت نہیں ہے جبکہ وہ جمہور ہیں اور قرآن و حدیث ان کا مستدل ہے۔

توسل اور عند القبور طلب دعاء کا منظم طور پر انکار

خیر القرون سے دور ہونے کے بعد عموماً مسلم قوم قرآن و سنت سے غفلت کی وجہ سے بہت کچھ برائیوں میں مبتلا ہو گئی تھی اور اس میں توحید و سنت کی جگہ شرک و بدعت سرایت کر گئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قبر پرستی کا عام رواج ہو گیا اور جہالت کی وجہ سے کچھ لوگ حضرات اولیاء کرامؒ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنے لگے اور ان کی قبروں پر حاضر ہو کر ان سے مرادیں مانگنے لگے۔ اپنے دور میں قوم کی اصلاح کی خاطر منظم طریقہ پر توسل، استشفاع عند القبور اور زیارۃ القبور کا رد اور انکار حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کے تلامذہ اور متوسلین نے شروع کیا۔ ابتداء میں ان حضرات کے فتوے نہایت نرم اور لہجہ بڑا معقول و موزون تھا اور وہ قبور کے پاس حاضر ہو کر مردوں سے طلبِ دعا کے بارے میں محض اتنا ہی کہتے رہے کہ یہ طریقہ قرآن و سنت اور ائمہ اربعہ رحؒ اور سلف صالحین رحؒ سے ثابت نہیں ہے اور یہ کارروائی ان میں سے کسی نے نہیں کی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس سے آگے بڑھے اور اس طریقہ کو صرف ذریعہ شرک قرار دیا۔ چنانچہ خود امام ابن تیمیہؒ ہی تحریر فرماتے ہیں :-

فنہی اللہ سبحانہ عن دعاء الملائکۃ والانبیاء مع اخبارہ لنا ان الملائکۃ

پس اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرات ملائکہ اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

يدعون لنا ويستغفرون ومع هذا
فليس لنا ان نطلب ذلك منهم كذلك
الانبياء والصالحون وان كانوا احياء
في قبورهم وان قدر انهم يدعون
للاحياء وان وردت به آثار فليس
لاحد ان يطلب منهم ذلك ولم
يفعل ذلك احد من السلف لان
ذلك ذريعة الى الشرك بهم وعبادتهم
من دون الله تعالى بخلاف الطلب
من احدهم في حياته فانه لا
يفضي الى الشرك اھ (القاعدة
الجليلة في التوسل والوسيلة
ص ١٣٩ و ص ١٤٠)

کو پکارنے سے منع فرمایا ہے باوجود اس
خبر دینے کے کہ حضرات ملائکہ علیہم الصلوٰۃ
والسلام ہمارے لئے دعا اور مغفرت
چاہتے ہیں تاہم ہمیں ان سے طلب
کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح حضرات
انبیاء کرام اور صالحین علیہم الصلوٰۃ والسلام
اپنی قبروں میں زندہ ہونے کے باوجود
اور یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ وہ زندوں
کے لئے دعا کرتے ہیں اگرچہ اس کے متعلق
حدیثیں بھی آئی ہیں کسی کو یہ جائز نہیں
ہے کہ ان سے کچھ طلب کرے۔ حضرات
سلف رحمہم اللہ میں سے کسی نے ایسا نہیں
کیا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ان کے
ساتھ شرک کا ذریعہ بن جاتا ہے اور خدا
تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی پوجا ہونے لگتی ہے
بخلاف زندگی میں کسی سے حاجت طلب
کرنے میں کیونکہ یہ فعل شرک کی طرف نہیں لے جاتا

صرفِ نظر اس سے کہ جو حضرات عند القبور طلبِ دُعا کے قائل ہیں وہ بھی دُور دراز مقامات پر غیر اللہ تعالیٰ کو پکارنے کو شرک کہتے ہیں اور اس پکارنے کی نہی کو وہ دُور سے مقید کرتے ہیں تاہم اس عبارت میں حافظ ابن تیمیہؒ ایسی کاروائی کو اپنے خیال میں صرف شرک کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور اس پر عین شرک کا فتوےٰ صادر نہیں کرتے اور دلائل و براہین پر نگاہ رکھتے ہوئے اس سے زیادہ فتوےٰ اس پر لگ بھی نہیں سکتا الّا یہ کہ کوئی جاہل توحید کے زرّین اصُول کو چھوڑ کر دامِ شرک میں مبتلا ہو کر خالص شرکیہ کاروائی شروع کرے تو معاملہ جُدا ہے لیکن جب ان حضرات کے اس مسلک کو بعض علاقوں میں کچھ پذیرائی ہُوئی تو عام مسلمانوں کی طرف سے اس کا شدید ردِ عمل بھی ہُوا۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ کے شاگردِ رشید اور ان کے خیالات و نظریات کے پُرجوش حامی (جو پہلے ان کے شدید مخالف تھے) الشیخ شہاب احمد بن محمد مری الحنبلیؒ نے قاہرہ میں ۷۲۵ھ میں توسل بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسئلہ زیارت کے متعلق اپنے استاد محترم حافظ ابن تیمیہؒ کی حمایت کی تو فقہاءِ وقت نے ان کی سخت مخالفت کی۔ ابن مریؒ کو پیٹا گیا اور قاضی القضاۃ تقی الدین اخنائی المالکیؒ نے ان کو اس بد عقیدگی کے جرم میں قید کی سزا دی۔ کچھ دن قید رہے پھر جلاوطن کر دیئے گئے (ذیل العبر للذہبیؒ حالات ۷۲۵ھ بحوالہ اصلاح الاخوان مؤلفہ سید شیخ داؤد آفندیؒ صفحہ ۹۸ اور امام ابن تیمیہؒ صفحہ ۵۵۲، صفحہ ۶۵۶)۔

اسی طرح جب ۷۲۶ھ میں زیارتِ قبور اور توسّل، وسیلہ اور استغاثہ کے مسئلہ کی وجہ سے ہنگامہ ہوا تو حافظ ابن القیم رح نے اپنے استاد کے خیالات ہی کی پُرزور حمایت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دمشق کی حکومت نے انھیں بھی گرفتار کرکے قید خانہ میں ڈال دیا۔ استاد کی وفات کے بعد ۲۰ ذوالحجہ ۷۲۸ھ کو ان کو قید سے رہائی ملی (امام ابن تیمیہ رح ص۶۴۹، صنہ۶۵ از افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری)

جب ان پر یہ تشدد ہوا تو حافظ ابن تیمیہ رح کی طبیعت میں شدت اور حدت تو تھی ہی، ان کے فتوے میں بھی شدت آگئی اور جس چیز کو پہلے وہ یوں تعبیر کرتے تھے کہ یہ حضرات سلف رح سے ثابت نہیں، یا یہ ذریعۂ شرک ہے۔ اس کارروائی کو وہ آخر میں صریح شرک سے تعبیر کرنے لگے جس کا اثر قدرتی طور پر ان کے تلامذہ اور متوسلین پر بھی ہوا اور یہ حضرات بھی آنحضرت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلبِ دعا اور طلبِ شفاعت کرنے کو صریح الفاظ میں شرک سے تعبیر کرنے لگے۔ چنانچہ حافظ ابن القیم رح، علامہ ابن عبدالہادی رح حافظ ابن رجب رح اور امام بدرالدین بعلی رح وغیرہ اسی نظریہ کے قائل ہیں اور علامہ آلوسی رح کا بھی اس مسئلہ کے بارے میں وہی نظریہ ہے جو ان حضرات کا ہے۔ گویا اس مقام پر آکر رائے و تحقیق کے سلسلہ میں دو رستے ہو جاتے ہیں۔ ایک وہ ہے جس پر جمہور حضرات فقہاء کرام رح (عام اس سے کہ وہ مالکی ہوں یا حنفی شافعی ہوں یا حنبلی) مگر حافظ ابن تیمیہ رح کے بعد

اکثر حنبلی امام ابن تیمیہ رح کے نظریہ کے حامل ہیں) کا عنوان یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور سبھی طبقوں کے حضرات فقہاء کرام رح نے مناسک اور فقہ کی کتابوں میں قبر مبارک کے پاس استشفاع کو جائز کہا ہے اور پھر اس کا طریقہ بتایا ہے کچھ تفصیل تسکین الصدور میں ملاحظہ فرمائیں اور اس مسئلہ میں صحیح رائے حضرات جمہور ہی کی ہے کیونکہ ید اللہ علی الجماعۃ یہ الگ بات ہے کہ مؤتف نداۓ حق وغیرہ انھیں جمہور زنبور کہہ کر ان سے اپنی خواہش کے مطابق چھٹکارا حاصل کریں۔

تفردات

امام ابن تیمیہ رح کے کئی علمی انفرادات و تفردات ہیں جو ان کے فتاویٰ کی چوتھی جلد کے ساتھ کتابی شکل میں منسلک ہیں اور فتاویٰ میں بھی موجود ہیں، مثلاً یہ کہ سجدۂ تلاوت کے لئے وضو ضروری نہیں (فتاویٰ ج ۲ ص ۹۵) اور یہ کہ ایک مجلس یا ایک کلمہ کے ساتھ دی گئی تین طلاقیں صرف ایک ہی ہوتی ہے اور یہ کہ حیض کی حالت میں طلاق نہیں ہوتی اور یہ کہ ہر بڑے چھوٹے سفر میں قصر اور دوگانہ ضروری ہے (فتاویٰ ج ۲ ص ۹۵) اور یہ کہ اگر کوئی شخص عمداً نماز چھوڑ دے تو اس کی قضا نہیں اور یہ کہ توسل درست نہیں اور اسی طرح استشفاع عند القبر جائز نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی قسم کے اختلافی مسائل کی وجہ سے ان کو حکومتِ وقت اور عوام اور علماء کی طرف سے خاصی دقت پیش آئی اور کئی مرتبہ قید و بند سے دوچار ہوئے اور صعوبتیں اٹھائیں مگر اپنے نظریات سے انھوں

نے رجوع نہیں کیا اور تادم مرگ ان پر سختی سے کاربند اور مصر رہے۔ علامہ ذہبی ؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن تیمیہؒ کئی فتووں میں متفرد ہیں جن کی وجہ سے ان کی عزت خطرے میں پڑ گئی اور یہ قوت ان کے علم کے سمندر میں ڈوبے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں سے درگزر کرے اور ان سے راضی ہو میں نے ان جیسی شخصیت نہیں دیکھی اور جبکہ (بجز جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے) ہر ایک کی بات کو لیا بھی جا سکتا ہے اور ترک بھی کیا جا سکتا ہے تو پھر ان کی لغزشوں سے کیا ہوا؟ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۸۶)۔

راقم الحروف ان کی بہت سی کتابوں سے مستفید ہوا ہے اور ان کا بڑا علمی اور دینی کے بے شمار علمی اور مجاہدانہ کارناموں کا قائل ہے لیکن ان کے تفردات میں ان کا حامی نہیں ہے اور ان میں مسلک اعتدال راجح اور قوی نظریہ جمہور ہی کا ہے اور راقم بھی جمہور کے ساتھ ہے۔

طبیعت میں شدت و حدت

اللہ تعالیٰ نے حافظ ابن تیمیہؒ کو اپنے دور میں علم و اصلاح اور جہاد وغیرہ بہت سی نعمتوں اور خوبیوں سے نوازا تھا اور وہ اپنے زمانہ میں اپنا نظیر اور اپنی مثال خود تھے مگر فطری طور پر ان کی طبیعت میں بے حد حدت اور شدت تھی۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"طبیعت میں حدت اور شدت تھی اس کے باوجود ان کے اندر حلم اور بردباری

بھی تھی"۔ (الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۵۱ ۔ و امام ابن تیمیہ ص ۵۸۱) اور نیز لکھا ہے کہ ان کی بحث و تکرار میں بہ تقاضائے بشریت غیظ و غضب میں حدت اور تیزی پیدا ہو جاتی تھی۔ (الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۵۱ و البدر الطالع ج ۱ ص ۶۵ و امام ابن تیمیہ ص ۶۰۳)

افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری لکھتے ہیں کہ "امام موصوف کی طبیعت میں تیزی اور حدت و شدت زیادہ تھی۔ جب کوئی کام خلافِ شریعت ہوتا ہوا نظر آتا تو بگڑ جاتے تھے۔ (امام ابن تیمیہ ص ۵۸۶)۔

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رح ایک مقام میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

اما الحافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فانہ وان نسب الزیادۃ والنقصان الی امامنا رحمہ اللہ تعالیٰ لکن فی طبعہ سورۃ وحدۃ فاذا عطف الی جانب عطف ولایبالی واذا تصدی الی احد تصدی ولایحاشی ولایؤمن مثلہ من الافراط والتفریط فالتردد فی نقلہ لھذا (فیض الباری ج ۱ ص ۵۹)

بہرحال حافظ ابن تیمیہ رح نے اگرچہ ایمان کی زیادت اور نقصان کی نسبت ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رح کی طرف کی ہے لیکن ان کی طبیعت میں تیزی اور حدت ہے۔ وہ جب کسی طرف جھکتے ہیں تو اسی طرف کے ہو رہتے ہیں اور پرواہ نہیں کرتے اور جب کسی کے درپے ہوتے ہیں تو درپے ہی رہتے ہیں اور پرہیز نہیں کرتے۔ سو ایسی شخصیت سے افراط و تفریط غیر متوقع نہیں ہوتی، اس لئے ان کی نقل میں تردد ہے۔

اور دوسرے مقام پر ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

واذا تأوّل ابن تیمیۃ رح فی مثل ھذہ الالفاظ فماذا یصنع فی قولہ حُسِبَت علیّ بتطلیقۃ فانہ صریح فی عدّھا اِلّا انّ من طریقہ انہ اذا مرّ بلفظ لا یسوغ فیہ تأویلہ یغمض عنہ (فیض الباری ج ۴ ص ۳۱۰)

ہاں اگر حافظ ابن تیمیہؒ ان جیسے الفاظ کی تاویل کرتے اور کر سکتے ہیں لیکن وہ تو بتائیں کہ وہ حضرت ابن عمرؓ کے اس قول سے کیا کہیں گے کہ بحالتِ حیض میری دی ہوئی طلاق کا اعتبار کیا گیا۔ یہ قول تو صراحت سے دلالت کرتا ہے کہ بحالت حیض دی ہوئی طلاق کا شمار کیا گیا مگر حافظ ابن تیمیہؒ کا یہ طریقہ ہے کہ وہ جب کسی ایسے لفظ پہ گزرتے ہیں جس میں ان کی تاویل نہیں چلتی تو وہ اس سے آنکھیں ہی بند کر لیتے ہیں۔

یہ روایت بخاری ج ۲ ص ۷۹۰ اور مسلم ج ۱ ص ۴۷۶ میں ہے جن میں تصریح موجود ہے کہ بحالت حیض طلاق واقع ہو جاتی ہے چونکہ یہ صراحت حافظ ابن تیمیہؒ کی رائے اور مسلک کے خلاف ہے اس لئے وہ اس میں تاویلات سے کام لیتے ہیں مگر حُسِبَت علیّ بتطلیقۃ کے صریح ارشاد سے گلو خلاصی نہیں کرا سکے۔ غالباً علامہ ذہبی رح المتوفی (۷۴۸ھ) نے حافظ ابن تیمیہ رح کو ایسے ہی موقع پر ایک طویل خط میں تنبیہ فرمائی کہ اے کاش صحیحین کی حدیثیں تم سے بچی رہتیں۔ تم تو ہر وقت

تنقیص و اہدار یا تاویل و انکار سے ان پر حملہ کرتے رہتے ہو (زغل العلم ص۱ ص۱ و امام ابن تیمیہ ص۱۱) ۔ بلکہ علامہ ذہبی رح نے زغل العلم ص۳۲ اور اپنے رسالہ النصیحۃ الذہبیۃ لابن تیمیۃ میں ان کو خاصا کوسا ہے اور یہاں تک لکھا ہے کہ عقلمندوں کی جماعت ان کو محقق فاضل اور مبتدع قرار دیتی ہے ۔ (امام ابن تیمیہ ص۶۰)

امام ابن حجر المکی رح (المتوفی ۹۷۳ھ) نے الجوہر المنظم میں اور علامہ تقی الدین الحصنی رح نے دفع الشبہ میں ان کو گمراہ تک کہا ہے (معارف السنن ج۳ ص۳۳) حافظ ابن تیمیہ رح نے منہاج السنۃ ج۱ ص۲۴۷ میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی تعبیر اختیار کی جس سے جسمیت کا شبہ ہوتا ہے ۔ امام سبکی رح اس سے برہم ہو کر اپنے طویل قصیدہ نونیہ میں حافظ ابن تیمیہ رح کو صریح گالی دینے سے بھی باز نہیں آئے ۔ ایک شعر یہ ہے ؎

کذب ابن فاعلۃ یقول بجھلہ
اللہ جسم لیس کالجسمان
(طبقات الکبریٰ ج۶ ص۱۹۲)

یہ بڑوں کی آپس میں معاصرانہ یا ناقدانہ باتیں ہیں ۔ ہمارے لئے سبھی حضرات قابلِ قدر ہیں اور معاذ اللہ تعالیٰ ہمارا مقصد ان حوالوں سے حافظ ابن تیمیہ رح کی توہین و تنقیص نہیں ہے ۔ بتانا صرف یہ ہے کہ کئی مسائل میں وہ منفرد ہیں اور ان مسائل میں ان کے شاگردوں اور مخصوص متوسلین کے بغیر اور کسی نے ان کی ہمنوائی

نہیں کی اور طبیعت کی شدت اور حدت کی وجہ سے وہ ان پر مصر بھی رہے۔ لہٰذا جمہور کا ساتھ چھوڑ کر ایسے نظریات میں ان کا ساتھ نہیں دیا جا سکتا حق جمہور کے ساتھ ہی ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کے جمہور کے ساتھ اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی نیت سے سفر

بھی ہے کہ بقول ان کے دور دراز سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضری کی نیت سے سفر نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں مسجد نبوی کا قصد کیا جا سکتا ہے اور وہاں پہنچ کر پھر روضۂ اقدس کی زیارت بھی کی جا سکتی ہے۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے اس کو اختیار کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے سفر درست نہیں ہے۔ ہاں جو قبریں آبادی سے ملحق ہوں ان کی زیارت کرنا وہ مستحب سمجھتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت البقیع وغیرہ کی قبروں کے قریب ہونے کی بناء پر زیارت کی ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کے مذہب کی نقل کرنے میں لوگوں نے غلطی کی ہے۔

رہیں قبور کہ ان کا مذہب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ وہ مطلق زیارت قبور ہی کے منکر ہیں دور ہوں یا نزدیک ، حالانکہ وہ قریب سے زیارت کے قائل ہیں)

علامہ ابن عابدین الشامی رح فرماتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ رح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے دور سے کوچ اور سفر کرنے اور رخت سفر باندھنے سے منع کرتے ہیں اور قریب سے زیارت قبور کو جائز قرار دیتے ہیں ، اور حافظ ابن تیمیہ رح کے اس مسئلہ میں حضرات متقدمین رح میں سے صرف چار بزرگ موافق ہیں ۔ ان میں سے ایک الجوینی رح (امام ابو محمد عبداللہ بن یوسف الشافعی رح المتوفی ۴۳۸ھ) والد امام الحرمین رح (ابو المعالی عبدالملک الشافعی رح المتوفی ۴۷۸ھ) بھی ہیں ۔ اور حافظ ابن تیمیہ رح نے جب یہ مسئلہ اختیار کیا تو وہ مصائب اور تکالیف میں مبتلا ہو گئے اور امام تقی الدین السبکی رح نے حافظ ابن تیمیہ رح کے رد میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ہے ۔ ہم نے اس میں کوئی جدید اور تازہ کوئی شئے نہیں دیکھی ۔ وہ ضعیف روایات کی تقویت کے درپے رہے ہیں ۔ پھر امام ابن الہادی رح نے علامہ سبکی رح کے رد میں کتاب لکھی جس کا نام الصارم المنکی علی نحر السبکی رکھا اور اس نے اپنی تصنیف میں عمدگی کا ثبوت دیا ہے ۔ پھر ان کے رد میں علامہ ابن علان (محمد بن ابراہیم المکی الشافعی النقشبندی رح المتوفی ۱۰۳۳ھ) نے کتاب لکھی جس کا نام انھوں نے المبرد المبکی علی الصارم المنکی رکھا ۔ (نہایت

افسوس ہے کہ سعودی حکومت نے جس پر نجدی علماء کے خیالات کا غلبہ ہے، جو حافظ ابن تیمیہ رح کے مسلک کے پیرو ہیں۔ اس کتاب کا داخلہ ہی حجاز میں ممنوع قرار دے دیا ہے جیسا کہ شامی جیسی مفید کتاب ممنوع الدخول ہے اور الصارم المنکی اور اسنی المطالب وغیرہ کتابوں کی بکثرت اشاعت کرتے ہیں اور یہ ہر کتب خانے سے بآسانی مل سکتی ہیں۔ صفدر) اور فریقین سے سلسلہ تالیف و تصنیف جاری رہا اور جمہور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت جائز ہے اور اعلے درجہ کی نیکیوں میں شمار ہے اور نہی شد رحال کی حدیث کے مختلف جوابات جمہور کی طرف سے دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے بہتر وہ جواب ہے جو حافظ ابن حجر رح نے فتح الباری ج ۳ ص۵۲ میں اور علامہ بدرالدین عینی رح نے (عمدۃ القاری ج ۳ ص۲۵۲ میں) دیا ہے اور دونوں کا مستدل وہ روایت ہے جو مسند احمد (ج ۳ ص۶۴) میں ہے کہ تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے کہ اس میں نماز پڑھی جائے (یعنی مستثنیٰ منہ عام نہیں بلکہ صرف مسجد ہے۔ صفدر) رہی اس مسئلہ میں جمہور کی دلیل، تو وہ یہ ہے کہ تواتر کے ساتھ حضرات السلف الصالحین رح سے آنحضرت صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی طرف ان سے سفر ثابت ہے اور حافظ ابن تیمیہ رح اور ان کے پیروکار اس سے کوئی تسلی بخش اور شافی جواب نہیں دے سکے۔ باقی ان کا یہ جواب کہ حضرات سلف صالحین رح مسجد نبوی کی طرف سفر کیا کرتے تھے اور روضۂ مطہرہ کی طرف

انکا سفر نہ ہوتا تھا، ایک بنیادی بات ہے۔ (منقول مصنوع) اس لیے کہ حضرات سلف صالحین رح کے سفر کی غرض صرف مسجد نبوی ہی ہوتی تو وہ حضرات مسجد نبوی کی طرح مسجد اقصیٰ کا سفر بھی اسی اہتمام سے کرتے۔ حالانکہ واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان حضرات سے اس کا کوئی شافی جواب نہیں بن سکا۔ مسئلہ۔ حضرات اولیاء کرام رح کی قبور کی زیارت کے لئے دور دراز سے سفر کرنے کے لئے، جیسا کہ ہمارے اس زمانے میں معمول بن چکا ہے، صاحب شریعت (آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یا صاحب مذہب (یعنی مثلاً امام ابوحنیفہ رح) یا مشائخ سے نقل اور حوالہ کی ضرورت ہے اور دور دراز قبروں کی زیارت کا گاؤں اور شہر کے قریب قبروں کی زیارت پر قیاس کرنا جائز اور درست نہیں ہے کیوں کہ قریب کی قبور کے لئے کوئی سفر ہی نہیں ہوتا۔ (العرف الشذی صـ ۱۹۳ مترجماً) اور مسئلہ سے آخر تک کی عبارت بعینہا جیسا کہ العرف الشذی میں ہے۔ معارف السنن ج ۳ صـ ۳۳۵ میں بھی ہے۔

دیوبندی مسلک کے حضرات حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رح کی اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور غور کریں کہ حضرت نے کیا فرمایا ہے؟ اور خصوصیت سے مؤلف ندائے حق وغیرہ جنھوں نے الصارم المنکی کے بارے میں حضرت شاہ صاحب رح کا قد اجاد کا جملہ ہی پلّے باندھ لیا ہے اور آگے

سب عبارت ترتیب کر لی ہے۔ اُن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے صرف ان کی عالمانہ تحریر کی داد دی ہے نہ کہ ان کے دلائل کی۔ اسی لئے حضرت شاہ صاحبؒ بار بار فرماتے ہیں کہ جمہور کی دلیل کا شافی اور تسلی بخش جواب نہ تو علامہ ابن تیمیہؒ دے سکے ہیں اور نہ اُن کے پیروکار۔

محقق العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا السید محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ استاد محترم نے فرمایا کہ جو مسلک حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے اس کی طرف ان سے قبل چار عالم گئے ہیں۔ ایک ان میں ابو محمد الجوینی رح والد امام الحرمین رح ہیں اور دوسرے ان میں قاضی عیاض المالکیؒ ہیں اور تیسرے ان میں قاضی حسین الشافعی رح ہیں جیسا کہ فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے۔ راقم (یعنی حضرت مولانا بنوری صاحب) کہتا ہے کہ ان حضرات سے جو چیز منقول ہے وہ یہ ہے کہ نیک لوگوں کی زیارت کے لئے، زندہ ہوں یا مردہ، اور اسی طرح متبرک مقامات کی طرف بقصد تبرک سفر کرنا اور وہاں نماز پڑھنا منع ہے۔ جیسا کہ فتح الباری وغیرہ میں ہے اور ان حضرات سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے خصوصیت سے آں حضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت سے منع کیا ہو۔ ہاں ان کے نزدیک لفظ صالحین کے عموم میں یہ بھی داخل ہو تو الگ بات ہے۔ بلکہ قاضی عیاضؒ کے کلمات ان کی کتاب الشفاء میں جمہور کے موافق ہیں اور بحث و تحقیق کے

بعد یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حافظ ابن تیمیہ رہ اور ان کے پیروکار اس مسئلہ میں منفرد ہیں اگرچہ ان کے ان بعض اقوال میں جمہور امت اور تمام شر کے مقابلہ میں کچھ لوگ ان کے موافق بھی ہیں۔ اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ایک تھوڑا سا طائفہ ابن تیمیہؒ کے مسلک کے موافق ہے تو ہو لیکن یہ ایک ایسا قول تھا جس کا نشان آفاق میں اوراق کے گوشوں کے اندر پوشیدہ تھا۔ حافظ ابن تیمیہؒ ہی وہ شخص ہیں جنھوں نے نئے سرے سے اس مردہ مسئلہ کو قبر سے۔ تھا باہر لا کھڑا کیا ہے اور اس کی وجہ سے امت میں فتنے کا ایک نیا دروازہ کھل گیا ہے اور اسی لئے یہ مسئلہ بھی ان کے دیگر شاذ مسئلوں کی طرح شاذ اور ان کا تفرد ہی سمجھا جاتا ہے اور اس کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ تقی الدین الحصنی رہ نے اپنی کتاب دفع الشبہ میں ایسی ہی تحقیق کی ہے جس کی میں گمان کرتا تھا۔ (ملاحظہ ہو دفع الشبہ ص۹ اور اس کے بعد) سو انھوں نے تحقیق کی کہ امام ابو محمد جوینیؒ اور قاضی عیاضؒ وغیرہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف سفر کو حرام نہیں کہتے۔ اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور حافظ ابن حجرؒ اور ان کے علاوہ بے شمار محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے مشروع ہونے پر بلا اختلاف اجماع ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔ اس تحقیق کے بعد حافظ ابن تیمیہ رہ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اجماع کی مخالفت کی ہے اور اس اجماع کو قاضی عیاض المالکی رح

اور امام نووی الشافعی رح اور حافظ ابن الھمام الحنفی رح نے نقل کیا ہے اور اس مسئلہ میں اجماع کی مخالفت کی وجہ سے حافظ ابن تیمیہ رح طرح طرح کے مصائب اور شدائد میں مبتلا ہوئے جیسا کہ الدرر الکامنہ میں ہے اھ (معارف السنن ج ۳ صفحہ ۳۳۰، صفحہ ۳۳۱)۔ اور حافظ ابن تیمیہ رح وغیرہ حضرات کی اس تاویل کا کہ مدینہ طیبہ جانے والے مسجد نبوی کا قصد کرتے ہیں (یا کریں) اور اس کے بعد روضہ اقدس کی حاضری کا رد کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ مسجد الحرام جو جمہور کے نزدیک مسجد نبوی سے زیادہ افضل ہے جس میں مسجد نبوی میں پڑھی ہوئی نماز سے کئی گنا زیادہ ثواب ہوتا ہے (آنحضرت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نماز کے مساوی ہے اور میری مسجد میں ایک ہزار نماز کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں پانچ سو نماز کے برابر ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۴ حدیث حسن) پھر کیا وجہ ہے کہ سلف صالحین رح محض نماز پڑھنے کے لئے المسجد الحرام کی اعلیٰ فضیلت چھوڑ کر مسجد نبوی کی ادنے فضیلت حاصل کرنے کے لئے سفر کرتے اور تکلیفیں اٹھاتے رہے؟ اور پھر مسجد اقصیٰ کے سفر کا بھی انھوں نے کوئی خاص اہتمام نہ کیا۔ حالانکہ بعض روایات میں ان دونوں کا درجہ برابر آیا ہے۔ الغرض اگر حضرات سلف صالحین رح کا مقصد آنحضرت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی برائے زیارت حاضری مقصود نہ ہوتی تو صرف مسجد نبوی کے اس اہتمام کا کیا

معنیٰ؟ اور کیا مقصد؟ (محصلہ معارف السنن ج ۳ صفحہ ۳۳۴)۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ کے اس غلو اور شدت کے مقابلہ میں حضرات فقہاء کرامؒ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر زیارت کی نیت سے حاضر ہونے کو افضل قربات بلکہ قریباً واجب قرار دیا ہے۔ چنانچہ محقق احناف حافظ ابن الہمام (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:۔

المقصد الثالث فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ من افضل المندوبات و فی مناسک الفارسی وشرح المختار انہا قریبۃ من الوجوب لمن لہ سعۃ (فتح القدیر ج ۲ طبع ہندی صفحہ ۵۰۹)

تیسرا مقصد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت۔ ہمارے مشائخؒ نے فرمایا ہے کہ وہ تمام مستحبات میں سے افضل ہے اور مناسک فارسی اور شرح مختار میں ہے کہ صاحب استطاعت کے نزدیک واجب کے قریب ہے۔

ان سلجھے ہوئے فقہی الفاظ میں حافظ ابن تیمیہ رح اور اس مسئلہ میں ان کے متوسلین کا رد ہے، اور جمہور کے مسلک کی پُر زور تائید ہے۔ اور امام ابن ہبیرہ رح نے کتاب اتفاق الائمہ رح میں تصریح فرمائی ہے کہ امام مالک رح، امام شافعی رح، امام ابوحنیفہ رح اور امام احمدؒ بن حنبل رح کا اتفاق ہے کہ قبر نبوی کی زیارت سب سے بہتر کاموں میں سے ہے۔ (حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام مدنی۔ جلد اول صفحہ ۱۲۷)۔

باب اوّل

سماعِ موتیٰ کے بعض دلائل

اس مسئلہ کے اثبات پر قدیمًا وحدیثًا متعدد عقلی اور نقلی دلائل پیش کئے گئے ہیں مگر ہمارا مقصد اس مقام پر تمام دلائل و براہین کا استیعاب واحاطہ نہیں اور نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے بلکہ بعض دلائل پیش کرکے یہ بتانا مقصود ہے کہ قائلین سماعِ موتیٰ بھی بحمد اللہ تعالیٰ قوی دلائل سے لیس ہیں اور ان کے دعویٰ، مسلک اور دلائل و براہین کا کُلیۃً انکار کر دینا فہم و بصیرت اور علم و انصاف سے یکسر دُور ہے۔ ہاں اختلافی مسائل میں اپنے پسندیدہ مسلک کو دلائل سے مبرہن کرکے ترجیح دینا اور انصاف و دیانت کے ساتھ علم و تحقیق کی روشنی میں فریقِ ثانی کو جواب دینا ایک خالص علمی خدمت ہے جس کو اہلِ علم حضرات انجام دیتے رہتے ہیں وَالعِصمَۃُ بِیَدِ اللّٰہِ تعالیٰ وَحدَہٗ۔

پہلی دلیل:۔ حضرت انسؓ (المتوفی ۹۳ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

العبد اذا وضع فی قبرہٖ وتولے   بندہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس

وذھب اصحابہ حتّٰی انہ لیسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان۔
الحدیث (بخاری ج۱ ص۱۷۸ واللفظ لہ ومسلم ج۲ ص۳۸۶ وابوداؤد ج۲ ص۲۹۸، نسائی ص۱۰۴ و مشکوٰۃ ج۱ ص۲۴ وسنن الکبریٰ ص۸۰ ومصنف ابن ابی شیبۃ ج۳ ص۳۷۶ طبع حیدرآباد دکن ومسند احمد ج۳ ص۱۲۶ وشرح السنۃ ج۵ ص۴۱۵۔

کے ساتھی اس سے چلے جاتے ہیں، ابھی وہ ان جانے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ ہی سن رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں۔

اور مستدرک ج۱ ص۳۸۰ کی روایت میں جس کے علیٰ شرط مسلم صحیح ہونے پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں، حضرت ابوہریرہؓ سے یہ الفاظ ہیں:
آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

والذی نفسی بیدہ انہ لیسمع خفق نعالھم حین یولّون عنہ

اس ذات کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ ان کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے جس وقت لوگ اس سے واپس جاتے ہیں۔

اور یہ روایت موارد الظمآن ص۱۹۷ میں بھی ہے اور شرح السنۃ۔ ج۵۔ ص۴۱۳ میں ان المیت یسمع حِسّ النعال اذا ولوا عنہ الناس مدبرین کے الفاظ ہیں۔
اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ مُردہ دفن کے بعد قبر میں قبر سے واپس ہونے والے لوگوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ اور آواز سنتا ہے اور جب یہ

سنتا ہے تو انسانوں کی آواز بطریق اولیٰ سنتا ہے۔ تسکین الصدور میں باحوالہ ٹھوس دلائل کے ساتھ یہ بات ہم نے بیان کر دی ہے کہ جمہور اہل السنت والجماعت کے نزدیک قبر کی راحت اور عذاب رُوح اور جسم دونوں سے وابستہ ہے اور منکر و نکیر (نافرمانوں کے لئے) اور مبشر و بشیر فرماں برداروں کے لئے (کذا فی فتح الباری ج ۳ صفحہ ۲۸۰) کے آنے سے قبل ہی اس میں اعادۂ رُوح ہو جاتا ہے اور اسی موقع پر مُردہ جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے۔ اسی سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رح (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ :-

وقد ثبتت الاحادیث بما ذهب الیه الجمهور کقوله انه یسمع خفق نعالهم وقوله تختلف اضلاعه لضمة القبر وقوله یسمع صوته اذا ضربه بالمطراق وقوله یضرب بین اذنیه وقوله فیقعدانه وکل ذلک من صفات الاجسام اھ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۶ طبع مصر)

جمہور کے مسلک کے مطابق احادیث ثابت ہیں مثلاً یہ کہ مُردہ دفن کرنے والوں کی واپسی پر ان کی جُوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے اور یہ کہ قبر کی تنگی کی وجہ سے اس کی پسلیاں اِدھر اُدھر ہو جاتی ہیں اور یہ کہ اس کو جب ہتھوڑے سے پیٹا جاتا ہے تو اس کی آواز سُنی جاتی ہے اور یہ کہ جب اس کے دونوں کانوں کے درمیان گرز ماری جاتی ہے اور یہ کہ منکر نکیر اُس کو بٹھاتے ہیں تو یہ جملہ امور اجسام کی صفات ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مُردے کے لئے سماعِ قرعِ نعال ثابت ہے اور یہ حقیقت پر محمول ہے، کوئی مجاز و کنایہ نہیں اور دیگر اُمور کی طرح اس میں بھی مُردہ کے جسم کا تعلق ہے، یہ محض رُوح ہی سے وابستہ نہیں ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ بن اسمٰعیلؒ البخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) نے اس سلسلہ میں صحیح بخاری میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے باب المیّت یسمع خفق النعال (ج ۱ ص ۱۷۸)

اس کی شرح میں علامہ بدرالدین محمودؒ العینی الحنفی رح (المتوفی ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں :-

ای ھذا باب یذکر فیہ المیّت یسمع خفق نعال الاحیاء وخفق النعال صوتہا و دوسہا علی الارض اھ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۵۷ طبع مصر)	یعنی یہ باب ہے جس میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ مُردہ زندوں کی جُوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سُنتا ہے اور خفق النعال کا معنی جوتیوں کی آواز اور ان سے زمین کو روندنا ہے۔

یہ عبارت بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مُردہ زندوں کی جُوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سُنتا ہے اور حضرت امام بخاری رح کا بھی یہی مسلک ہے۔ حضرت ملا علی ن القاری الحنفی رح (المتوفی ۱۰۱۴ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

وقال ابن الملک ای صوت دقّہا	علامہ ابن الملک رح فرماتے ہیں کہ قرع

وفیہ دلالۃ علی حیوٰۃ المیت فی القبر لان الاحساس بدون الحیوٰۃ ممتنع عادۃً واختلفوا فی ذٰلک فقال بعضہم یکون باعادۃ الروح وتوقف ابوحنیفۃؒ فی ذٰلک اھ ولعل توقف الامام فی ان الاعادۃ بجز البدن اوکلہ اھ (مرقات ج ۱ ص ۱۹۸ طبع ملتان)

نعال سے جوتیوں کی زمین پر پڑنے کی آواز مُراد ہے اور اس حدیث میں مُردہ کے قبر میں زندہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ زندگی کے بغیر عادۃً احساس ممتنع ہے اور اس میں اختلاف واقع ہُوا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زندگی اعادۂ رُوح کے ساتھ ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ نے اس میں توقف کیا ہے اھ۔ شاید کہ امام صاحبؒ کا توقف اس بات میں ہو کہ اعادۂ رُوح جزوِ بدن کی طرف ہے یا کُل کی طرف (نفس اعادہ میں توقف نہیں)

اس سے بھی معلوم ہُوا کہ سمع قرعِ نعال سے حقیقت مُراد ہے کہ مُردہ سیج دفن کرکے واپس جانے والوں کی جُوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سُنتا ہے۔ اس حدیث کا یہی مطلب و مُراد صحیح ہے اور جمہور شراح حدیث نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے جیسا کہ آپ نے بعض حوالے دیکھ لئے ہیں۔ بعض حضرات نے اس حدیث سے سُرعتِ اتیانِ ملائکہ مُراد لی ہے کما مرّ عن الکوکب الدری لیکن یہ تو خود حدیث میں مصرح اور منصوص ہے جیسا کہ بخاری ج ۱ ص ۱۷۸ وغیرہ کی روایت میں اس

کی تصریح ہے حتیٰ انہ لیسمع قرع نعالهم اتاه ملکان الحدیث یعنی مُردہ ابھی قرعِ نعال کی آواز سُن ہی رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کے پاس دو فرشتے آ پہنچتے ہیں۔ اس صراحت کے ہوتے ہوئے سمع قرعِ نعال کے جملہ سے سُرعتِ اتیانِ ملائکہ بطور کنایہ مُراد لینے کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا مؤلف ندائے حق کا صفحہ ۱۵۲ میں یہ لکھنا باطل ہے کہ "اور قرعِ نعال والی حدیث بھی آپ نہیں پیش کر سکتے کیونکہ وہ حدیث ماوّل ہے" اھ۔ تاویل کی وہاں ضرورت پیش آتی ہے جہاں حقیقت متعذر ہو لیکن یہاں حقیقت ہی متعین ہے۔ جیسا کہ شراح حدیث کے جمِ غفیر نے اس کی تصریح فرما دی ہے۔

اعتراض۔ حضرت مولانا گنگوہی رح نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ اس سے فرشتوں کی جلد آمد مُراد ہے اور یہ سُرعتِ اتیان ملائکہ سے کنایہ ہے (ملاحظہ ہو الکوکب الدری ج ۱ صفحہ ۳۱۹ و تقریر الجنجوہی رح علی مسلم صفحہ ۶۳)۔

جواب۔ علمِ حدیث پڑھنے اور پڑھانے والے جانتے ہیں کہ حدیث پڑھاتے وقت اساتذہ کرام اختلافی مسائل میں ہر مسئلہ اور ہر گروہ کی عقلی و نقلی دلیل کو تفصیلاً یا اجمالاً بیان کیا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی رح نے بھی مُسلم اور ترمذی کے درس کے موقع پر حضرات مُنکرینِ سماعِ موتیٰ کی طرف سے یہ معنیٰ بیان کیا ہوگا کہ وہ اس حدیث کی تصریح یوں کرتے ہیں۔ جس کو لکھنے والے حضرات نے اپنے بیاض میں جمع کر لیا ہے۔ لیکن اس سے قطعی طور پر یہ ثابت

کرنا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ مُردہ کو دفن کرنے کے بعد اس کے سماع کے کُلیتہً منکر ہیں، بالکل غلط ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جو ۲ ص ۱۰۱ کا ایک سوال وجواب ملاحظہ ہو۔ سوال۔ جب سماع موتیٰ کے حضرت امام صاحبؒ قائل نہیں ہیں پھر فقہاء حنفیہ تلقین میت کو کیوں تحریر فرماتے ہیں؟

الجواب۔ مسئلہ سماع میں حنفیہ باہم مختلف ہیں اور روایات سے ہر دو مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ پس تلقین اسی مذہب پر مبنی ہے کیونکہ اول زمانہ قریب دفن کے بہت سی روایات (جن میں ایک حدیث قرع نعال والی بھی ہے۔ صفدر) اثباتِ سماع کرتی ہیں اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں اور روایات جو کچھ امام صاحبؒ سے (عدم سماعِ موتیٰ پر آئی ہیں (مثلاً فتاویٰ غرائب وغیرہ کا حوالہ، صفدر) شاذ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمہ کی اس تصریح کے باوجود بھی اگر کوئی شخص ان کے نقطۂ نظر سے حدیث سمع قرعِ نعال وغیرہ احادیث کی تاویل کرتا ہے تو اس کی تاویل کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں۔ عقلمندوں نے پہلے ہی یہ بات کہہ دی ہے کہ ؎

خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدَرَ۔

دوسری دلیل

حضرت ابوہریرہؓ (المتوفی ۵۸ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ :-

"ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم — جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اتی المقبرۃ فقال السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون (مسلم ج۱ ص۱۲۶ ابوداؤد ج۲ ص۱۰۳ وسنن الکبریٰ ج۴ ص۷۹ ومسند احمد ج۲ ص۳۰۰ ومشکوٰۃ ج۱ ص۱۵۴)

قبرستان تشریف لے گئے اور آپؐ نے (مُردوں کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا سلام ہو تم پر اے مومنوں کی بستی میں رہنے والو اور بلاشبہ ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ تم سے ملنے والے ہیں

اور اسی مضمون کی روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے بھی مرفوعًا مَروی ہے۔ (مُسلم ج۱ ص۳۱۳ ، مسند احمد ج۶ ص۷۶ ، نسائیؒ ج۱ ص۲۲۲ ، ابن ماجہ ج۱ ص۱۱۲ ، سنن الکبریٰ ج۴ ص۷۹ ، مشکوٰۃ ج۱ ص۱۵۴ وشرح السنۃ للبغوی ج۵ ص۴۶۴) اور اسی مضمون کی روایت حضرت بریدہ رضؓ سے بھی مرفوعًا مَروی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعلمھم اذا خرجوا الی المقابر الحدیث (مسلم ج۱ ص۳۱۴ وابن ماجہ ص۱۱۲ وسنن الکبریٰ ج۴ ص۷۹ ومسند احمد ج۵ ص۳۵۳ وابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۴۰ طبع ملتان وشرح السنۃ للبغوی ج۵ ص۴۶۴۔

آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم صحابہ رضؓ کو یہ تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب وہ قبرستان میں جائیں (تو ان الفاظ سے انھیں سلام کہا کریں)

اور تعلیم کے الفاظ کے بغیر نفس سلام کہنے کی ان کی روایت نسائیؒ ج۱ ص۲۲۲ ، سنن الکبریٰ ج۴ ص۷۹ اور مشکوٰۃ ج۱ ص۱۵۴ میں موجود ہے۔ اور اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ رضؓ بن عباس رضؓ سے بھی مرفوعًا مَروی ہے۔ (ترمذی ج۱ ص۱۲۵ وقال حسن غریب ومسند احمد ج ص ومشکوٰۃ ج۱ ص۱۵۴) اور اسی مضمون کی روایت حضرت بشیر رضؓ بن الخصاصیہ (المتوفی سنہ ھ) سے بھی مرفوعًا مَروی ہے (مجمع الزوائد

ج ۳ صفحہ ۶۰ وقال رواتہ ثقات) اور اسی مضمون کی روایت حضرت عمرؓ اور حضرت مجمع بن جاریہؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے (مجمع الزوائد ج ۳ صفحہ ۶۰) ان کی سندیں اگرچہ کمزور ہیں مگر اصولِ حدیث کے رُو سے پہلی صحیح روایات کی تائید ان سے ہو سکتی ہے) ان الفاظ اور اس انداز سے مُردوں کو سلام کہنے کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ خطاب کے اہل ہیں اور سلام کہنے والوں کا سلام سُنتے ہیں۔ اسی لئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بھی مُردوں کو سلام کہا اور اُمّت کو اس کی تعلیم بھی دی کہ وہ بھی جب قبرستان میں جائیں تو اس طرح ان کو سلام کیا کریں۔ اور حافظ ابن حجرؒ والسنۃ فی قول الزائر السلام علیکم الخ (تلخیص الحبیر ص ۱۶۴) سے اس طرح سلام کہنے کو سُنّت سے تعبیر کرتے ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

وثبت عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لامتہ اذا سلموا علی اھل القبور ان یسلموا علیھم السلام من یخاطبونہ فیقول السلام علیکم دار قوم مومنین وھذا خطاب لمن یسمع ویعقل ولولا ھذا الخطاب لکانوا بمنزلۃ خطاب المعدوم والجماد والسلف

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُمت کے لئے یہ حکم ثابت ہے کہ وہ جب اہل قبور کو سلام کرے تو اس طرح سلام کرے جس طرح مخاطب سے سلام کیا جاتا ہے۔ سو سلام کہنے والا کہے اے مومنوں کی بستی میں رہنے والو تم پر سلام ہو اور یہ خطاب اس کو ہے جو سُنتا اور جانتا ہے۔ اگر ان کو یہ خطاب نہ

مجمعون علیٰ ھذا وقد تواترت بالآثار عنھم بان المیّت یعرف بزیارۃ الحی لہ ویستبشر بہ اھ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

ہوتا تو اس میں وہ ایسے ہوتے جیسے معدوم وجماد اور سلف صالحینؒ کا اس پر اجماع ہے اور تواتر کے ساتھ اُن سے آثار مروی ہیں کہ جب کوئی زندہ مُردہ کی زیارت کے لئے آتا ہے (اور اسے سلام کہتا ہے تو اُس کی آواز سے) مُردہ اُس کو پہچان لیتا ہے اور اس کی آمد سے وہ خوشی محسوس کرتا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے اپنے اس دعوے کے اثبات کے لئے کئی روایات اور آثار نقل کئے اور پھر لکھتے ہیں کہ :-

وقد شرع السلام علی الموتیٰ والسلام علیٰ من لم یشعر ولا یعلم بالمسلِّم محال (ج ۳ ص ۴۳۹)

بے شک مُردوں پر سلام کہنا شروع کیا گیا ہے اور ایسے شخص کو سلام کہنا، جو سلام کہنے والے کا نہ تو شعور رکھتا ہو اور نہ علم محال ہے۔

اور اس بحث کے اختتام پر لکھتے ہیں کہ :-

فھذا السلام والخطاب والنداء لموجود یسمع ویخاطب ویعقل ویرد وان لم یسمع المسلّم الرد واللہ تعالیٰ اعلم (تفسیر ابن کثیر

پس یہ سلام وخطاب اور ندا اس موجود کو ہے جو سُنتا ہے اور اس سے خطاب کیا جا سکتا ہے اور جو سمجھتا ہے اور سلام کا جواب دے سکتا ہے اگرچہ سلام کہنے والا میّت کے جواب کو

ج ۳ ص۴۲۳)　　　　　　　　　　نہیں سنتا اور اللہ تعالیٰ ہی خوب اور بہتر
جانتا ہے۔

ان صحیح احادیث اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے اجماع: الغرض کے پیش نظر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا یہ بیان اور تصریح خالص حق ہے اور شرعی طور پر اس میں ذرہ بھر بھی افراط و تفریط نہیں ہے۔

ابن کثیر کی یہ عبارت الحاقی ہے؟

مؤلف ندائے حق نے ص۲۹۱ و ص۱۹۲ میں باوجود اس پرچار ماذر صرف کیا ہے کہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی یہ عبارت الحاقی ہے کیونکہ یہ عبارت ابن کثیر رحمہ اللہ جیسے محقق کی نہیں ہے جو مفسر الی الشرک ہے بلکہ یار لوگوں کا الحاق ہے۔ تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ ص۴۲۳ کے حاشیہ پر کسی خدا کے بندے نے صاف لکھ دیا ہے کہ من ههنا الی الآیۃ التی بعدہا زیادۃ

من النسخۃ المکیۃ وھو غیر موجود فی النسخۃ الامیریۃ

اللہ ہی لکھنے والے کے درجے بلند کرے جس نے ابن کثیر رحمہ اللہ کے سر سے الزام اتارا۔ صاحب تسکین الصدور پر تعجب ہے کہ وہ حاشیہ کی اس عبارت سے اغماض کرتے ہیں اس محشی رحمہ اللہ کی عبارت سے ہمیں اپنے شیخ مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے قول کی تصدیق ہو جاتی ہے جو آپ نے اپنی خود نوشت تفسیر بے نظیر میں تحریر فرمایا ہے۔ ہر نبی کو خداوند کریم نے یہ حکم دیا کہ خاص اللہ کو پکارو اور کتابوں میں بھی یہی حکم بھیجا۔ باغیوں نے خلاف کیا اور لکھ دیا۔ جن کو ان کا

لکھا مل گیا ان کو شک پڑ گیا۔ لیکن علماء ثقات نے بیان فرما دیا کہ یہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے۔ ان کے بیان کرنے کے بعد جھگڑا غیر مقبول ہے۔ وہ عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ اب جو شخص خلاف قرآن کے لکھا ہوا دکھا دیوے اُس کو کہو یہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے۔ اگر جس کی طرف وہ نسبت کرتے ہیں، وہ مقبولِ الٰہی ہے۔ کہہ دو اس کی طرف کسی باغی نے نسبت کی ہے اگر آیت الٰہی کے مقابلے میں صحیح حدیث لائیں کہ مطلب اس حدیث کا آیت کے مخالف ہو تو کہہ دو ہم ظاہر معنی والی آیت کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ اس کا معنیٰ علماء کرام بیان کریں گے۔ اگر تاویل صحیح معلوم ہو سکے تو بیان کرے، نہیں تو علماء کرام کے بیان پر حوالہ کرے۔ (تفسیر بے نظیر ص۲۸، ص۲۹) (محصلہ بلفظہ)

الجواب:۔ ابن کثیرؒ یہ عبارت لکھنے میں متفرد نہیں۔ ابھی انشاء اللہ العزیز حافظ ابن القیمؒ کا حوالہ بھی آرہا ہے۔ تفسیر ابن کثیر طبع کرنے والوں کے پیشِ نظر طباعت کے وقت غالباً دو نسخے تھے۔ ایک مکیہ اور دوسرا امیریہ امیریہ کے نسخہ سے کاتب کی غفلت سے یہ عبارت چھوٹ گئی ہوگی۔ اور ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے مکیہ کے نسخہ سے اس عبارت کو نقل کر دیا جو ابن کثیرؒ ہی کی ہے اور اس کے الحاقی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ راقم اثیم کے پیشِ نظر تفسیر ابن کثیرؒ کے دو نسخے ہیں ایک وہ جس کے حاشیہ معالم التنزیل ہے جو مطبع المنار مصر میں طبع ہوئی ہے۔ اور دوسرا وہ نسخہ

ہے جو معالم التنزیل کے بغیر ہے جو مطبع دار الاحیاء الکتب العربیۃ عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاءہ نے طبع کرایا ہے۔ ان دونوں نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے اور ان نسخوں میں مکیہ کے نسخہ پر ہی اعتماد کیا گیا ہے۔ مؤلف مذکور کا یہ جواب نری وضع الوتتی ہے اور اس پر ان کا ضمیر بھی ضرور ان کو ملامت کرتا ہوگا (بشرطیکہ ضمیر خناس بن کر ضمیر کہیں گروی نہ رکھ چکے ہوں) یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ سلام علی القبور نہ تو شرک ہے اور نہ مفضی الی الشرک ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بھی قبور پر سلام کہا اور امت کو اس کی تعلیم بھی دی، جیسا کہ صحیح روایات سے ثابت ہو چکا ہے۔ اور تفسیر ابن کثیرؒ کی اس مفصل عبارت میں (جو مکتبہ امیریہ میں چھوٹ گئی ہے) بھی احادیث اور آثار پر ہی بنیاد رکھی گئی ہے جہاں نہ قیاس کا دخل ہے اور نہ کسی بناوٹ و تصنع کا، اور نہ یہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرگز سلام علی القبور نہ کہتے اور نہ اس کی امت کو تعلیم دیتے۔ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ بالکل بجا ہے مگر مؤلف مذکور نے مجذوب ہیں۔ انھوں نے اس غیر متعلق حوالہ کو یہاں جوڑ دیا ہے۔ قرآن کریم اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کے خلاف جو کچھ کسی نے لکھا ہوگا وہ ضرور باغیوں نے لکھا ہوگا۔ مگر نہ تو اہل قبور کو سلام کہنا ان کو ممنوع طریقے سے پکارنا ہے اور نہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہے بلکہ یہ اس کے عین مطابق اور اس کی تعمیل

ہے جس سے الحاقی ہونے کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ مؤلف مذکور نے جس کتاب کا حوالہ اپنے مزاج مبارک اور اپنی فہم کے خلاف دیکھا ہے۔ بے موقع اور بے محل اور بلاضرورت حضرت مرحوم کے اس حوالہ کو اکسیر اور امرت دھارا سمجھ کر استعمال کیا ہے۔

حافظ ابن القیم رح (المتوفی ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں کہ :-

وقد شرع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لامتہ اذا سلموا علی اھل القبور ان یسلموا علیھم سلام من یخاطبونہ فیقول السلام علیکم دار قوم مؤمنین وھذا خطاب لمن یسمع ویعقل ولولا ذلک لکان ھذا الخطاب بمنزلۃ خطاب المعدوم والجماد والسلف مجمعون علی ھذا وقد تواترت الاخبار عنھم بان المیت یعرف زیارۃ الحی لہ ویستبشر بہ (کتاب الروح ص ۵ طبع حیدرآباد دکن)	تحقیق سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اُمتیوں کے لئے یہ مشروع قرار دیا ہے کہ وہ جب اہلِ قبور کو سلام کریں تو اُن سے ایسے انداز سے سلام کریں جیسے مخاطب سے کیا جاتا ہے اور یہ خطاب ان سے ہے جو سنتے اور سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ خطاب معدوم اور جماد سے ہوتا۔ حالانکہ سلف صالحین رح کا اسی پر اجماع ہے اور تواتر کے ساتھ ان سے یہ خبریں منقول ہیں کہ مُردہ اس زندہ کو (آواز سے) پہچانتا ہے جو اُس کی زیارت کے لئے آتا ہے اور مُردہ کو اس سے خوشی بھی ہوتی ہے۔

حافظ ابن کثیر رح اور حافظ ابن القیم رح اپنے دور میں موحدین کے سربراہ تھے اور جس چیز کے بارے میں ان بزرگوں کو ادنیٰ سا وہم بھی ہو جاتا تھا کہ یہ شرک یا ذریعہ شرک ہے اس کا صاف اور صریح الفاظ میں، جاندار الفاظ میں بے باک قلم سے بلا خوف لومۃ لائم رَد کر دیتے تھے اور اس میں کسی مصلحت یا خطرہ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان موحدین حضرات کا یہ اقرار ہی نہیں بلکہ واضح عقلی اور نقلی دلائل سے یہ ثابت کرنا کہ سماعِ موتیٰ حق ہے۔ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک شرعی دلائل کے پیشِ نظر اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ امام ابو عمر بن عبد البر رح احادیث السلام علی القبور کو ثابتہ متواترہ کہتے ہیں اور حافظ ابن القیم رح بھی ان کے اس قول کی تائید کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب الروح صـ۱۳)۔

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ :-

سماع المیت للاصوات من السلام والقرأۃ حق (اقتضاء الصراط المستقیم صـ۱۸۲ طبع مصر)	مُردے کا سلام و قرأت کی آوازوں کو سُننا حق ہے۔

حضرت ملا علی ن القاری رح لکھتے ہیں کہ :-

فان سائر الاموات ایضاً یسمعون السلام والکلام اھ (مرقات ج ۲ صـ۲۱)	بے شک تمام مُردے بھی سلام و کلام سُنتے ہیں (یعنی یہ سماع صرف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی خصوصیت نہیں ہے)۔

علامہ محمد بن اسماعیل الامیر الیمانی رح (المتوفی ۱۱۸۲ھ) السلام علیکم یا اہل القبور کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ :-

وفیہ انھم یعلمون بالمار بہم وسلامہ علیہم والالکان اضاعۃ الخ (سبل السلام ج ۲ ص۱۵۰ طبع مصر)

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ مُردوں کے پاس سے گزُرنے والوں اور ان کو سلام کہنے والوں کو مُردے (ان کی آواز سے) پہچانتے ہیں۔ ورنہ انھیں سلام کہنا ایک بے ہودہ حرکت ہوتی۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح (المتوفی ۱۳۶۹ھ) السلام علیکم کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ :-

اشارۃ الی انھم یعرفون الزائر ویدرکون کلامہ وسلامہ انتھی (فتح الملھم ج ۱ ص۲۱۳)

اس میں اشارہ ہے کہ مُردے زیارت کرنے والے کو پہچانتے ہیں اور اس کے کلام وسلام کا ادراک وشعوُر رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح (المتوفی ۱۲۹۷ھ) بانیٔ دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ :- سماعِ اموات کے قضیہ میں اوّل تو یہ معروض ہے کہ یہ امر قدیم سے مختلف فیہ ہے۔ دوُسرے ضروُریات دینی اور عقائدِ ضروُریہ میں سے نہیں۔ اس کی تنقیح قرار واقعی تو بعد مرگ ہی معلوم ہوگی۔ اگر بعد مرگ ہم نے اوروں کا سلام وپیام سُن لیا، سماع نہیں تو عدم سماع متحقق ہو جائے گا۔

علاوہ بریں طرفین میں بڑے بڑے اکابر ہیں اگر ایک طرف ہی بالکل ہو رہیئے تو کسی نہ کسی طرف والوں کو برا سمجھنا پڑے گا۔ اس لئے اہلِ اسلام کو یہ ضروری ہے کہ ایسے مسائل میں خواہ مخواہ ایسے چپکے نہ ہو بیٹھیں کہ دوسری طرف کو بالکل باطل نہ سمجھ لیں۔ جب یہ بات گوش گزار خدام ہو چکی تو اب سنئے اپنے خیالِ نارسا کے موافق سمع اموات حدِ اسماع سے تو پرے ہے پر استماع اموات ممکن ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خدا نے تو اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باوجود اس کے سلام اہلِ قبور مسنون کر دیا۔ اگر استماع ممکن نہیں تو پھر یہ بیہودہ حرکت یعنی سلام اہلِ قبور ملحدوں کی زبان درازی کے لئے کافی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کبھی آواز میں ایسی قوت ہوتی ہے کہ بے تکلف ہر صاحبِ سمع اس کو سن لیتا ہے اس صورت میں سمع سامعین حد اسماع میں ہوتا ہے اور کبھی بوجہ ضعفِ آوازِ متکلم سننے والوں کو سر جھکانے اور کان لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس صورت میں اصل میں تو سمع سامعین حد اسماع سے خارج ہوتا ہے پر بعد سر جھکانے اور کان لگانے کے حد اسماع میں آجاتا ہے اس لئے اس کو استماع کہیئے اور نفی سماع کہیئے تو بجا ہے کیونکہ بوجہ ضعف آواز عدم اسماع تو ظاہر ہے مگر جب سامعین کی طرف سے اہتمام ہو تو ان کی طرف سے اخذ اور فعل ظاہر ہے، اور ظاہر ہے کہ استماع میں بہ نسبت سماع ایک مضمون اخذ ہوتا ہے چنانچہ خواص ابواب کے جاننے والے

اور محاورات عرب کو پہچاننے والے ان فرقوں کو خوب جانتے ہیں اھ (جمال قاسمی صدہ / صہ ۹) ۔

علامہ آلوسی رح لکھتے ہیں کہ :-

والحق ان الموتیٰ یسمعون فی الجملة
وھذا علیٰ احد وجھین اولھما
ان یخلق اللّٰہ عزوجل فی بعض
اجزاء المیت قوۃ یسمع بھا متیٰ
شاء اللّٰہ تعالیٰ السلام ونحوہ مما
یشاء اللّٰہ سبحانہ سماعہ ایاہ ولا
یمنع من ذٰلك کونہ تحت اطباق
الثریٰ وقد انحلت ھاتیك البنیة
وانفصمت العریٰ ولا یکاد یتوقف
فی قبول ذٰلك من یجوز ان یری
اعمی الصین بقة اندلس ثانیھما
ان یکون ذٰلك السماع للروح بلا
واسطة قوۃ فی البدن ولا یمتنع
ان تسمع بل ان تحس وتدرك

اور حق بات یہ ہے کہ مُردے فی الجملہ سنتے
ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں پہلی یہ کہ
اللّٰہ تعالیٰ میت کے بعض اجزاء میں ایسی
قوت پیدا کردے جس سے مُردہ جب اللّٰہ تعالیٰ
چاہے، سلام وغیرہ جو کچھ بھی اللّٰہ تعالیٰ کو
منظور ہو سُن لے ۔ اور اس میں اس سے
رکاوٹ نہیں پیدا ہوتی کہ وہ مٹی کے پردوں
کے نیچے پڑا ہوا ہے اور اس کا بدنی ڈھانچہ بھی
ہو چکا ہے اور اس کے جوڑ الگ ہو چکے ہیں
وہ شخص اس کے قبول کرنے میں ذرہ بھر بھی
توقف نہیں کرے گا جو (اللّٰہ تعالیٰ کی قدرت
کے تحت) اس کو جائز سمجھتا ہے کہ چین کا اندھا
اُندلس کے مچھر کو دیکھ لے ۔ اور دوسری صورت
یہ ہے کہ یہ سماع رُوح کو ہو اور اس میں بدنی

مطلقًا بعد مفارقتها البدن ، بدون وساطة قوى فيه وحيث كان لها على الصحيح تعلق لا يعلم حقيقته وكيفيته الا الله عزوجل بالبدن كله او بعضه بعد الموت وهو غير التعلق بالبدن الذي كان لها قبله اجرى الله تعالى سبحانه عادته بتمكينها من السمع وخلقه لها عند زيارة القبر وكذا عند حمل البدن اليه وعند الغسل مثلاً ولا يلزم من وجود ذٰلك التعلق والقول بوجود قوة السمع ونحوه فيها نفسها ان تسمع كل مسموع لما ان السماع مطلقًا وكذا سائر الاحساسات ليس الا تابعًا للمشية فما شاء الله

قوت کا واسطہ نہ ہو اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ روح سُنتے بلکہ بدن سے جدا ہونے کے بعد بغیر بدنی قوتوں کے مطلقاً احساس و ادراک بھی کرے اور روح جہاں کہیں بھی ہو صحیح قول کی بنا پر اس کا مرنے کے بعد کُل یا بعض بدن سے تعلق ہوتا ہے جس کی حقیقت اور کیفیت کو بجز پروردگار کے اور کوئی نہیں جانتا ۔ اور یہ تعلق اس تعلق کے علاوہ ہے جو اس سے قبل (اس دُنیا میں بطور تصرف اور تدبیر کے) بدن کے ساتھ تھا ۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی عادت یہ جاری فرمائی کہ اس کو سُننے کی قدرت دی اور جب قبر کی زیارت کی جاتی ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے لئے اس کو پیدا فرما دیتا ہے اور اسی طرح جب اس کے بدن کو قبر کی طرف اٹھا کر لے جاتے ہیں اور اسی طرح غسل کے وقت بھی رُوح سنتی ہے اور اس تعلق اور اس قول سے کہ خود نفس رُوح میں قوتِ سماعت ہے

تعالیٰ کان وما لم یشاء لم یکن فیقتصر علی القول بسماع ما ورد السمع بسماعہ من السلام ونحوہ وھذا الوجہ ھو الذی یترجح عندی ولا یلزم علیہ التزام القول بان ارواح الموتیٰ مطلقاً فی افنیۃ القبور لما ان مدار السماع علیہ مشیئۃ اللہ تعالیٰ والتعلق الذی لا یعلم کیفیتہ وحقیقتہ الا ھو عزوجل فلتکن الروح حیث شاءت او لا تکن فی مکان کما ھو رأی من یقول بتجردھا اھ (تفسیر روح المعانی ج ۲۱ ص۵۵ و ص۵۸)

یہ لازم نہیں آتا کہ ہر قابلِ سماعت چیز کو وہ سُنے کیونکہ مطلقاً سماع اور اسی طرح باقی تمام حواس اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں۔ سو جو چیز اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہوتی ہے اور جس کو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی پس میت کے سماع کو اس چیز کے سماع پر بند کرنا چاہیے جس کا ثبوت دلیل سمعی سے ہو مثلاً سلام وغیرہ اور یہی وجہ راجح ہے۔ اور اس توجیہ کی بنا پر اس قول کے التزام کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ مُردوں کی رُوحیں قبروں کے کناروں پر ہوتی ہیں کیونکہ دارومدار سماع کا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس تعلق پر ہے جس کی کیفیت اور حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا پس رُوح جہاں بھی چاہے ہو یا کسی مکان میں بھی نہ ہو جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے جو اس کے تجرد کے قائل ہیں (بہرحال تعلق مع البدن اور سماعت

بھی ثابت ہے)۔

اس واضح اور صریح عبارت سے علامہ آلوسی رح کا سماع موتیٰ کے بارے میں نظریہ بالکل عیاں ہو گیا ہے اور یہ پوری عبارت حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح نے فتح الملہم ج ۲ صفحہ ۴۷۹ میں نقل کی ہے اور اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت مولانا عثمانی رح بھی اس مسئلہ میں علامہ آلوسی رح کے ہمنوا ہیں کہ مُردے عند القبور فی الجملہ سُنتے ہیں جس میں سلام وغیرہ بصراحت مذکور ہے۔ اس مفصّل اور روشن و صاف عبارت کے بعد بھی اگر کوئی شخص (مؤلف ندائے حق کی طرح) یہ دعویٰ کرے کہ علامہ آلوسی رح اور علامہ عثمانی رح مطلق سماعِ موتیٰ کے منکر ہیں تو کیا شخص دھوکے میں مبتلا ہے اور خالص تعصب سے کام لے رہا ہے۔ بلکہ علامہ عثمانی رح فتح الملہم کے اسی صفحہ میں ان مذکورہ بالا عبارت سے قبل تصریح فرماتے ہیں کہ:۔

قال العبد الضعیف عفا اللہ تعالیٰ عنہ والذی تحصل لنا من مجموع النصوص واللہ تعالیٰ اعلم ان سماع الموتیٰ ثابت فی الجملۃ بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ واما اسماع احیاء ایاھم فمنفی بسیاق القرآن العزیز	بندۂ ضعیف اللہ تعالیٰ اُسے معاف کرے کہتا ہے کہ جو چیز ہمیں مجموعہ نصوص سے حاصل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ تو سب سے بہتر جانتا ہے یہ ہے کہ مُردوں کا سماع فی الجملہ بہت سی صحیح احادیث سے ثابت ہے باقی ہم (زندہ) بندوں کا مُردوں کو سنانا

وتحقيقه على ما حرره شيخنا قاسم العلوم والخيرات قدس الله تعالى روحه في بعض مكاتيبه اهـ (فتح الملهم ج ۲ ص ۳۷۳)

تو وہ قرآن کریم کے سیاق سے متفق ہے (یعنی نفی اسماع کی ہے نہ کہ سماع کی) اور اس کی تحقیق جیسے ہمارے استاد الاساتذہ قاسم العلوم والخیرات مولانا نانوتوی رح نے اپنے ایک مکتوب میں کی ہے ویسے ہے

اور اس کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کی اس عبارت کا عربی میں ترجمہ کیا ہے جو ہم نے پہلے جمال قاسمی کے حوالہ سے مفصل عرض کر دی ہے۔ غرضیکہ سماع موتی کا مسئلہ احادیث کی روشنی میں اتنا واضح ہے کہ جو حضرات شد و مد سے سماع موتی میں متشدد ہیں یا جن کو سماع موتی کا منکر سمجھا گیا ہے وہ بھی کلیۃً سماع موتی کا انکار نہیں کرتے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ اجسام نہیں سنتے؛ ارواح سنتی ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی (المتوفی ۱۲۳۰ھ) إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ مُردوں سے سلام علیک کرو، وہ سنتے ہیں اور بہت جگہ مُردوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ اس کی تطبیق یہ ہے کہ مُردے کی روح سنتی ہے جو قبر میں پڑا ہے دھڑ وہ نہیں سنتا ملخصاً (تفسیر موضح القرآن ص ۴۲۳)

ہمارے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر سماع کا تعلق صرف جسم اور دھڑ سے تسلیم کیا جائے تو جسم نہیں سن سکتا اور معلوم بھی اسلامی فرقوں میں ایسا کوئی بھی نہیں جو قبر کے سوال اور عذاب و راحت کا تعلق بلا اعادہ روح صرف جسم سے تسلیم کرتا ہو۔

(تسکین الصدور ملاحظہ فرمائیں) اور اگر سماع کا تعلق روح سے ہو تو بلا شبہ روح سنتی ہے اور صحیح احادیث اور جمہور امت کے واضح ارشادات کے مطابق قبر میں روح کا جسم سے باقاعدہ تعلق ہے تو پھر سماع کیوں نہ ہو؟

ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب اس مسئلہ میں عدم سماع کے قائل ہونے کے باوجود یہ فرماتے ہیں:۔ "اور تحقیق سماع موتیٰ کے متعلق یہ ہے کہ بدن نہیں سنتے جیسا کہ (انک لا تسمع الموتیٰ) آیت سے معلوم ہوتا ہے اور بدن کی آیات بھی دال عدم سماع موتیٰ پر ہیں اور روح زندہ ہے وہ سنتی ہے جب قریب ہو۔ یہاں نزاع امام صاحب اور امام شافعیؒ کا اس بات میں ہے کہ آیا روح قبور کے نزدیک یا علیین میں۔ باقی پوری تحقیق کا یہ مقام نہیں۔" (تفسیر بلغۃ الحیران ص۲۵۶)

اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قبر کے قریب اگر کوئی سلام وغیرہ کرے تو حضرت مرحوم کے نزدیک روح سنتی ہے۔ غور فرمائیے کہ فی الجملہ سماع موتیٰ کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ باقی روح اگر علیین میں بھی ہو تو جمہور اہل السنت کے نزدیک اس کا تعلق قبر میں اس کے بدن کے ساتھ بھی ہوتا ہے (تسکین الصدور ملاحظہ فرمائیں)

خود امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) اپنی کتاب فقہ اکبر میں تصریح فرماتے ہیں کہ:۔

واعادة الروح الى العبد فى قبره حق (فقہ اکبر مع الشرح لملا علی قاری ص ۱۰۱ طبع کانپور) — قبر میں روح کا بندے کی طرف لوٹایا جانا حق ہے۔

اور کیوں نہ ہو جبکہ صحیح احادیث سے اعادۂ روح الی الابدان ثابت ہے (تفصیل کے لئے تسکین الصدور دیکھئے) تو حضرت امام صاحب رح بھلا ان صریح اور صحیح احادیث کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟ ہم نے البیان الازہر کے مقدمہ میں محققین علماء اسلام کے حوالے سے یہ بات عرض کر دی ہے کہ الفقہ الاکبر حضرت امام ابو حنیفہ کی ہی تالیف ہے یہ دعویٰ کرنا کہ یہ ان کی کتاب ہی نہیں تحقیق اور انصاف سے کوسوں دور ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی رح (المتوفی ۱۲۲۵ھ) اس سوال کا جواب کہ جب ارواح علیین اور سجین میں ہے اور ابدان قبور میں تو پھر ان کا آپس میں جوڑ کیسے ہے؟ جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

قلنا وجه التطبيق ان مقر ارواح المومنين في عليين او في السماء السابعة ونحو ذلك كما مر ومقر ارواح الكفار في سجين ومع ذلك لكل روح منها اتصال بجسده في قبره لا يدرك كنهه الا الله تعالى وبذلك الاتصال يصح ان يعرض على الانسان المجموع المركب من الجسد والروح مقعده

ہم کہتے ہیں کہ تطبیق اس طور پر ہے کہ مومنوں کے ارواح کا مستقر علیین یا ساتویں آسمان اور اس کی مانند کوئی اور جگہ ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور کفار کے ارواح کا ٹھکانہ سجین ہے لیکن باایں ہمہ ہر روح کا قبر میں جسم کے ساتھ تعلق ہے جس کی حقیقت بجز پروردگار کے اور کوئی نہیں جانتا اور اس اتصال کی وجہ سے صحیح ہے کہ انسان پر جو جسم اور روح دونوں

من الجنة او النار ویحس باللذة
او الالم ویسمع سلام الزائر ویجیب
المنکر والنکیر ونحو ذلک مما ثبت
بالکتاب والسنة اهـ (تفسیر
مظهری ج ۱۰ ص ۱۲۴ و ص ۱۲۵)

کے مجموعہ اور مرکب کا نام ہے اس کا ٹھکانہ
جنت یا دوزخ کا پیش کیا جائے اور وہ لذت
یا دکھ محسوس کرے اور زیارت کرنے والے کا
سلام سنے اور منکر نکیر کو جواب دے اور اسی
کی مانند اور امور جن کا کتاب و سنت سے
ثبوت ہو چکا ہے۔

الغرض روح کا علیین وغیرہ میں رہنا اس کا متقاضی نہیں کہ قبر میں بدن کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ ہاں اس امر کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سماع وغیرہ برزخی امور کا اصل تعلق روح سے ہے کیونکہ بغیر روح کے بدن کے عذاب و راحت اور سماع کا کوئی معنی نہیں کیونکہ بدن بغیر روح کے تو جماد ہے لہٰذا ان امور کا مدار روح پر ہے لیکن بدن کا تعلق بھی اس کے ساتھ بدستور رہتا ہے۔

فقیہ کامل المحدث الجلیل نمونۂ سلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) کی سماع موتیٰ کے بارے میں چند ضروری عبارات ملاحظہ فرمائیں:-

(۱) باب قول المیت وهو علی الجنازة
قدمونی واعلم ان مسألة کلام المیت
وسماعه واحدة وانکرها الحنفیة العصر
وفی رسالة غیر مطبوعة لعلی القاریؒ

باب اس امر کے بیان میں کہ مردہ چارپائی
پر ہوتا ہے اور یہ کہتا ہے مجھے آگے لے چلو
جاننا چاہیئے کہ میت کے کلام کرنے کا اور اس
کے سماع کا مسئلہ ایک ہی ہے اور ہمارے

ان احداً من ائمتنا لم يذهب الى
انكارها وانما استنبطوها من مسألة
في باب الايمان وهي حلف رجل
ان لا يكلم فلاناً فكلمه بعد ما دفن
لا يحنث قال القاريؒ ولا دليل فيها
على ما قالوا فان مبنى الايمان على
العرف وهم لا يسمونه كلاماً واذكره
الشيخ ابن الهمام رحمه الله تعالى
ايضاً في الفتح ثم اورد على نفسه ان
السماع اذا لم يثبت فما معنى السلام
على القبور واجاب عنه انهم
يسمعون في هذا الوقت
فقط ولا دليل فيه على
العموم ثم عاد فاثبت
انه ثبت منهم سماع
قرع النعال ايضاً فاجاب
عنه بمثله اقول والاحاديث

اس وقت کے حنفیوں نے اس کا انکار کیا ہے
اور حضرت ملا علی بن القاریؒ کے ایک غیر مطبوعہ
رسالہ میں ہے کہ ہمارے ائمہ احناف میں سے کوئی
بھی انکار سماع کے مسئلہ کی طرف نہیں گیا۔ تحقیقی
بات یہ ہے کہ (متاخرین) فقہاء نے باب الایمان
کے ایک مسئلہ سے عدم سماع موتی کا استنباط
کیا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے قسم
کھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کرے گا پس اس
نے اس سے اس کے دفن ہونے کے بعد کلام
کیا تو حانث نہ ہوگا۔ ملا علی بن القاریؒ فرماتے
ہیں کہ اس مسئلہ سے عدم سماع موتی ثابت نہیں
جیسا کہ ان حضرات نے ثابت کیا ہے کیونکہ
دارومدار قسموں کا عرف پر ہے اور اہل عرف
اس کو کلام نہیں کہتے اور ابن الہمامؒ نے
فتح القدیر میں سماع موتی کا انکار کیا ہے اور
اپنے اوپر یہ سوال وارد کیا ہے کہ جب سماع ثابت
نہیں تو قبر پر سلام کہنے کا کیا مطلب؟ اور اس کا

فی سمع الاصوات قد بلغت
مبلغ التواتر و فی حدیث
صححہ ابو عمران احدًا
اذا سلم علی المیت فانہ
یرد علیہ و یعرفہ ان
کان یعرفہ فی الدنیا
(بالمعنی) واخرجہ ابن کثیرؒ
ایضًا وتردد فیہ فالانکار
فی غیر محلہ سیما اذا
لم ینقل عن احد من
ائمتنا رحمہم اللہ تعالٰی
فلا بد بالتزام السماع
فی الجملۃ واما الشیخ
ابن الہمام رحمہ اللہ تعالٰی
فجعل الاصل ھو النفی
وکل موضع ثبت
فیہ السماع جعلہ مستثنٰی

یہ جواب دیا کہ مردے صرف سلام کے وقت ہی
سنتے ہیں اور اس میں عموم پر کوئی دلیل نہیں ہے
پھر لوٹے اور یہ اشکال پیش کیا کہ جوتیوں کی
کھٹکھٹاہٹ سننے کا ثبوت بھی مردوں سے
ہے تو اس کا بھی انھوں نے ایسا ہی جواب دیا
میں (انور شاہ) کہتا ہوں کہ مردوں کے سننے
کی احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور ایک
حدیث میں آتا ہے جس کی تصحیح امام ابو عمران
عبد البرؒ نے کی ہے کہ جب مردہ پر سلام کیا
جاتا ہے تو وہ اس کا جواب بھی دیتا ہے اور اگر
وہ اس کو دنیا میں پہچانتا ہے تو (آواز سے) پہچان
بھی لیتا ہے۔ (یہ روایت بالمعنی نقل کی گئی
ہے) اور اس روایت کو ابن کثیرؒ نے بھی
بیان کیا ہے اور اس میں انھوں نے تردد کیا
ہے، پس سماع موتٰی کا انکار بالکل بے موقع
ہے خاص طور پر جبکہ ہمارے ائمہ احناف میں
سے کسی سے یہ منقول نہیں تو ضروری ہے

ومقتصرًا على المورد قلت
اذن ما الفائدة في عنوان
النفي وما الفرق بين نفي السماع
ثم الاستثناء في مواضع كثيرة
وادعاء التخصيص وبين اثبات
السماع في الجملة مع الاقرار
بانا لا ندري ضوابط اسماعهم
فان الاحياء اذا لم يسمعوا في
بعض الصور فمن ادعى الطرد
في الاموات ولذا قلت بالسماع
في الجملة بقي القرآن فامره صعب
قال تعالى فانك لا تسمع الموتى
وقال وما انت بمسمع من في
القبور وهو بظاهره يدل على
النفي مطلقًا فقيل بالفرق بين
السماع والاسماع والنفي هو
الثاني دون الاول والمطلوب

کہ فی الجملہ سماع کا التزام کیا جائے، باقی رہے شیخ
ابن الہمام رح تو انہوں نے اصل نفی سماع کو قرار دیا
ہے اور ہر وہ ایسی جگہ جہاں سماع ثابت ہے (مثلاً
حدیث قرع نعال اور سلام وغیرہ) تو اسکو انہوں
نے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اس کو اپنے مورد پر
بند کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پھر اس وقت عنوان
نفی کا کیا فائدہ؟ اور کیا فرق نکلے گا نفی سماع کا،
پھر بہت سی جگہوں میں استثناء اور ادعائے
تخصیص کا اور فی الجملہ اثباتِ سماع کا، باوجود
اس اقرار کے کہ ہم مُردوں کو سنانے کے ضوابط
نہیں جانتے؟ کیونکہ بسا اوقات زندہ لوگ بھی
بعض صورتوں میں نہیں سنتے پس مُردوں میں
ہمہ وقت سننے کا کون دعویٰ کر سکتا ہے؟ اور اسی
لئے میں فی الجملہ سماعِ موتیٰ کا قائل ہوں۔ رہا قرآن
کریم کا معاملہ تو وہ مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں
بے شک تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا اور نیز فرمایا
اور تو ان کو نہیں سنا سکتا جو قبروں میں ہیں

والاستماع كلها بمعنى	جو اب ختم ہو چکی ہے۔ اسی طرح یہ نہ سنا ہوگ
عدم العمل لان السمع	بھی گروہ ہیں تو زندہ ہی مگر میری ہدایت کو مفید
يكون للعمل فاذا لم	نہیں ہے کیونکہ یہ ہدایت سے نفع نہ اٹھانے
يعمل به فكانه	میں مُردوں کی طرح ہیں۔ سو اس آیت سے
لم يسمعه تقول قلت	غرض نفی سمع نہیں ہے بلکہ نفی انتفاع ہے۔
له مرارًا ان لا يترك	میں کہتا ہوں کہ عدم سماع اور عدم استماع
الصلوة ولكنه لا يسمع	سب کے سب ایک ہی معنی میں ہیں یعنی عمل
كلامي اي لا يعمل به يقال	نہ کرنا کیونکہ سننا تو عمل کے لئے ہوتا ہے پس
في الفارسية نشنود	جب اس پر عمل نہ کیا گیا تو گویا سنا ہی نہیں
يعني عمل نمي كند	تو جب وقت کسی بے نماز کے بارے میں کہتے
فلو قال الشيخ رحمه الله	ہو کہ میں نے کئی بار اس کو نماز نہ ترک کرنے
تعالى ان من في القبور	کو کہا مگر وہ میری بات نہیں سنتا یعنی اس پر
لا يعملون لدخل	عمل نہیں کرتا اور فارسی میں کہا جاتا ہے نہ
الكلام في اللغة ولم يبق	وہ سنتا نہیں یعنی عمل نہیں کرتا۔ سو اگر امام
رتاويلا بل الاحسن ان	سیوطی یہ فرما دیتے کہ اہل قبور عمل نہیں کرتے
يقال مانحن فيه فان قلت	تو پھر یہ کلام لغت کی مد میں داخل ہو جاتا اور
ان الاموات اذا ثبت لهم	تاویل نہ ہوتا۔ بلکہ احسن بات یہ ہے کہ کہا جائے

السماع فهل لهم الانتفاع
به ايضا او مجرد سماع الصوت
فقط فقد ثبت الصوت من مات
على الخير فانه ينتفع به
ايضا واما من مات على الشر
والعياذ بالله فاين له ان
ينتفع اذا لم ينتفع به
في الدنيا وليس له الا سماع
الصوت والوجه الثاني في
التفصي عن الآية ان هذا
السماع الذي نحن بصدده
اثباته من عالم البرزخ اخبرنا
به المخبر الصادق فامنا به
اما في عالمنا فهو معدوم ولا
يلزم للقرآن ان يعبر بما ياتي
على العالمين فجاز ان يكون
نفي السماع بحسب عالمنا فان

مانتے نہیں اگر تو کہے کہ جب مُردوں کے لئے
سماع ثابت ہو گیا تو کیا وہ اس سے فائدہ بھی اُٹھاتے
ہیں یا ان کو محض آواز ہی پہنچتی ہے؟ میں جواب
میں کہوں گا کہ جو شخص خیر پر مرا اس کو تو آواز سے
بھی فائدہ پہنچتا ہے اور جو شخص شر پر مرا
(اللہ تعالیٰ کی پناہ) تو اس کے لئے کیا فائدہ۔
کیونکہ جب اس شخص نے زندگی میں فائدہ نہیں
اُٹھایا تو اب کیا اُٹھائے گا۔ ایسے شخص کو صرف
آواز ہی سنائی دے گی وہ بس۔ اور دوسری
وجہ اس آیت کریمہ کے اشکال سے جان چھڑانے
کی یہ ہے کہ یہ سماع جس کے اثبات کے ہم درپے
ہیں عالم برزخ سے ہے اور ہمیں مخبر صادق صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے سو ہم
اس پر ایمان لاتے ہیں۔ رہا یہ سماع ہمارے
اس جہان کے اعتبار سے تو وہ معدوم ہے اور
قرآن کریم کے لئے یہ لازم نہیں کہ ایسی تعبیر کرے
جو دونوں جہانوں (اس جہان اور برزخ) پر

التشبيهات تكون للتوضيح فقط ولما كان من في القبور كالعدم في عالمنا ليس لهم سماع ولا علم ولا شئ جاز له ان ينفي عنهم السماع ايضاً والقول بان الاموات اذا ثبت لهم السماع عند القرآن لم يستقم له التشبيه بالاموات جهل وسفه فان التشبيه انما ورد بحسب علمنا

فٹ اترے۔ پس جائز ہے کہ نفی سماع ہمارے (تکلیفی) عالم کے لحاظ سے ہو کیونکہ تشبیہات صرف توضیح کے لئے ہوتی ہیں اور جب وہ لوگ جو قبروں میں ہیں، ہمارے عالم کے لحاظ سے معدوم ہیں تو اس اعتبار سے نہ تو ان کے لئے سماع ہے نہ علم اور نہ کوئی اور شئے، تو جائز ہے کہ اُن سے (اپنے اس عالم کے لحاظ سے) سماع کی نفی بھی کی جائے اور یہ کہنا کہ قرآن کریم کے رو سے جب مُردوں کے لئے سماع ثابت ہے تو مُردوں کے ساتھ ان کی تشبیہ دُرست نہیں ہے، ایک خالص جہالت اور حماقت ہے کیونکہ تشبیہ تو ہمارے علم اور عالم کے مطابق وارد ہوئی ہے۔

وعالمنا وان ثبت السماع عنده فاذا كانوا معدومين في عالمنا لطف التشبيه لا محالة اما قوله صلى الله عليه وسلم نم كنومة العروس فقد مر

اگرچہ اُن کے ہاں سماع ثابت ہے اور مُردے جب ہمارے عالم کے لحاظ سے معدوم ہیں تو لامحالہ تشبیہ میں لطافت ظاہر ہو گئی۔ رہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ مُردوں سے

الکلام فلا نعیدہ انتہی (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۶ و ص ۴۶۸)

(دفن کے بعد کہا جاتا ہے کہ تو ایسا سو جا جیسے دُلھن مزے سے سوتی ہے تو اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے سو ہم اسکا اعادہ نہیں کرتے

اس عبارت میں بے شمار فوائد ہیں۔ چند ضروری یہ ہیں :- (۱) کلامِ میت اور سماعِ میت کا مسئلہ اور حکم ایک ہی ہے۔ (۲) اس زمانہ کے احناف نے سماعِ موتیٰ کے مسئلہ کا انکار کیا ہے (۳) حضرت ملا علی بن القاری رح نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ لکھا ہے کہ ہمارے ائمہ (حضرت امام ابو حنیفہ رح، امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح وغیرہ) میں سے کوئی ایک بھی سماعِ موتیٰ کا منکر نہیں تھا۔ (۴) یہ مسئلہ لوگوں نے خود باب الایمان کی ایک جزئی سے استنباط کیا ہے جس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے (۵) حافظ ابن الہمام رح نے سماعِ موتیٰ کا انکار کیا ہے لیکن قرعِ نعال اور سلام کا سننا انھوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ (۶) سماعِ موتیٰ کی احادیث متواتر ہیں۔ (۷) صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مردہ سلام کہنے والے کے سلام کو سنتا اور اس کا جواب دیتا ہے (۸) سماعِ موتیٰ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ہمارے ائمہ سے انکار ثابت نہیں ہے (۹) حافظ ابن الہمام رح نے اصل ضابطہ عدم السماع قرار دیا ہے اور جن مواضع میں سماع ثابت ہے ان کو انھوں نے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ (۱۰) لیکن بہ تعبیر عنوانِ نفی کا کیا فائدہ ہے؟ اور نفیِ سماع کا بہت سی جگھوں میں استثناء اور تخصیص کے دعوے کا اور فی الجملہ اثبات سماع کا کیا

فرق نکلے گا؟ کیونکہ نتیجہ تو بہرکیف سماع موتی ہی نکلتا ہے (١١) اور پھر مُردوں کے سنانے کا کیا ضابطہ ہے؟ کیونکہ بعض صورتوں میں زندہ بھی (جبکہ اس کی توجہ نہ ہو یا سُنانے والے کی آواز ضعیف و کمزور ہو کما مرّ عن قاسم العلوم والخیرات) تو نہیں سُنتا پھر مُردوں کے بارے میں ضابطہ کا کیا معنی ہے؟

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس بیان اور تقریر کو پیش نظر رکھتے ہوئے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فتح الملہم کی اس عبارت میں ان کا صحیح مفہوم نہیں ادا کیا جا سکا۔

وھذا معنی ما قال الشیخ الانورؒ ان الضابطة انما ھو عدم السماع لکن المستثنیات فی ھذا الباب کثیرة اھ (ج ۲ ص ۳۷۹)

اور یہ معنی ہے جو کچھ کہ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ ضابطہ تو عدم سماع ہے لیکن اس باب میں بہت سی اشیاء (مثلاً سلام وغیرہ) اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر سے ظاہر ہے کہ وہ یہ ضابطہ تسلیم اور بیان نہیں فرما رہے بلکہ یہ ضابطہ انھوں نے حافظ ابن الہمامؒ سے نقل کیا ہے اور پھر اس پر گرفت کی ہے اور ان کے ساتھ خرخشی کی ہے جیسا کہ ان کی اس تقریر سے بالکل ظاہر ہے اور یہ کسی بھی اہل علم پر مخفی نہیں۔ باقی مجذوبوں کو سمجھانا مشکل ہے۔

(١٢) قرآن کریم میں انک لا تسمع الموتیٰ اور وما انت بمسمع من فی القبور کے ظاہری الفاظ سے معاملہ مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے بظاہر سماع موتیٰ کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ (١٣) لیکن اگر باریک بینی سے کام لیا جائے تو اس میں

کوئی اشکال نہیں کیونکہ اس کے صحیح محامل اور معانی موجود ہیں چنانچہ اس کے معنی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سماع اور اسماع میں فرق ہے، یہاں اسماع کی نفی ہے سماع کی نہیں اور ہمارا مقصود سماع ہے نہ کہ اسماع۔ (۱۴) امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سماعِ موتیٰ ثابت ہے جس پر صحیح آثار دلالت کرتے ہیں۔ اس آیت میں نفی ایسے سماع کی ہے جس سے ہدایت اور فائدہ حاصل ہو۔ یعنی یہ زندہ کفار ہدایت سے فائدہ حاصل نہ کرنے میں ایسے ہی ہیں جیسے مردے کیونکہ ان کے انتفاع کا وقت ہی اب جاتا رہا ہے لہٰذا اس سے مطلوب نفی سماع نہیں ہے بلکہ مطلوب نفی انتفاع ہے۔ (۱۵) حضرت شاہ صاحب اپنا فیصلہ یہ دیتے ہیں کہ عدم اسماع وسمع اور استماع سب کا مفہوم ایک ہے اور وہ عمل نہ کرنا ہے کیونکہ سننا عمل کے لئے ہوتا ہے اور جب عمل نہ کیا تو گویا سنا ہی نہیں۔ جیسے تم کسی سے نماز کے بارے میں بار بار کہو اور وہ نماز نہ پڑھے تو تم کہو گے کہ میری تو وہ سنتا ہی نہیں یعنی مانتا نہیں اور عمل نہیں کرتا۔ اور ایسے ہی موقع پر فارسی میں کہا جاتا ہے نشنود۔ اگر شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اس کی یہ تعبیر کر لیتے کہ یہ تو عمل نہیں کرتے تو پھر گفتگو لغت میں ہوتی اور تاویل نہ ہوتی۔ (۱۶) جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مردے سنتے ہیں تو کیا اس سے ان کو فائدہ بھی ہوتا ہے یا وہ نری سنتے ہیں؟ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو آدمی نیکی کی حالت پر مرا اس کو اس سماع سے فائدہ بھی ہوتا ہے کیونکہ مومن اور نیک آدمی کو قرآن پاک اور سلام وغیرہ کا یہ

ثواب سے فائدہ ہی فائدہ ہے) لیکن جس بدقسمت کی وفات ہی بدی پر ہوئی ہو (العیاذ باللہ تعالیٰ) تو اس کو اس سے کیا حاصل؟ کیونکہ جب اس نے اس سے زندگی میں فائدہ اور نفع حاصل نہیں کیا تو اب کیا کرے گا؟ ؎

اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

تو ایسے شخص کے حق میں صرف آواز ہی سُننے کا حصّہ ہے اور بس (۱۷) اس آیت کریمہ کے ظاہری اشکال سے گلو خلاصی کی دُوسری وجہ یہ ہے کہ جس سماع کے اثبات کے درپے ہم ہیں وہ عالم برزخ کا معاملہ ہے۔ ہمیں مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے سو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ رہا ہمارے عالم اور جہان کا معاملہ، تو اس کے حق میں وہ معدوم ہے (بایں طور کہ ہم اسکا ادراک و احساس نہیں کر سکتے) اور قرآن کریم کے لئے یہ لازم نہیں کہ اس کی ایسی تعبیر کرے جو عالم برزخ اور ہمارے اس عالم دونوں پر فٹ بیٹھے۔ پس جائز ہے کہ ہمارے عالم کے اعتبار سے نفی سماع ہو کیونکہ تشبیہات صرف وضاحت کرنے کے لئے ہوتی ہیں اور وہ لوگ جو قبور میں ہیں ہمارے عالم کے لحاظ سے کالعدم ہیں اور ہمارے عالم کے لحاظ سے نہ ان کے لئے سمع ہے نہ علم ہے اور نہ کوئی اور شئے، تو جائز ہے کہ اپنے عالم کے لحاظ سے ان سے سماع کی بھی نفی کی جائے۔ (۱۸) رہا یہ سوال کہ جب مُردوں کے لئے سماع ثابت ہے تو پھر ان زندوں کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ کیوں دی گئی ہے؟ تو یہ سوال نری جہالت اور خالص حماقت ہے کیونکہ تشبیہ ہمارے

علم اور ہمارے عالم کے لحاظ سے ہے اگرچہ قرآنِ پاک کے رُو سے ان کے لئے سماع ثابت ہے (١٩) اور جب وہ ہمارے عالم کے لحاظ سے معدوم ہیں تو یہ تشبیہ لامحالہ درست اور صحیح ہے (٢٠) رہی وہ حدیث جس میں آتا ہے کہ مُردے کو کہا جاتا ہے سو جا جیسے دُلہن سوتی ہے (جس سے اس کے عدمِ احساس کا شبہ ہوتا ہے) تو اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔ فیض الباری میں اجاقط میں فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حیاتِ برزخیہ کو نیند سے تشبیہ دی گئی ہے۔ تو جیسے اس عالم کی حیات الگ نوع کی ہے اسی طرح وہاں کی نیند بھی الگ ہے جس کا مطلب اس جہان سے انقطاع ہے (نہ یہ کہ ان کو وہاں ادراک و شعور ہی نہیں رہتا جیسا کہ نیند کی رات میں ہوتا ہے)۔

(٢) قوله السلام عليكم الخ ظاهر حديث الباب وغيره من كثير من الاحاديث يدل على سماع الموتى واشتهر على السنة الناس ان الموتى ليس لهم سماع عند ابي حنيفة وصنف ملا علي القاري رح رسالة وذكر فيها ان المشهور ليس له اصل من الائمة اصلاً بل اخذ هذا من مسئلة في باب الايمان انه اذا حلف

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مُردوں کو السلام علیکم کہنا الخ اس باب کی حدیث اور اس کے علاوہ بہت سی حدیثوں کا ظاہری پتا دیتا ہے کہ مُردے سُنتے ہیں اور کچھ لوگوں کی زبانوں پر یہ مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک مُردے نہیں سنتے لیکن ملا علی قاری رح نے ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ اس مشہور

انہ لایتکلم مع فلان فمات الرجل
فتکلم معہ علی قبرہ میّتا لایحنث
اقول ان وجہ عدم الحنث ان مبنی
الایمان علی العرف واھل العرف لا
یعلمون ان الموتٰی تسمع والمحقق
ان اباحنیفۃ لاینکر سمع الاموات
وان خالف ابن الھمام وقال ان الموتٰی
لاتسمع وان ذخیرۃ الحدیث تدل
علی سمع الموتٰی وقال الشیخ ان الموتٰی
لاتسمع ویستثنی منہ سمع قرع
النعال والسلام علیکم اقول لوقلنا
یسمع الموتٰی لا اشکال فاذ ثبت
بقدر مشترک تواترا فی الحدیث
ولانتعرض الی التخصیصات
المتکلفۃ وسیما اذا لم یرد
الانکار عن ائمتنا الثلاثۃ
اما الآیات المشیرۃ الی عدم

قول کی امہ رہ سے بالکل کوئی اصل نہیں
ہے بلکہ یہ مسئلہ باب یمان کے مسئلہ سے لیا
گیا ہے کہ جب کوئی شخص قسم اٹھائے کہ فلاں
سے بات نہیں کرے گا اور وہ مرگیا تو قسم
اٹھانے والے نے مرنے والے کی قبر پر اس
سے گفتگو کی تو حانث نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں
کہ حانث نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مدار قسم
کا عرف پر ہے اور اہلِ عرف نہیں جانتے کہ
مُردے سنتے ہیں اور تحقیقی بات یہ ہے
کہ امام ابو حنیفہ رہ سماعِ موتیٰ کے منکر نہیں
ہیں اگرچہ اس میں ابن الھمام رہ نے مخالفت
کی ہے اور یہ کہا ہے کہ مُردے نہیں سُنتے۔
مگر احادیث کا ذخیرہ سماعِ موتیٰ پر دلالت
کرتا ہے اور شیخ ابن الھمام رہ نے یہ تو کہا
کہ مُردے نہیں سُنتے مگر جوتیوں کی آواز کا
سُننا اور سلام کا سُننا اس سے مستثنیٰ قرار
دیتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر ہم یہ کہیں کہ

السمع فلها محامل حسنة قال
التفتازانی فی شرح المقاصد ان
علم المیت مجمع علیہ ولکنہ
لاحرکۃ لہ اقول ان نقل اجماع
التفتازانی فی حیز الخفاء
واما نفی الحرکۃ ففی فتاوٰی
ابن حجر العسقلانی ولم
تنطبع ان حرکۃ الروح وایابہ
وذھابہ ثابت فی الشریعۃ
وذکر بعض التفصیل السیوطیؒ
فی رسالتہ (العرف الشذی
صـ ۳۵۳)

مُردے سنتے ہیں تو اس میں سرے سے کوئی
اشکال ہی نہیں کیونکہ قدرِ مشترک کے طور پر اس
میں متواتر حدیثیں ثابت ہیں اور ہم ان
تخصیصات کے درپے نہیں ہوتے جو تکلفات پر
مبنی ہیں خصوصاً جبکہ سماعِ موتی کا انکار ہمارے
تینوں اماموں (امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ
اور امام محمد رحؒ) سے ثابت اور وارد نہیں ہوا۔
باقی رہیں وہ آیات جو عدم سماع کی طرف اشارہ
کرتی ہیں تو ان کے اچھے محامل اور معانی موجود
ہیں۔ علامہ تفتازانی رحؒ شرح مقاصد میں لکھتے ہیں
کہ میت کے علم پر سب کا اتفاق ہے لیکن مُردہ
حرکت نہیں کرتا۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ تفتازانیؒ
کا اجماع نقل کرنا حیزِ خفاء میں ہے۔ رہی حرکت
کی نفی تو حافظ ابن حجر رحؒ کے فتاوٰی میں ہے جو ابھی
تک طبع[1] نہیں ہوا کہ روح کا حرکت کرنا اور اس کا
آنا اور جانا شریعت سے ثابت ہے اور اس کی کچھ تفصیل
امام سیوطیؒ نے اپنے رسالہ (شرح الصدور) میں ذکر کی ہے۔

---

[1] اب طبع ہو چکا ہے۔ صفدر)

اس عبارت میں بہت سے فوائد ہیں۔ بعض یہ ہیں۔ (۱) باب کی یہ اور دیگر بے شمار حدیثیں سماعِ موتیٰ پر دلالت کرتی ہیں (۲) عام لوگوں کی زبان پر یہ دعویٰ جاری ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ سماعِ موتیٰ کے منکر ہیں لیکن حضرت ملا علی بن القاری رحمۃ نے تصریح فرما دی ہے کہ اس سلسلہ میں ائمہ رحمۃ میں سے کسی سے بھی کچھ منقول نہیں ہے صرف لوگوں کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے (۳) عدم سماع کا مسئلہ باب الایمان سے ماخوذ ہے جس کی حقیقت ہی جدا ہے جیسا کہ آگے آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ (۴) محقق بات یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ سماعِ موتیٰ کے منکر نہیں ہیں (۵) حافظ ابن الھمام رحمۃ نے اگرچہ سماعِ موتیٰ کا انکار کیا ہے لیکن فرعِ نعل اور السلام علیکم سننے کے وہ بھی قائل ہیں اور پھر انھوں نے روضۂ اقدس کے اندر تینوں بزرگ ہستیوں کی قبور پر استشفاع کا فتویٰ دیا ہے جو سماع کی فرع ہے (۶) سماعِ موتیٰ کے بارے میں حدیثیں قدرِ مشترک کے طور پر متواتر ہیں۔ (۷) لہٰذا تخصیصات و تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں ہے (۸) حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اور حضرت امام محمد رحمۃ ہمارے تینوں بزرگوں سے سماعِ موتیٰ کا انکار ثابت نہیں ہے۔ (۹) عدمِ سماع پر دال آیات کے اپنے مقام پر صحیح محامل موجود ہیں (۱۰) علامہ تفتازانی رحمۃ نے اس بات پر کہ مردہ جانتا ہے اور اس بات پر کہ وہ حرکت نہیں کرتا۔ اجماع نقل کیا ہے۔ لیکن دوسری چیز کہ وہ حرکت نہیں کرتا، مسلّم نہیں کیونکہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ نے اپنے فتاویٰ

میں شرعی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ روح کا حرکت کرنا اور آنا جانا ثابت ہے اس کی کچھ مزید تفصیل آگے فیض الباری کے حوالے سے آرہی ہے انشاء اللہ العزیز۔

(۳) ثم اطلعت على رواية فيها غشي الارواح اربعين سنة ولعل اسناده ضعيف مع هذا يكون لجوابه نفاذ ومن ههنا تبيّن وجه قوله تعالى مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۔ هٰذا ۔ وقد تكلمنا عليه مرة وفيه اشكال فانه يدل على رقودهم في القبور والاحاديث وردت بعذابهم ودعائهم بالويل والثبور وحاصل الجواب انه حكاية عن مدة غشيهم تلك اي لو بقينا كذلك مغشيا علينا ولم تحصل لنا الافاقة لكان

پھر مجھے ایک ایسی روایت پر آگاہی ہوئی جس سے (حشر سے پہلے) چالیس سال ارواح کی غشی معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی سند ضعیف ہو لیکن باوجود اس کے اس جواب کے لئے بھی گنجائش ہے اور یہیں سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی کہ قبروں سے اٹھتے وقت مجرم کہیں گے۔ کس نے اٹھایا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے۔ وجہ ظاہر ہو گئی ہے اور ہم نے اس پر ایک مرتبہ بحث کردی ہے اور اس میں اشکال ہے وہ یہ کہ یہ ارشادِ خداوندی قبروں میں ان کے سونے پر دلالت کرتا ہے اور احادیث سے ان کا عذاب اور ان کا عذاب سے اکتا کر چیخنے لگنے ہلاکت اور تباہی مانگنا ثابت ہے اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اس مدت کی حکایت ہے جس میں ان پر غشی طاری تھی۔ اس قول سے ان کی

احسن ثم ان الآية ترد على القائلين بنفي السماع لدلالتها على الرقاد ونفي العذاب ايضاً فماذا يصنعون بها فلابد عليهم ان يذكروا لها وجها فينبغي لهم ان يطلبوا وجها لآية نفي السماع ايضاً فان العذاب كما انه متحقق كذلك السماع ايضاً متحقق فلا يغتر بامثال هذه النصوص فان لها وجوها ومعاني (فيض الباري ج ۳ ص ۳۱۶)

مُراد یہ ہے کہ اگر ہم اسی طرح بے ہوشی رہیں اور ہمیں افاقہ حاصل نہ ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ پھر اس آیتِ کریمہ کے پیشِ نظر ان لوگوں پر اعتراض وارد ہوتا ہے جو سماع کی نفی کرتے ہیں کیونکہ یہ اُن کے سونے پر بھی دلالت کرتی ہے اور نفیِ عذاب پر بھی، تو وہ اس نفیِ عذاب سے کیا کریں گے؟ سو ان کے لئے ضروری ہے کہ اس آیتِ کریمہ کی کوئی تُوجیہ بیان کریں اور ان کے لئے یہ بھی مناسب ہے کہ آیت نفیِ سماع کیلئے بھی کوئی حل تلاش کریں کیونکہ جس طرح ان کے لئے عذاب ثابت ہے اسی طرح ان کے لئے سماع بھی ثابت ہے۔ سو ایسی نصُوص سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے ان کے اپنی جگہ پر معانی اور توجیہات موجُود ہیں۔

اس عبارت میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ نے سماعِ موتیٰ کی تصریح فرمائی ہے اور منکرینِ سماعِ موتیٰ سے آیت مذکورہ پر وارد اعتراض کا مخلص طلب فرمایا ہے اور ہم علمی طور پر دلسوزی اور ہمدردی کے ساتھ نصیحت فرمائی ہے کہ نصوص کے صحیح

معانی اور تفاسیر کو چھوڑ کر ان کے ظاہر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ مشہور ہے
لکل فن رجال۔

(۲) قوله ما انتم باسمع لما اقول منهم وقد مرت مسئلة سماع الاموات واما قوله وما انت بمسمع من فى القبور فلقائل ان يقول انه محمول على نفى سماع يترتب عليه الاجابة او على نفيه بحسب عالمنا فان السماع ان كان فهو فى عالم آخر واما فى عالمنا فهو كالمعدوم او انه على حد قوله صم بكم عمى مع وجود السمع والنطق والبصر كما اجاب السيوطى فى نظم وآية النفى معناها سماع هدى لا يقبلون ولا يصغون

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد کہ تم اُن سے زیادہ نہیں سُن رہے جو میں اُن سے کہہ رہا ہوں۔ یہ مسئلہ سماعِ موتیٰ پہلے گزر چکا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ اور تو نہیں سُنا سکتا اُن کو جو قبروں میں ہیں، تو کہنے والے کو یہ کہنے کا حق ہے کہ وہ کہے کہ یا ایسے سماع کی نفی پر محمول ہے جس سماع پر قبولیت مرتب ہو (یعنی ان کو سماعِ قبول نہیں) اور یا اس نفی سے مراد یہ ہے کہ نفی ہمارے عالم کے لحاظ سے ہے کیونکہ سماع ہے تو دوسرے جہان (برزخ) میں ہے اور ہمارے عالم کے لحاظ سے وہ ایسا ہے جیسے معدوم اور یا اس کو اس طریقہ پر ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ (کافر) بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، حالانکہ اُن کا سُننا، بولنا اور دیکھنا یقینی بات

للادب واعلم ان التفتازانی
نقل الاجماع علی علم الاموات
وانما الخلاف فی سماعهم
وکذا نقل ان لاخلاف
فی نفی سائر الصفات غیر
السماع فالایاب والذهاب
ونحوهما منفی عنهم رأسا
ونقل ابن حجرؒ فی فتاواہ ان
الاموات یتحرکون من
مکان الی مکان ایضًا وانکر
الاتفاق فیہ قلت کلام التفتازانی
فی حق الاجساد دون الارواح
واثبات ابن حجر فی حق الارواح
فصح الامران قولہ قال قتادۃ
احیاهم اللہ تعالیٰ حتی اسمعهم
ویؤیدہ هذا الراوی ما عند
ابن کثیر اذا امر احدکم بقبر

ہے۔ امام سیوطی رح نے ایک نظم میں جواب
دیا ہے کہ نفی سماع کی آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ
ہدایت کا سماع اُن کو نہیں اور وہ نہ تو اس
کی تعظیم کرتے ہوئے اس کو قبول کرتے ہیں
اور نہ کان لگاتے ہیں اور جاننا چاہیئے کہ علامہ
تفتازانی رح نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ
مُردے جانتے ہیں اور لکھا ہے کہ اختلاف
ان کے سماع میں ہے اور اسی طرح انھوں نے
نقل کیا ہے کہ سماع کے بغیر تمام صفات ان سے
منفی ہیں۔ پس آنا اور جانا وغیرہ ان سے کلیۃً
منفی ہے اور امام ابن حجر رح نے اپنے فتاویٰ
میں نقل کیا ہے کہ مُردے ایک جگہ سے دُوسری
جگہ تک حرکت بھی کرتے ہیں اور ان کی عدم
حرکت پر اتفاق کا انھوں نے انکار کیا ہے میں
کہتا ہوں کہ علامہ تفتازانی رح کی بات اجسام کے
بارے میں ہے (کہ وہ حرکت نہیں کرتے) اور
ابن حجر رح کی بات ارواح کے بارے میں ہے کہ

رجل يعرفه بردّ الله تعالى
عليه روحه الخ فهل
على ردّ الروح عليه فلا
يسمع في كل وقت انتهى
(فيض الباري ج ۲ ص ۹ و
ص ۹۱)

جو حرکت کرتے ہیں، لہٰذا دونوں باتیں اپنی
جگہ پر صحیح ہیں۔
ان کا ارشاد کہ قتادہؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے
ان کو زندہ کیا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کا کلام سنا اور
اس راوی کی تنبیہ روایت کرتی ہے جو
ابن کثیرؒ میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص
ایسے آدمی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو
وہ جانتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کی روح
لوٹا دیتا ہے الخ اس سے ردّ روح کا ثبوت
ملا تو مردہ ہر وقت نہیں سنتا (بلکہ اُسوقت
سنتا ہے جب اس پر روح لوٹائی گئی ہو)۔

حافظ ابن کثیرؒ کی اس پیش کردہ روایت سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی قبر کے
پاس سے گزرتا ہے اور میت کو سلام کہتا ہے تو اُس وقت اُس کی طرف روح لوٹائی
جاتی ہے اور وہ سلام کہنے والے کو سابق تعارف کی وجہ سے پہچانتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ
ہی کے حوالے سے یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ نے اس میں تردد کیا ہے
غالباً ان کا تردد اس امر میں ہے کہ میت کی طرف جب ایک بار روح لوٹائی جاتی ہے
تو یہ اعادہ مستمرہ ہوتا ہے یا جب بھی کوئی سلام کہتا ہے تو اسی وقت ردّ روح ہوتا ہے

جمہور پہلی شق کے قائل ہیں۔ راقم کہتا ہے کہ اگر اس روایت میں رَدِّ روح سے توجہ مراد لی جائے جیساکہ حدیث رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوحِی میں یہ مراد لی گئی ہے تو زیادہ مناسب ہے۔

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ان تفصیلی عبارات کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ سماعِ موتیٰ کے قائل نہ تھے جیساکہ مؤلف ندائے حق نے کہا ہے تو وہ صرف خود فریبی کا شکار ہے اور لوگوں کو دھوکہ دینے پر کمربستہ ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم

حضرت مولانا دورِ حاضر کے محقق عالم، بلند پایہ مناظر اور علماءِ دیوبند کے ترجمان ہیں۔ پہلے آپ بھی سماعِ موتیٰ کے منکر تھے، جیساکہ ان کی کتاب سیف یمانی صفحہ ۳۲ میں اس کا تذکرہ موجود ہے اور مؤلف ندائے حق وغیرہ نے بھی یہ حوالہ دیا ہے (دیکھئے ندائے حق صفحہ ۵۱۵ و اقامۃ البرہان صفحہ ۹۱)، لیکن تقریباً ۳۳ سال تک سماعِ موتیٰ کا انکار کرنے کے بعد حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ کی تحقیق پر بنیاد رکھ کر اس سے رجوع کر لیا ہے اور اب سماعِ موتیٰ کے مُقِر ہو گئے ہیں (ملاحظہ ہو الفرقان لکھنؤ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ، حاشیہ صفحہ ۳۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

(سابق مفتی دار العلوم دیوبند و حال مفتی اعظم پاکستان)

حضرت مفتی صاحب نے سماعِ موتیٰ کے بارے میں متعدد فتوے

صادر فرماتے ہیں اور اس مسئلہ میں خاص تحقیق فرمائی ہے چنانچہ وہ مسئلہ توسل کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :- اس طرح اور اس عنوان سے توسل بزرگوں کے ساتھ جائز ہے مگر اہل قبور کو خطاب اگر سماع موتی کے اعتقاد پر مبنی ہے (یعنی یہ سمجھتا ہے کہ دوسرے بھی اور عدم سماع کا احتمال ہی نہیں ۔ مقدر) تو درست نہیں ۔ اور اگر محض احتمال کے درجہ میں ہے تو مضائقہ نہیں مگر پھر بھی احتیاط اجتناب میں ہے (کیونکہ عوام الناس جہالت کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو جائیں گے ۔ مقدر) ۔ (فتاویٰ امداد المفتین صہ ۱۹۲ ، صہ ۱۹۳ طبع کراچی) ۔

نیز ارشاد فرماتے ہیں کہ :- اعدل الاقوال اور اصح و مختار یہ ہے کہ جن جن مواقع میں میت کا کلام وغیرہ سننا منصوص ہے وہاں تو بلا تامل یقین کیا جاوے باقی عام کلام خطاب کے متعلق کوئی ضابطہ تو ہے نہیں کہ ضرور سنتے ہیں لیکن یہ نہ سننا بھی ضروری نہیں ۔ اگر حق تعالیٰ شانہ چاہیں تو سنا دیں ۔ غرض ایسی حالت نہیں جیسے زندگی میں بطور جریان عادت سننا ضروری ہوتا ہے ۔ ہذا ہو التحقیق (امداد المفتین صہ ۱۹۳) ۔

اور نیز ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

وذھبت طوائف من اھل العلم بسماعھم فی الجملۃ وقال ابن عبد البر ان الاکثرین علیٰ ذالک	اہل علم کے بہت سے طائفے اس طرف گئے ہیں کہ مردے فی الجملہ سنتے ہیں ۔ امام ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ اکثر اسی کے قائل ہیں اور اسی کو

وهو اختيار ابن جرير الطبريؒ وكذا ذكره ابن قتيبةؒ وغيره اھ (احكام القرآن جزء خامس ص۱۰۴)

امام ابن جریر طبری رح نے اختیار کیا ہے اور ایسا ہی امام ابن قتیبہ رح وغیرہ نے ذکر کیا ہے

اور تحریر فرماتے ہیں کہ :-

قال العبد الضعيف والذی ذكره في الروح من طوائف اهل العلم وذكر ابن عبد البر ان الاكثرين على ذلك يعنی سماعهم في الجملة هو الحق الحقيق بالقبول واليه يرشد صيغة القرآن وشان النزول وبه تتوافق الروايات من الصحابة رض والرسول صلى الله تعالى عليه وسلم وهو مختار مشائخنا دامت بركاتهم اھ ص۱۰۳)

بندہ ضعیف کہتا ہے کہ کتاب الروح میں جو اہل علم کے کئی طائفوں سے ذکر کیا ہے اور امام ابن عبدالبر رح نے بھی ذکر کیا ہے کہ اکثر حضرات فی الجملہ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں یہی حق ہے جو قبول کے لائق ہے اور قرآن کریم کا صیغہ اور شانِ نزول بھی اسی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور اسی سے ان روایات میں جو حضرات صحابہ کرام رض اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہیں توافق پیدا ہو جاتا ہے اور ہمارے مشائخ (دیوبند) دامت برکاتہم کا بھی یہی مختار ہے۔

اور اس مسئلہ کی طویل بحث کرتے ہوئے اور نصوص و دلائل کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

فالقول باطلاق سماع الموتی فی

یہ کہنا کہ مردے مطلقاً سنتے ہیں یعنی ان کا

كل فرد وفي كل حين قول بما ليس
لك به علم والقول بنفيه رأسا
مزاحمة للنصوص المذكورة انفا
ولذلك قلنا بثبوته في الجملة اعني
في حين دون حين ولشخص دون
شخص وفي كلام دون كلام وبذلك
تتوافق النصوص والآثار
الواردة في هذا الباب الخ
(ملخصا)

ہر فرد اور ہر وقت سنتا ہے تو ایسی بات
ہے جس کا تجھے علم نہیں ہے اور سماع موتی
کی کلیۃً نفی کر دینا ان نصوص سے تصادم
اور مزاحمت ہے جن کا ذکر ابھی ہوا اور اسی
لئے ہم فی الجملہ سماع موتی کے قائل ہیں
یعنی کسی وقت نہ کہ ہر وقت اور کیوں کہ
مُردے مذکورۃ الصدر میں کا مزہ بھی تو لیتے ہیں
اور کبھی وقت ان کی توجہ صرف الی اللہ تعالیٰ
ہی ہوتی ہے۔ ملخصاً) اور بعض اشخاص
کے لئے نہ کہ ہر ایک کے لئے اور بعض
کلام نہ کہ ہر ایک اور اسی طریق سے اس
باب میں وارد نصوص اور آثار میں توافق
پیدا ہوتی ہے۔

اور نیز یہی تحریر فرماتے ہیں کہ :-

فالاحاديث الصحيحة لما كانت
ناطقة بثبوت السماع في تلقين
بدر وفي صيغة السلام

صحیح احادیث جب اس مسئلہ میں ناطق
ہیں کہ مقتولین بدر کا سماع ثابت ہے
اور اسی طرح ہر مُردہ مسلمان سلام سنتا ہے

لکل مسلم نطقنا بہ وھی ساکتۃ عن سائر الکلام فسکتنا عنہ ولٰکن لا سکوت الجحود والانکار بل سکوت من لا یعلم امرًا ممکن الوقوع ھل وقع ام لا فان ثبت بدلیلٍ وقوعہ قلنا بہ والاّ دمنا علی السکوت لقولہٖ تعالیٰ ولا تقف ما لیس لک بہٖ علماہ (صـ۱۰۶ـ)

تو ہم بھی اس کے قائل ہیں اور یہ احادیث باقی سب کلام سے ساکت ہیں سو ہم بھی ساکت ہیں لیکن یہ سکوت جحود و انکار کا نہیں بلکہ اس شخص کا سکوت ہے جو کسی ممکن الوقوع امر کے واقع ہونے کو نہیں جانتا کہ کیا واقع ہوا ہے یا نہیں؟ پس اگر کسی دلیل سے اس کا وقوع ثابت ہو جائے تو ہم اس کے قائل ہیں ورنہ ولا تقف ما لیس لک بہ علم کے مطابق ہم سکوت پر دائم رہیں گے۔

حضرتِ مفتی صاحب کی ان تمام واضح اور ناطق عبارات سے یہ بات بالکل عیاں ہو چکی ہے کہ فی الجملہ سماعِ موتیٰ ثابت ہے۔ نصوص اور صحیح احادیث اسی پر دال ہیں، اور اس کا انکار نصوص اور احادیث صحیحہ کا انکار و جحود ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر مؤلف ندائے حق وغیرہ حضرت مفتی صاحب کو منکرینِ سماعِ موتیٰ میں شمار کرتے ہیں تو وہ جانیں اور انکی ضد اور ہٹ دھرمی۔

مشہور غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان صاحب

مولانا اپنی جماعت اور اپنے دور کے متبحر عالم اور

مصنف و محقق بزرگ تھے۔ وہ سماع موتیٰ کے مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

السلام علیکم دار قوم مومنین۔ سلام تم پر اے مومن گھر والو۔ یہ آپؐ نے قبرستان میں جاکر فرمایا۔ مُردوں کو سلام کیا۔ ان سے مخاطبہ کیا۔ معلوم ہُوا کہ مُردے اپنی قبر میں ہمارا سلام و کلام سُنتے ہیں لیکن وہ ہم کو اپنا جواب نہیں سُنا سکتے۔ اہلِ حدیث کا قاطبۃً (یعنی سب کا کُلیۃً) یہی قول ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ (ان کی طرف عدم سماعِ موتیٰ کی نسبت بالکل غلط ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ صفدر) اور معتزلہ نے سماعِ موتیٰ کا انکار کیا ہے۔ ان کے انکار سے کیا ہوتا ہے؟ اور تعجب ہے ان اہلِ حدیث پر، جو لوگوں کو تو ابوحنیفہؒ کی تقلید سے تو منع کرتے ہیں اور خود جب چاہتے ہیں ابوحنیفہ رحمۃ کے مقلد بن جاتے ہیں۔ سماعِ موتیٰ کی نفی میں اُن کے قول سے استدلال کرتے ہیں اور احادیث صحیحہ کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں الخ۔ (لغات الحدیث ج ۳ ص ۶۹ طبع نور محمد کارخانہ آرام باغ۔ کراچی)۔

نیز لکھتے ہیں کہ:۔ اہلِ حدیث کے پیشوا حافظ ابن قیم رحمہ نے صراحۃً سماعِ موتیٰ کو ثابت کیا ہے اور بے شمار حدیثوں سے جن کو امام سیوطی رحمہ نے شرح الصدور میں ذکر کیا ہے۔ مُردوں کا سماع ثابت ہوتا ہے اور سلفؒ کا اس پر اجماع ہے۔ صرف حضرت عائشہ رضہ سے اس کا انکار منقول ہے اور ان کا قول شاذ ہے (ایضاً ج ۴ ص ۱۹۹ س م)

اور یہی بزرگ لکھتے ہیں :-

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی تو مُردوں کو (یعنی کافروں کو) اسلام نہیں قبول کرا سکتا۔ اس آیت سے سماعِ موتیٰ کی نفی نہیں نکلتی جیسے حضرت عائشہ رضؓ نے خیال کیا کیونکہ اِسماع سے یہاں سماعِ اجابت مُراد ہے جیسے اسمع غیر مسمع میں اور متعدد احادیث سے سماعِ موتیٰ ثابت ہے، جیسے اُوپر گزر چکا ہے۔ اور اہل حدیث کے بڑے بڑے امام جیسے ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ ہیں، اسی کے قائل ہیں صرف حنیفہ (بالکل غلط ہے کما مرّ وسیاتی انشاء اللہ تعالیٰ۔ صفدر) اور معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ مجمع البحار میں ہے اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کا معنیٰ یہ ہے کہ تو اُن جاہلوں کو نہیں سمجھا سکتا جن کو اللہ تعالے نے جاہل بنایا ہے تو یہ آیت اُس حدیث کے خلاف نہ ہوگی ما انتم باسمع من ھٰؤلاء (ایضاً ج ۳ صـ۱۲۳ سم)۔

تیسری دلیل

حافظ ابو عمر بن عبد البر المالکیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام، شیخ الاسلام اور حافظ المغرب کے پیارے الفاظ سے بیان کرتے ہیں، تذکرہ الحفاظ ج ۳ صـ۳۰۶ اور حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ ایک مقام میں فرماتے ہیں کہ :- وھو من المتقنین فی باب النقل فلا مناص من تسلیم تلک النسبۃ اھ فیض الباری ج ۱ صـ۲۰ - یعنی جب امام ابن عبد البرؒ نقل کے سلسلہ میں ان حضرات میں شامل ہیں جو متقن اور متثبت ہیں تو لامحالہ ان کی بیان کردہ نقل اور نسبت کو تسلیم کرنا پڑے گا، روایت کرتے ہیں :-

من حديث ابن عباس رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ما من رجل يمر بقبر اخيه المؤمن كان يعرفه فيسلم عليه إلا عرفه ورد عليه السلام اهـ (كتاب الروح ص۱۳ والجامع الصغير ج۲ ص۱۵۱)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، وہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا، وہ جب بھی اسے سلام کہتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

یہ پہچاننا سلام کہنے والے کے سلام وکلام کے لب ولہجہ سے ہوتا ہے۔ جس طرح اکثر پسِ پردہ یا نابینا حضرات لوگوں کی آواز اور طرزِ کلام اور لب ولہجہ سے ان کو پہچان لیتے ہیں، حالانکہ آنکھوں سے وہ کچھ نہیں دیکھتے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ مُردہ قبر میں سلام سُنتا بھی ہے اور اس کا باقاعدہ جواب بھی دیتا ہے یہ روایت سماعِ موتیٰ کی واضح اور روشن دلیل ہے۔ جس میں ذرہ بھر شک نہیں کیا جا سکتا۔

حافظ ابن القیم الحنبلیؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں کہ:-

قال ابن عبد البرؒ ثبت عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الخ (كتاب الروح ص۲)

امام ابن عبد البرؒ نے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت ثابت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابن عبد البرؒ کے نزدیک یہ روایت صحیح اور ثابت ہے اور حافظ ابن القیمؒ بھی ان کی تائید کرتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ الحنبلیؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:-

وقد روی حدیث صححه ابن عبد البر انه قال ما من رجل یمر بقبر اخیه الخ (اقتضاء الصراط المستقیم طبع مصر ص۱۵۷)

بلاشبہ ایک حدیث روایت کی گئی ہے جس کی امام ابن البرؒ نے تصحیح کی ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے الخ۔

علامہ علی بن عبد الکافی السبکیؒ (المتوفی ۷۵۶ھ) لکھتے ہیں:-

ذکره جماعة وقال القرطبی فی التذکرة ان عبد الحق صححه اھ (شفاء السقام ص۶۵)

اس کو ایک جماعت نے بیان کیا ہے اور قرطبیؒ تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ امام عبد الحقؒ نے اس کی تصحیح کی ہے۔

اور امام محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ (المتوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ:-

وفی حدیث صححه عبد الحق مرفوعاً (مختصر تذکرة قرطبیؒ ص۳۰ طبع مصر)

ایک مرفوع حدیث میں ہے جس کی عبد الحقؒ نے تصحیح کی ہے۔

اور حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ

من اشهر ذلك ما رواه ابن عبد البر

سماعِ موتی کے مشہور دلائل میں سے ایک

مصححا له من ابن عباس رض مرفوعًا ما من احد يمر بقبر اخيه المسلم (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۹)

وہ روایت بھی ہے جس کو امام ابن عبدالبر نے مرفوعاً حضرت ابن عباس رض سے تصحیح کے ساتھ نقل کیا ہے کہ جو شخص بھی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے الخ

امام محمد بن احمد بن عبد الہادی الحنبلی رح فرماتے ہیں

وھو صحیح الاسناد (الصارم المنکی ص ۱۲۳ طبع مصر)

کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے عند القبر سماع کا تو کہنا ہی کیا۔

وھذا انه جاء عمومًا في حق المؤمنين ما من رجل يمر بقبر الرجل كان يعرفه في الدنيا فيسلم عليه الا رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام اھ (الصارم المنکی ص ۱۵)

یہ تو عام مومنوں کے حق میں آیا ہے کہ جو شخص بھی کسی ایسے شخص کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا تو وہ جب بھی اس کو سلام کہتا ہے اللہ تعالٰی اس کی طرف اس کی روح لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

علامہ محمد عبد الباقی رح بن یوسف الزرقانی المالکی رح (المتوفی ۱۱۲۲ھ)

لکھتے ہیں کہ :-

رواہ ابن عبد البر وصححہ ابو محمد عبد الحق اھ (شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۴ طبع مصر)	امام ابن عبد البرؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور علامہ ابو محمد عبد الحق نے اس کی تصحیح کی ہے۔

اور اپنا فیصلہ یوں لکھتے ہیں۔ فقد صح مرفوعاً ما من احد یمر الخ (ج ۵ ص ۳۳۴)

علامہ سید محمود آلوسی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ :-

اخرج ابن عبد البر وقال عبد الحق الاشبیلی اسنادہ صحیح عن ابن عباس مرفوعاً اھ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۵)	امام ابن عبد البرؒ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور امام عبد الحق اشبیلیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضؓ سے مرفوعاً مروی ہے

علامہ طحطاوی (سید احمد الطحطاوی الحنفیؒ) لکھتے ہیں کہ :-

واخرج ابن عبد البر فی الاستذکار والتمهید بسند صحیح عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما من احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد	امام ابن عبد البرؒ نے اپنی کتاب استذکار اور تمہید میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کی تخریج کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا نہیں گزرتا مگر کو

علیہ السلام انتہی (طحطاوی صـ۳۴۱)

وہ سلام کہے مگر وہ اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اور مسئلہ سماع موتیٰ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

واخرج ابن ابی الدنیا والبیہقی فی الشعب عن محمد بن واسع قال بلغنی ان الموتی یعلمون بزوارھم یوم الجمعۃ ویوما قبلہ ویوما بعدہ وقال ابن القیم الاحادیث والآثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم به المزور وسمع سلامه وانس به ورد علیه وهذا عام فی حق الشهداء وغیرهم وانه لا توقیت فی ذلک وهو اصح من اثر الضحاک الدال علی التوقیت۔ (طحطاوی صـ۳۴۲)

اور امام ابن ابی الدنیا اور امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں محمد بن واسع سے تخریج کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بلاشبہ مردے جمعہ کے دن اور ایک دن اس سے قبل اور ایک دن اس کے بعد اپنے زیارت کرنے والوں کو پہچانتے ہیں اور امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ حدیث اور آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ زیارت کرنے والا جب بھی آتا ہے تو جس کی زیارت کی جاتی ہے (یعنی مردہ) وہ اس کو جانتا، اس کے سلام کو سنتا، اس سے مانوس ہوتا اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے، اور یہ بات شہید اور غیر شہید سب کے حق میں عام ہے اور اس میں کسی وقت کی تخصیص نہیں اور یہ حضرت

مؤکد کے اثر سے زیادہ صحیح ہے جس میں
وقت کی تخصیص ہے۔

اصولِ حدیث کے رُو سے تخریج اور اخراج کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حدیث کو اس کی پوری سند کے ساتھ نقل کیا جائے۔ یہ روایت امام ابن عبد البرؒ نے مؤطا امام مالک کی مطول اور مختصر شرح التمہید اور الاستذکار میں نقل کی ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی الشافعیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) نے اس کی تصریح کی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ محدث عبد الحق کہ اس کی تصحیح محدث عبد الحقؒ نے کی ہے۔ شرح الصدور ص۱۲ اور محدث عبد الحق رح کے حوالہ سے اس کی تصحیح انھوں نے اپنی کتاب بشری الکئیب ص۱۳ میں بھی نقل کی ہے اور امام عبد الحق رح نے یہ بات اپنی کتاب العاقبہ میں تحریر فرمائی ہے (الصارم المنکی ص۱۸۲) اور اس کے علاوہ الاحکام الصغریٰ میں بھی فرمائی ہے۔ جیسا کہ علامہ السید السمہودیؒ لکھتے ہیں کہ

روی عبد الحق فی الاحکام الصغری وقال اسنادہ صحیح عن ابن عباسؓ الیٰ ان قال وروی ابن عبد البرؒ وصححہ کما نقلہ ابن تیمیۃ رحمہ (وفاء الوفاء ج ۲ ص۴۰۲)

امام عبد الحقؒ نے اپنی کتاب الاحکام الصغریٰ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔ پھر آگے فرمایا اور امام ابن عبد البرؒ نے بھی یہ روایت کی ہے اور اس کو انھوں نے صحیح کہا ہے جیسا کہ ان سے ابن تیمیہؒ نے نقل کیا ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان صاحب رح (المتوفی ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:

صححه ابو محمد عبد الحق (دليل الطالب على ارجح المطالب ص ۴۳۴)	اس حدیث کی امام ابو محمد عبد الحق رح نے تصحیح کی ہے۔

اور مولانا سید انور شاہ صاحب رح فرماتے ہیں کہ:

وفي حديث صححه ابو عمر ابن عبد البر اذا سلم على الميت فانه يرد عليه ويعرفه اھ (فيض الباري ج ۲ ص ۴۶۴)	اور حدیث میں آتا ہے جس کو امام ابن عبد البرؒ نے صحیح کہا ہے کہ جب بھی کوئی شخص مُردہ کو سلام کرتا ہے، وہ اس کا جواب دیتا اور اُس کو پہچانتا ہے۔

اور علامہ عزیزی رح الا عرفه ورد عليه السلام کے جملہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولا مانع من خلق هذا الادراك برد الروح في بعض بدنه اھ (السراج المنير ج ۴ ص ۲۶۴)	اس میں کوئی مانع نہیں کہ اس میں یہ ادراک اس کی رُوح کو اس کے بدن کے بعض حصہ کی طرف لوٹانے کی وجہ سے پیدا ہو جائے۔

قاضی محمد بن علی رح الشوکانی رح (المتوفی ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

مع ان مطلق الادراك كالعلم والسماع ثابت لسائر الموتى وقد صح عن ابن عباس رضي الله تعالى	حالانکہ مطلق ادراک مثلاً علم اور سماع تو یقیناً مُردوں کے لئے حاصل اور ثابت ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ مرفوع روایت آئی ہے کہ جو

عنہما مرفوعاً ما من احد یمر	شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس
علیٰ قبر اخیہ المؤمن وفی روایۃ	سے گزرتا ہے اور ایک روایت میں آتا
بقبر الرجل کان یعرفہ فی الدنیا	ہے جس کو وہ دُنیا میں پہچانتا تھا تو جب وہ
فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ	اُس پر سلام کہتا ہے وہ اُس کو پہچانتا ہے
السلام (صحیح الاوطار ج ۴ ص طبع مصر)	اور اُس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اس صحیح اور صریح حدیث کی روشنی میں حافظ ابن القیم رح فرماتے ہیں کہ :-

فہذا نص فی انہ یعرفہ بعینہ	یہ حدیث اس بات میں نص ہے کہ
ویرد علیہ السلام الخ (کتاب	مُردہ سلام کہنے والے کو بعینہٖ پہچانتا
الروح ص ۲)	اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اور یہی حافظ ابن القیم رح اپنے مشہور قصیدہ نونیہ میں لکھتے ہیں :-

وھذا وردنبینا التسلیم	یاتی بتسلیم مع الاحسان

تو یہ امر کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر اس شخص کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں جو عمدہ طریقہ سے سلام کہتا ہے۔

ماذا لخ مختصا بہ ایضاً کما	قد قالہ المبعوث بالقرآن

یہ صرف آپ کی ذات کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے جیسا کہ خود اس ذات نے فرمایا جس کو قرآن دے کر بھیجا گیا ہے۔

من زار قبر اخ لہ فاتی	بتسلیم علیہ وھو ذو ایمان

کہ جس شخص نے اپنے مؤمن بھائی کی قبر کی زیارت کی اور اسے سلام کہا۔
[illegible] دالا انہ علیہ حقا روحہ ۔۔۔ حتیٰ یرد علیہ م ردّ بیان (النوبیۃ [illegible])
تو پروردگار یقینی طور پر اس پر اس کی روح لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کے سلام کا واضح بیان سے جواب دیتا ہے۔

اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ (المتوفی ١٣٦٩ھ) فرماتے ہیں کہ

علی ان الصواب ان المیت اھل للخطاب مطلقاً لما سبق من الحدیث ما من احد یمر بقبر اخیہ المومن یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام اھ (فتح الملھم ج ۲ ص [illegible])

مزید براں درست بات یہ ہے کہ مردہ مطلقاً خطاب کا اہل ہے کیونکہ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو دنیا میں وہ پہچانتا تھا اور وہ اسے سلام کہتا ہے، تو مردہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اسی مضمون کی روایت حضرت عائشہ رضؓ سے بھی مروی ہے (کتاب الروح ص [illegible] و شرح الصدور ص [illegible]) اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے بھی مروی ہے (کتاب الروح ص [illegible]) اور ان کی یہ روایت امام ابن عساکرؒ اور خطیب بغدادیؒ نے بھی نقل کی ہے (الجامع الصغیر ج ۲ ص [illegible]) اور امام ابن ابی الدنیاؒ اور امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں بھی نقل کی ہے (شرح الصدور ص [illegible])۔ ان دونوں روایتو

میں کمزوری بھی ہے لیکن اصولِ حدیث کے رُو سے حضرت ابن عباس رض کی نماز کی حدیث کے لئے شاہد اور مؤید کا درجہ ان کو حاصل ہے۔ اور حضرت ابن عباس رض کی روایت صحیح ہے جس کو صحیح کہنے والے اور اُن کی تائید کرنے والے اور اس روایت سے استدلال کرنے والے یہ حضرات ہیں۔ (۱) امام ابن عبدالبر رح (۲) امام ابو محمد عبدالحق رح (۳) حافظ ابن تیمیہ رح (۴) حافظ ابن القیم رح (۵) حافظ ابن کثیر رح (۶) امام قرطبی رح (۷) ابن عبدالہادی رح (۸) علامہ زرقانی رح (۹) علامہ آلوسی رح (۱۰) نواب صدیق حسن خان رح (۱۱) علامہ سمہودی رح (۱۲) مولانا سید انور شاہ صاحب رح (۱۳) علامہ سیوطی رح (۱۴) علامہ عزیزی رح (۱۵) قاضی شوکانی رح (۱۶) مولانا عثمانی رح۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امام ابن عبدالبر رح متقنین و اثبات میں سے ہیں اور نقل کے باب میں ثقہ اور ثبت ہیں اور امام عبدالحق الازدی الاشبیلی رح (المتوفی ۵۸۱ھ) کو علامہ ذہبی رح الحافظ۔ العلامۃ اور الحجۃ لکھتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ صـ ۱۳۹) اور حافظ ابو عبداللہ الابار رح فرماتے ہیں کہ:۔

کان فقیہا حافظا عالما بالحدیث	وہ فقیہ، حافظ، حدیث اور اس کی علتوں
وعللہ عارفا بالرجال موصوفا بالخیر	کے عالم اور راویوں کو جاننے والے تھے۔
والصلاح والزھد والورع ولزوم	نیز وہ خیر و صلاح، زہد و ورع سے متصف
السنۃ اھ (تذکرہ ج ۴ صـ ۱۴۰)	اور پابند سُنت تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ موصوف نے حضرت ابن عباس رضؓ کی مذکورہ بالا حدیث کی تصحیح محض صوفیانہ رنگ اور سہل انگاری کے طور پر نہیں بلکہ علم حدیث اور اس کے رواۃ پر گہری نگاہ رکھ کر اصولِ حدیث کے مطابق کی ہے اور محدثین اور محققین علماء کرام کے جم غفیر نے ان کی تائید کی ہے۔

اعتراض :- اس حدیث کے سلسلہ میں جو اعتراض نظر سے گزرا ہے، وہ علامہ آلوسی رح نے یوں نقل کیا ہے۔

وقیل فی حدیث ابن عبد البر ان عبد الحق واں قال اسنادہ صحیح الا ان الحافظ ابن رجب تعقبہ وقال انہ ضعیف بل منکر اھ (روح المعانی ج ۱۷ ص ۱۱۷)	اور ابن عبد البر رح کی روایت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ امام عبد الحق رح نے اگرچہ کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے مگر حافظ ابن رجب رح نے ان پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف بلکہ منکر ہے

الجواب :- اولاً تو علامہ آلوسی رح نے لفظ قیل سے اس جواب کو نقل کر کے اس کا ضعف بتا دیا ہے اور اس کی اہمیت گھٹا دی ہے اور یہ ظاہر کر دیا ہے کہ وہ خود اس سے مطمئن نہیں ہیں، و ثانیاً حافظ عبد الرحمٰن بن شہاب الدین ابن احمد بن رجب الحنبلی رح (المتوفی ۷۹۵ھ) اپنے مقام پر بلاشبہ متبحر عالم ہیں، لیکن فنِ حدیث اور روایت حدیث کی پرکھ اور نقد و جرح میں ان کا وہ مقام نہیں جو حافظ ابن عبد البر رح اور امام عبد الحق اشبیلی رح کا ہے وہ دونوں اقدم ہو نے

کے علاوہ اس فن میں ان سے اعلم بھی ہیں۔ اور پھر حافظ ابن تیمیہ رح اور علامہ ابن القیم رح وغیرہ بے شمار محدثین ان کی تائید کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان کی تصحیح کے مقابلہ میں ان کی تضعیف کا کوئی مقام نہیں ہے۔ وثالثاً ابن رجب کی جرح اور تضعیف مبہم ہے اور اصول حدیث کے رُو سے اس کا کوئی اعتبار نہیں جمہور کا ضابطہ یہ ہے۔ اگر کوئی کہے کہ:-

هذا الحديث غير ثابت او منكر او فلان متروك الحديث او ذاهب الحديث او مجروح او ليس بعدل من غير ان يذكر سبب الطعن وهو مذهب عامة الفقهاء والمحدثين (الرفع والتكميل ص۳)

یہ حدیث ثابت نہیں یا منکر ہے یا فلاں راوی متروک الحدیث یا ذاہب الحدیث یا مجروح ہے یا عادل نہیں اور اس کی وجہ اور سبب نہ بیان کرے (تو اس صورت میں یہ جرح مقبول نہ ہوگی) اکثر فقہاء اور محدثین کا یہی مذہب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جرح مبہم اور غیر مفسر کا جمہور فقہاء کرام رح اور محدثین عظام رح کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں۔ مؤلف ندائے حق امام نووی رح کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ امام مسلم رح نے غیر ثقہ راوی سے کیوں روایت کی ہے تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ امام مسلم رح کے نزدیک اس راوی پر جرح مفسر ثابت نہیں اور جرح صرف مفسر ہی قبول کی جا سکتی ہے (نووی ص۲۴ ندائے حق ص۱۸۲ ملخصاً) اور پھر آگے مقدمہ بخاری ص۱۱ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ متابعت اور استشہاد میں بعض ضعیف

راویوں کی روایت بھی پیش کی جا سکتی ہے (ندائے حق ص۱۸۲)

ہاں اگر جارح ائمہ جرح و تعدیل میں سے ہو، متشدد، متعنت اور متعصب نہ ہو اور جرح کے اسباب کو جانتا ہو تو پھر جرح تعدیل پر مقدم ہوگی بشرطیکہ جمہور کے قول سے متصادم نہ ہو۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:-

والجرح مقدم على التعديل اطلق ذلك جماعة ولكن محله ان صدر مبينا من عارف باسبابه لانه ان كان غير مفسر لم يقدح فى من ثبتت عدالته (شرح نخبة الفكر ص[1])

جرح تعدیل پر مقدم ہے اور ایک جماعت نے اس کو مطلق رکھا ہے لیکن اس تقدیم کا صحیح محل یہ ہے کہ جرح مفسر ہو اور ایسے شخص سے ہو جو جرح کے اسباب کو جانتا ہو۔ کیونکہ جرح غیر مفسر ہو تو ایسے شخص کے بارے میں اس سے کوئی عیب پیدا نہیں ہوگا جس کی عدالت ثابت ہو چکی ہو۔

الحاصل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ مرفوع حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کے متعلق یہی فیصلہ جمہور محدثین رحمہم اللہ کا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

چوتھی دلیل

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں کفار کو شکست دینے اور ان میں سے ستر کو جہنم رسید کرنے کے بعد جب ان میں سے چوبیس بڑے بڑے کافروں کی لاشیں بدر کے کنوئیں میں ڈالیں تو تیسرے دن آپ وہاں اس کنوئیں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے

کنارے پر کھڑے ہو کر ان میں سے ایک ایک کافر اور اس کے باپ کا نام لے کر فرمایا کہ کیا تمھیں یہ بات خوش کرتی ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کی اطاعت کی ہوتی؟ ہمارے ساتھ ہمارے پروردگار نے جو وعدہ کیا تھا وہ تو پُورا ہو گیا کیا جو (عذاب وسزا کا) وعدہ تم سے ہُوا تھا، وہ پُورا ہو گیا یا نہیں؟ اس پر حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ حضرت! کیا آپ ایسے اجسام سے گفتگو فرما رہے ہیں جن میں ارواح نہیں؟ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم قال قتادۃ احیاھم اللہ حتی اسمعھم قولہ توبیخا وتصغیرا ونقمۃ وحسرۃ وندما (بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ واللفظ لہ ومسلم ج ۲ ص ۳۸۷ ومسند احمد ج ۲ ص ۱۰۴ وج ۳ ص ۱۴۵)

اس پروردگار کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جان ہے تم اس گفتگو کو جو مَیں ان سے کر رہا ہُوں، اُن سے زیادہ نہیں سُنتے۔ حضرت قتادہ رح فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ کا کلام اُن کو سُنایا تاکہ ان کو ڈانٹ، ذِلت وخواری، حسرت اور ندامت حاصل ہو۔

اس حدیث کی تفسیر وتوضیح میں شراح حدیث کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث سے مُردوں کے سُننے کا جو ثبوت ملتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصُوصیت ہے۔ اگر اس کا یہی مطلب متعین ہو تو پھر اس کا عام موتیٰ کے سماع سے تعلق نہیں ہوگا اور اس قول کی بنیاد حضرت قتادہ رح کی تشریح اور تفسیر

پر ہے ۔ قتادہ رحمہ کی وفات ۱۱۸ھ میں ہوئی ۔ وہ فن حدیث میں الحافظ اور العلامہ تھے (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۵) لیکن اس کے ساتھ قدری یعنی منکر تقدیر بھی تھے چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ ہی لکھتے ہیں کہ وہ برملا اپنا یہ رَدّی عقیدہ بیان کیا کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہوتی ہے مگر گناہ اس کی تقدیر سے نہیں ہوتے (الیفہ ج ۱ ص ۱۲۳ ، ص ۱۲۴) امام الجرح والتعدیل یحییٰ رحمہ بن سعید ان کو چوٹی کا بگتی (یعنی قدری) کہتے تھے (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۳) اور محدثین کرام رحمہ القدری کا معنی یہ کرتے ہیں کہ :-

وھو زعم ان الشر من خلق العبد ۔ اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ شر بندے کی (تدریب الراوی ص ۲۱۹) مخلوق ہے ۔

اور یہ بدعتی فرقہ معتزلہ ہی کی ایک شاخ ہے ۔ چنانچہ علم کلام کی مشہور کتاب المواقف اور اس کی شرح میں اس کی تصریح موجود ہے (ملاحظہ ہو ص ۶۲۵ طبع لکھنؤ) اور معتزلہ روافض اور خوارج وغیرہ کا حیوٰۃ فی القبر کے بارے میں اہل السنت والجماعت سے پہلے ہی اختلاف ہے ۔ ہم نے تسکین الصدور میں اس کی کچھ بحث کر دی ہے ۔ پھر قتادہ رحمہ کی یہ تفسیر اور توجیہ اہل السنت پر کیسے حجت ہو سکتی ہے ؟ خود مؤلف شفاء الصدور ص ۴۸ کے حاشیہ میں قتادہ کے قدری ہونے کی تصریح کرتے ہیں ۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حدیث ان کی خصوصیت پر محمول نہیں ہے بلکہ جس طرح عام دیگر مردے سنتے ہیں اسی طرح مقتولین بدر نے بھی سنا ۔

چنانچہ اس کی تشریح میں لکھا ہے۔

قال النووی قال المازری قیل ان المیت یسمع عملاً بظاھر ھذا الحدیث وفیہ نظر لانہ خاص فی حق ھؤلاء ورد علیہ القاضی وقال یحمل سماعھم علی ما یحمل سماع الموتٰی فی احادیث عذاب القبر وفتنتہ التی لا مدفع لھا وذلك باحیائھم او احیاء جزء منھم یعقلون بہ ویسمعون فی الوقت الذی یریدہ اللہ قال الشیخ ھذا ھو المختار (۲) طیبی ھامش بخاری ج ۲ ص ۵۶۶) وھامش مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۴۵ عن المرقات والطیبی)

امام نووی رح نے فرمایا کہ امام مازری رح کہتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ اس حدیث کے ظاہر کو ملاحظہ کرتے ہوئے میت سنتی ہے لیکن اس میں کلام ہے کیونکہ یہ تو انہی لوگوں کے ساتھ مختص ہے مگر قاضی عیاض رح نے اس کا رد کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ ان مقتولین بدر کا سماع اسی پر محمول کیا جائے گا جس طرح احادیث عذاب قبر اور فتنۂ قبر میں عام موتیٰ کے سماع پر محمول ہے۔ کیونکہ ان حدیثوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ ان کو یا ان کی کسی ایسی جزو کو زندہ کیا جاتا ہے جس سے وہ سمجھتے ہیں اور اس وقت سنتے بھی ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں یہی بات مختار ہے۔

حضرت امام نووی رح کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ :-

قال المازری قال بعض الناس المیت

علامہ مازری رح نے فرمایا کہ بعض لوگ کہتے

يسمع علاً بظاهر هذا الحديث
ثم ذكره المازري وادعى ان هذا
خاص في هؤلاء ورد عليه القاضي
عياض وقال يحمل سماعهم
على ما يحمل عليه سماع الموتى
في احاديث عذاب القبر وفتنته
التي لا مدفع لها وذلك باحيائهم
او احياء جزء منهم يعقلون به
ويسمعون في الوقت الذي يريد
الله هذا كلام القاضي وهو الظاهر
المختار الذي تقتضيه احاديث
السلام على القبور والله تعالى اعلم
(نووي شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶)

ہیں کہ میت سنتی ہے اور وہ لوگ بظاہر
حدیث پر عمل کرتے ہیں پھر مازری نے انکار
کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ سماع مقتولین بدر سے
مخصوص ہے لیکن قاضی عیاض رحمہ نے ان کا
رد کیا اور فرمایا کہ ان کے سماع کو اسی پر محمول کیا
جائے گا جس پر سماع موتی کی احادیث دال
ہیں جو عذاب قبر اور فتنۂ قبر سے متعلق ہیں جن کو
ٹالا نہیں جا سکتا اور یہ اس طرح کہ ان کو زندہ
کیا جائے۔ ان کی کسی جزو کو زندہ کیا جائے
جس سے وہ سمجھ سکیں اور اس وقت سن
سکیں جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے۔ یہ
قاضی عیاض رح کا کلام ہے اور یہی ظاہر و
مختار ہے جس کو قبور پر سلام کی احادیث
چاہتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رح فرماتے ہیں کہ :-

واما سوال السائل هل يتكلم
الميت في قبره فجوابه انه يتكلم

بہرحال سائل کا یہ سوال کہ کیا مردہ قبر میں بولتا
ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بولتا ہے

وقد يسمع الميت من كلمه كما ثبت في الصحيح عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم انه قال انهم يسمعون قرع نعالهم الى ان قال وثبت عنه في الصحيح انه نادى المشركين يوم بدر لما القاهم في القليب قال ما انتم باسمع لما اقول منهم والآثار في هذا كثيرة منتشرة والله تعالى اعلم (فتاوى ابن تيمية ج ۲ ص ۱۷۲ طبع مصر)

اور کبھی کلام کرنے والے کی بات کو سنتا بھی ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک وہ واپس آنے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے (پھر آگے فرمایا) اور آپ سے صحیح حدیث کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے بدر کے دن جبکہ مشرکین کی لاشیں کنوئیں میں ڈالی گئیں آواز دی اور (صحابہ کرام سے) فرمایا کہ میں ان سے جو گفتگو کر رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ نہیں سن رہے اور اس سلسلہ میں (کہ سماع موتی ہے) بکثرت حدیثیں موجود ہیں جو کتب حدیث میں پھیلی ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

علامہ علی بن عبد الکافی السبکی رح نے بھی سماع موتی پر اس روایت ما انتم باسمع لما اقول منہم سے استدلال کیا ہے (شفاء السقام ص ۱۴۲)

حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح (المتوفی ۱۳۱۷ھ) نے فرمایا کہ آیۃ انک لا تسمع الموتی میں نفی حواس خمسہ ظاہرہ سے مراد ہے نہ کہ مطلقاً سماع اور استماع

موتیٰ حواس باطنیہ سے پیغمبروں و اولیاء کرام کو ممکن ہے جیسے کہ حدیث قلیب میں مصرح ہے (شمائم امدادیہ صفحہ)۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے گو حواس باطنیہ سے سماع تسلیم کیا ہے مگر قلیب بدر کی حدیث سے عموم سمجھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علامہ قاضی عیاضؒ، امام نوویؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہ کے نزدیک اس حدیث میں سماع موتیٰ کا مسئلہ مقتولین بدر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے اور دیگر بعض اکابر علماء نے بھی اس سے تعمیم ہی سمجھی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

الامام العلامہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی رح (المتوفی ۶۷۱ھ) سماع موتیٰ پر بحث کرتے ہوئے اور حضرت عائشہ رضہ کا آیت کریمہ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى الآیۃ سے نفی سماع موتیٰ پر استدلال نقل کرنے کے بعد آخر میں اپنا فیصلہ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

وقد عورضت هذه الآية بقصة بدر وبالسلام على القبور وبما روى فى ذلك من ان الارواح تكون على شفير القبور فى اوقات وبان الميت يسمع قرع النعال اذا انصرفوا عنه الى غير ذلك فلو

اس آیت کریمہ کے معارضہ میں بدر کا واقعہ اور قبر پر سلام کہنے کی روایات اور وہ جو روایت کیا گیا ہے کہ ارواح بعض اوقات قبروں کے کنارے پر ہوتے ہیں اور یہ کہ میت واپس جانے والوں کی جوتیوں کی آواز سنتی ہے وغیرہ وغیرہ پیش کئے گئے ہیں۔ پس اگر مردہ نہ سنتا ہوتا تو کی

لم يسمع الميت لم يسلّم عليه، هذا واضح
وقد بيناه في كتاب التذكرة انتهى (تفسير
قرطبي المسمى بالجامع لاحكام القرآن ج ۱۳ ص ۲۳۲ طبع مصر)

سلام نہ کہا جاتا اور یہ بالکل واضح ہے اور ہم نے
اپنی کتاب تذکرہ میں اس کو صراحت سے
بیان کیا ہے۔

اس عبارت سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ علامہ قرطبی رح کے نزدیک بھی سماعِ موتی کا مسئلہ صرف مقتولین بدر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ سماع عام ہے جیسا کہ ان کی عبارت سے ظاہر ہے، اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جن لوگوں نے علامہ قرطبی رح کو سماعِ موتی کے منکرین میں شمار کیا ہے، وہ سخت غلطی پر ہیں اور یہ عبارت ان کی تردید کے لئے کافی ہے جیسا کہ کسی بھی صاحبِ فہم اور منصف مزاج سے مخفی نہیں ہے۔ علامہ عبد العلی بحر العلوم الحنفی رح (المتوفی ۱۲۲۵ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:-

وما قيل ان التلقين لغو لان الميت
لا يسمع فهذا باطل لانه قد ورد
في الحديث الصحيح ان الميت اسمع
لصوت النعال من الاحياء ورسول
الله صلى الله عليه وسلم قد نادى
الكفرة الملقين في قليب بدر وقال
انهم يسمعون ولا يقدرون على

اور جو یہ کہا گیا ہے کہ تلقین لغو ہے کیونکہ مردہ
نہیں سنتا تو یہ کہنا باطل ہے کیونکہ صحیح
حدیث میں وارد ہوا ہے کہ میت جوتیوں
کی آواز کو بہ نسبت زندوں کے بھی زیادہ
سنتی ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے ان کفار کو جو بدر کے کنوئیں میں
ڈالے گئے تھے، آواز دی تھی اور آپ نے فرمایا

الجواب لما لحقهم من العذاب الشديد
(رسائل الارکان صفحہ ۱۵۱ طبع لکھنؤ)

کہ بلاشبہ وہ سُنتے ہیں لیکن چونکہ ان کو سخت عذاب ہو رہا ہے اس لئے جواب دینے پر قادر نہیں ہیں۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ علامہ بحر العلوم رحمہ سماعِ موتیٰ کے قائل تھے نہ کہ منکر (جیسا کہ مؤلف ندائے حق نے صفحہ ۱۵۳ میں مُنکرینِ سماعِ موتیٰ میں اُن کا نام لیا ہے) اور پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اصحابِ بدر کے اس واقعہ کو صرف اُن ہی کے ساتھ مختص نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس سے تعمیم مُراد لے رہے ہیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی الحنفی رح (المتوفی ۱۲۲۹ھ) سے سوال ہُوا جس کا جواب انھوں نے یہ دیا۔

سوال: انسان را بعد موت ادراک وشعور باقی میماند و زائران خود را مے شناسد وسلام وکلام ایشان را مے شنود یا نہ؟ جواب انسان را بعد موت ادراک باقی میماند بر این معنی شرع شریف وقواعد فلسفی اجماع دارند اما در شرع شریف پس عذاب قبر

سوال۔ کیا موت کے بعد انسان کے لئے ادراک وشعور باقی رہتا ہے اور وہ اپنی زیارت کرنے والوں کو پہچانتا ہے اور ان کا سلام وکلام سُنتا ہے یا نہیں؟ جواب موت کے بعد انسان کا ادراک باقی رہتا ہے۔ اس نظریہ پر شرع شریف اور قواعد فلسفی کا اجماع ہے۔ رہا شرع شریف کا معاملہ تو قبر کا عذاب و راحت تواتر سے

وتنعیم بتواتر ثابت است و
تفصیل آں دفتر طویل مے خواہد
وکتاب شرح الصدور فی احوال
الموتی والقبور کہ تصنیف شیخ
جلال الدین سیوطی رح است و
دیگر کتب حدیث باید دید ودر
کتب کلامیہ اثبات عذاب القبر
مینمایند حتی کہ بعض اہل
کلام منکر آں را کافر مے داشتہ
وعذاب وتنعیم بغیر ادراک وشعور نمے
تواند شد ونیز در احادیث صحیحہ
مشہورہ درباب زیارت قبور وسلام
برموتی وہمکلامی باآنہا کہ انتم سلفنا
ونحن بالاثر وانا ان شاء اللہ بکم
لاحقون ثابت است ودر بخاری
ومسلم موجود است کہ آنحضرت
صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم با مقتولین بدر

ثابت ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے طویل دفتر
درکار ہیں اور امام سیوطی رح کی کتاب شرح
الصدور فی احوال الموتی والقبور* اور دوسری
کتابیں دیکھنی چاہیئں اور علم کلام کی کتابوں میں
اثبات عذاب قبر ملاحظہ کیا جائے۔ یہاں تک
کہ بعض متکلمین نے اس کے منکر کو کافر شمار کیا
ہے۔ اور قبر کی سزا و راحت بغیر ادراک و
شعور کے نہیں ہو سکتی اور نیز صحیح و مشہور
حدیثیں قبور کی زیارت کے باب میں اور
مُردوں سے سلام اور ہم کلام ہونے کے
بارے میں مثلاً یہ کہ تم ہم سے پیشرو ہو اور ہم
تمہارے تابع ہیں اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ تم
سے ملنے والے ہیں ثابت ہیں اور بخاری
مسلم میں موجود ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے مقتولین بدر سے خطاب فرمایا
کہ کیا تم نے وہ کچھ پا لیا جو تمہارے ساتھ رب
نے وعدہ کیا تھا؟ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ

* بعض نسخوں میں کاتب کی غلطی سے شہداء بدر لکھا گیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ مصحح

خطاب فرمودند مثل بحیث تم یا وعدہ ربکم حقا	آپ ایسے اجسام سے کلام فرما رہے ہیں جن
مردم را محقق کردند یا رسول خدا انکہ مزاح ساد نیست	میں ارواح نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم ان سے
فیہا ارواح[له] فرمودند ما انتم باسمع منہم	زیادہ نہیں سن رہے، لیکن وہ جواب
ولکنہم لا یجیبون الی ان قال بالجملہ انکار	نہیں دیتے (پھر آگے فرمایا) بالجملہ اموات
شعور و ادراک اموات اگر بکفر نرسد در الحاد بودن	کے شعور و ادراک کا انکار اگر کفر نہیں تو اس
او شبہ نیست (فتاوی عزیزی ج ۲ صفحہ ۱۰۸ مترجم ج ۱ صفحہ ۱۱۰)	کے الحاد ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔

حضرت شاہ صاحب رح کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ بھی مقتولین بدر کے ساتھ سماع کو مخصوص نہیں کرتے بلکہ اس سے تعمیم مراد لیتے ہیں اور مردوں کے ادراک وشعور پر کافی زور دے رہے ہیں۔

علامہ سمہودی رح لکھتے ہیں:-

انما نعتقد ثبوت الادراکات کالعلم والسماع	یقینی بات ہے ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ
لسائر الموتی فضلا عن الانبیاء ونقطع	حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تو
بعود الحیوۃ لکل میت فی قبرہ کما ثبت	پوچھنا ہی کیا، علم اور سننے وغیرہ کے ادراکات
فی السنۃ الی ان قال لکن یکفی فیہ حیوۃ	تو تمام مردوں کے لئے ثابت ہیں اور یقینی
جزء یقع بہ الادراک فلا یتوقف علی البنیۃ	بات ہے کہ ہر میت کی طرف قبر میں زندگی
کما زعم المعتزلہ اھ	لوٹ کر آتی ہے جیسا کہ سنت سے ثابت ہے
(وفاء الوفاء ج ۲ صفحہ ۴۰۵)	(پھر آگے فرمایا) یعنی ادراکِ اموات کے لئے

له بعض نسخوں میں کتابت کی غلطی سے روح کا لفظ لکھا گیا ہے۔

ایسی جز کی حیات کافی ہے جس سے ادراک ہو

سکے سو یہ جسمانی ڈھانچے پر موقوف نہیں ہے

جیسا کہ معتزلہ کا باطل خیال ہے۔

مؤلف شفاء الصدور نے صلاا سے ملا تک مُردوں اور زندوں میں چوالیس فرق بیان کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مُردوں کو کفن پہنایا جاتا ہے زندوں کو نہیں پہنایا جاتا، مُردوں کا مرثیہ ہوتا ہے زندوں کا نہیں ہوتا، زندے وارث ہوتے ہیں، مُردے نہیں ہو سکتے وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہم اس لایعنی اور غیر ضروری بحث میں اپنا وقت ضائع کرنا اور عام مسلمانوں کے ذہن کو مشوش کرنا پسند نہیں کرتے۔ ہم اغماض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چلو سب فرق صحیح ہیں لیکن ادراک و شعور، فہم و سماع میں مُردے اور زندے برابر ہیں۔ اصل گُر کی بات یہی ہے جیسا کہ اس پر بے شمار حوالے عرض کر دیئے گئے ہیں۔ اور قاضی شوکانی رح اور علامہ عثمانی رح کا حوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:۔

وجملہ اموات از مومنین وکفار در حصول علم شعور وادراک وسماع وعرض اعمال ورد جواب بر زائر برابر اند تخصیص بہ انبیاء و صلحا نیست۔ (دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص۸۶۳)

تمام مُردے مومن ہوں یا کافر، حصول علم شعور ادراک، سماع، عرض اعمال اور زیارت کرنے والے کے سلام کے جواب لوٹانے میں برابر اور یکساں ہیں۔ ان امور کی تخصیص بعض حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

اور صلحاء کے ساتھ ہی نہیں ہے۔

ان اکابر کے علاوہ بھی بہت سے حضرات یہی فرماتے ہیں چنانچہ علامہ آلوسی الحنفیؒ رقمطراز ہیں کہ:۔

وذهبت طوائف من اهل العلم الى سماعهم في الجملة وقال ابن عبد البر ان الاكثرين على ذلك وهو اختيار ابن جرير الطبريؒ وكذا ذكره ابن قتيبة وغيره واحتجوا بما في الصحيحين عن انس عن ابي طلحة رضي الله تعالى عنهما قال لما كان يوم بدر وظهر عليهم يعني مشركي قريش رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم امر ببضعة وعشرين رجلاً وفي رواية اربع وعشرين رجلاً من صناديد قريش فالقوا في طوى اى بئر من اطواء بدر وان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم

اہل علم کے کئی طائفے اس طرف گئے ہیں کہ مُردے فی الجملہ سنتے ہیں۔ امام ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ علماء کی اکثریت اسی پر ہے اور اسی کو امام ابن جریر طبری رح نے اختیار کیا ہے اور اسی طرح امام ابن قتیبہ رح وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور ان حضرات نے بخاری اور مسلم کی اُس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو حضرت انس رض حضرت ابو طلحہ رض سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا کہ جب بدر کا دن تھا اور آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشرکین قریش پر غالب آگئے تو آپ نے بیس سے زائد سردارانِ قریش کے بارے میں ایک اور روایت میں ہے کہ چوبیس کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو بدر

ناداهم یا ابا جهل بن هشام یا امیة بن خلف یا عتبة بن ربیعة الیس قد وجدتم ما وعدکم ربکم حقا فانی قد وجدت ما وعدنی ربی حقا فقال عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه یا رسول اللّٰه ما تکلم من اجساد لا ارواح لها فقال والذی نفس محمد بیده ما انتم باسمع لما اقول منهم زاد فی روایة لمسلم عن انس رض ولکنهم لا یقدرون ان یجیبوا اهـ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۴)

کے کنوؤں میں سے ایک کنوئیں کے اندر ڈال دیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام لے لے کر ان کو پکارا اور فرمایا اے ابوجہل بن ہشام اے امیہ بن خلف اے عتبہ بن ربیعہ کیا تم نے وہ چیز پالی جو تمہارے ساتھ تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا بیشک میں نے وہ سب کچھ پایا جو میرے ساتھ میرے رب نے وعدہ کیا تھا حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ آپ ایسے جسموں سے گفتگو فرما رہے ہیں جن میں ارواح ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں جو کچھ ان سے کہہ رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ نہیں سن رہے اور مسلم کی روایت میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ اور لیکن وہ اس پر قادر نہیں کہ جواب دے سکیں۔

بقول امام ابن عبدالبرؒ سماع موتیٰ کے قائل اکثر حضرات ہیں اور ان میں امام ابن جریر الطبریؒ بھی ہیں۔ اور ان سب حضرات نے اپنے دلائل

میں قلیب بدر والی حدیث بھی پیش کی ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی رح لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رض نے اگرچہ ان کے سماع کا انکار کیا ہے مگر وہ اس میں معذور ہیں۔

قال ابن تیمیۃ رح فی کتاب الانتصار للامام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وانکار عائشۃ رض سماع اہل القلیب الکفار معذورۃ فیہ لعدم بلوغہا النص وغیرہا لا یکون معذوراً مثلہا لان ہذہ المسئلۃ صارت معلومۃ من الدین بالضرورۃ انتہی (المنحۃ الوھبیۃ ص ۱۳)

امام ابن تیمیہؒ نے امام احمدؒ کی نصرت میں جو کتاب لکھی ہے (جس کا نام الانتصار للامام احمدؒ ہے) اس میں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رض نے قلیب بدر کے کفار کے سماع کا جو انکار کیا ہے وہ اس میں معذور ہیں کیونکہ وہ اس موقع پر موجود نہ تھیں اور ان کو یہ ارشاد نہیں پہنچا اور دوسرے ان کی طرح معذور نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ مسئلہ ضروریات دین کی طرح معلوم ہو گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن تیمیہ رح سماع موتیٰ کے مسئلے کو ضروریات دین کے مسائل میں شمار کرتے ہیں۔

پانچویں دلیل امام سیوطی رح تحریر فرماتے ہیں کہ :-

واخرج العقيلي عن ابن هريرة رضي الله تعالى عنه قال قال ابو رزينؓ يا رسول الله ان طريقي على الموتى فهل من كلام اتكلم به اذا مررت عليهم قال قل السلام عليكم يا اهل القبور من المسلمين و المؤمنين انتم لنا سلف ونحن لكم تبع وانا ان شاء الله بكم لاحقون قال ابو رزين يا رسول الله يسمعون قال يسمعون ولكن لا يستطيعون ان يجيبوا قال يا ابا رزين الا ترضى ان يرد عليك بعددهم من الملائكة (شرح الصدور ص۳۳ طبع مصر)

امام عقیلیؒ نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کی اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ حضرت ابورزین رضؓ نے فرمایا، یارسول اللہ میرا راستہ مُردوں کے پاس (یعنی قبرستان) سے گزرتا ہے پس کیا مَیں ان کے پاس سے گزرتے ہوئے کوئی کلام کیا کروں؟ آپ نے فرمایا۔ تم یہ کہو۔ سلام ہو تم پر اے اہلِ قبور، جو مُسلمان اور مومن ہو۔ تم ہمارے پیشرو ہو اور ہم تمہارے تابع ہیں اور ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ تم سے ملنے والے ہیں حضرت ابورزینؓ نے عرض کیا کہ یارسُول اللہ کیا وُہ سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں سنتے ہیں مگر وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے آپ نے فرمایا اے ابورزینؓ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم جتنے مُردوں کو سلام کہو اتنی ہی تعداد میں فرشتے تمہیں جواب دیں۔

اس حدیث سے بصراحت یہ معلوم ہوا کہ اہلِ قبور اپنی قبروں میں باہر سے سلام کہنے والے کا سلام سُنتے ہیں، ہاں اس حدیث کے آخری حصہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا

ہے کہ وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے مگر اسی حدیث کے بعد امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ :-

قوله لا یستطیعون ان یجیبوا	آپ کے اس ارشاد کا کہ وہ جواب دینے کی
ای بجوابًا یسمعه الجن والانس	طاقت نہیں رکھتے مطلب یہ ہے کہ ایسا
فهم یردون حیث لا یسمع	جواب کہ جن کو جن اور انسان سن سکیں ۔
(شرح الصدور ص ۸۳)	مردے جواب تو دیتے ہیں مگر وہ (عادۃً) سنا نہیں جاتا ۔

اس سے معلوم ہوا کہ مردے سلام سننے کے بعد اس کا جواب بھی دیتے ہیں ۔ مگر مکلف مخلوق جن وانس (جن کو ثقلین سے تعبیر کیا جاتا ہے) اس جواب کو نہیں سنتے ۔ اگر یہ عادۃً سن لیتے تو ایمان بالغیب نہ رہتا ۔ حالانکہ یہی ان سے مطلوب ومقصود تھا کہ وہ دیکھتے اور سنتے تو کچھ نہیں مگر بایں ہمہ وہ سب نصوص پر ایمان رکھتے ہیں بعض حضرات نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن شعث ہے جو مجہول ہے اور امام عقیلی رحمہ نے کہا ہے کہ اس کی حدیث محفوظ نہیں ہے (لسان جلد ۵ ص) بجا ہے مگر دیگر صحیح روایات اور امت کا تعامل اس سے استدلال کا مؤید ہے اور یہ اس قدر کمزور نہیں کہ اس کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے اور جس مسئلہ کے اثبات کے لئے یہ حدیث پیش کی جاتی ہے وہ خود اختلافی مسئلہ ہے اور بنیادی عقائد اور حلال وحرام کے احکام سے نہیں ہے ۔

علامہ آلوسی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :-

وما اخرجہ العقیلی من انہم یسمعون السلام ولا یستطیعون ردّہ محمول علےٰ نفی استطاعة الردّ علی الوجہ المعہود الذی یسمعہ الاحیاء (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۰)

اور جس حدیث کی امام عقیلی رح نے تخریج کی ہے کہ مُردے سلام تو سُنتے ہیں لیکن جواب رَد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس پر محمول ہے کہ معہود طریقہ سے رَد کی طاقت نہیں رکھتے کہ اس جواب کو زندہ لوگ سُن سکیں۔

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ علامہ آلوسیؒ کے نزدیک بھی یہ حدیث قابلِ قبول ہے۔ اسی لئے انھوں نے اس کو تسلیم کر کے اس کا صحیح محمل اور مطلب بیان کرنے کی زحمت اٹھائی ہے اور دُوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ اس میں سلام کے رَد کرنے کی نفی مطلق نہیں بلکہ اس اَمر پر محمول ہے کہ مُردے ایسے انداز سے سلام کا جواب لوٹاتے ہیں کہ متعارف اور معتاد طریقہ پر زندہ لوگ اس کو نہیں سُن سکتے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں :-

سوال نوزدهم سماعت موتیٰ سلام زائر را شرع آمده یا نه؟ جواب سماعت موتیٰ سلام زائر را در شرح مشکوٰة ملا علی قاریؒ از سیوطیؒ نقل نموده هکذا عبارته قال السیوطیؒ واخرج العقیلی عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ما من

انیسواں سوال۔ کیا قبور کی زیارت کرنے والے کے سلام کو مُردوں کے لئے سُننے کا ثبوت شریعت سے ثابت ہے یا نہیں؟ جواب۔ مُردوں کا زیارت کرنے والے کے سلام کے سُننے کا ثبوت ملا علی قاری رح نے شرح مشکوٰة میں امام

مسائل ص ۳۴) سیوطی رح سے نقل کیا ہے اور امام سیوطی رح کی عبارت اس طرح ہے کہ امام عقیلی رح نے حضرت ابو ہریرہ رض سے حدیث کی تخریج کی ہے۔

اس کے بعد انھوں نے وہ پوری حدیث نقل کی ہے جو اوپر شرح الصدور کے حوالہ سے نقل کی جا چکی ہے۔ اس سے بصراحت معلوم ہوا کہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رح بھی مُردوں کے لئے سماعِ سلام کے قائل ہیں اور اسی کو فی الجملہ سماع کہا جاتا ہے۔ مؤلف ندائے حق نے ص ۱۱۶ میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رح کو بھی مطلقاً منکرینِ سماعِ موتیٰ میں شمار کیا ہے جو قطعاً غلط ہے۔

نوٹ: ان کے اس ارشاد کی تحقیق کہ نزد اکثر حنفیہ سماعت موتیٰ ثابت نیست اپنے مقام پر آ رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

چھٹی دلیل

امام ابوبکر بن ابی شیبہ رح (جن کا نام عبد اللہ تھا اور وہ الحافظ، عدیم النظیر، الثبت اور النحریر تھے ۲۳۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۸) فرماتے ہیں کہ ہم سے عبید اللہ رح بن موسیٰ رح نے بیان کیا (یہ صحاحِ ستہ کے راوی اور ثقہ تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۵۰) وہ ابن ابی ذئب رح سے روایت کرتے ہیں (ان کا نام محمد رح بن عبد الرحمٰن رح بن المغیرہ رح تھا یہ بھی صحاحِ ستہ کے رواۃ میں سے اور ثقہ تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۳) وہ قرہ رح سے روایت کرتے ہیں (یہ قرہ رح بن خالد سدوسی رح ہیں جن سے صحاحِ ستہ کے جملہ مصنفین نے

روایت لی ہے اور وہ ثقہ اور ثبت تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۳) اور وہ عامر رح بن سعد رض سے روایت کرتے ہیں (علامہ ابن سعد رح فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ امام ابن حبان رح ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور محدث عجلی رح فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۶۳) وہ اپنے والد ماجد حضرت سعد رض بن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

انه كان يرجع من ضيعته فيمر بقبور	وہ جب اپنی زمین اور کھیتی سے واپس
الشهداء فيقول السلام عليكم وانا	آتے اور شہداء کی قبروں کے پاس سے گزرتے
بكم للاحقون ثم يقول لاصحابه	تو فرماتے السلام علیکم اور بے شک ہم بھی
الا تسلمون على الشهداء فيردون	تم سے ملنے والے ہیں۔ پھر اپنے ساتھیوں
عليكم (مصنف ابن ابی شیبہ	سے فرماتے کہ کیا تم شہداء کو سلام نہیں کہتے،
ج ۴ طبع ملتان شرح الصدور صفحہ ۹۴ طبع مصر)	تاکہ وہ تمہیں تمہارے سلام کا جواب لوٹائیں

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد رض بن ابی وقاص جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر، صاحب منقبت اور مستجاب الدعوات صحابی تھے ان کا بھی یہ نظریہ تھا کہ شہداء زندوں کا سلام سنتے اور ان کو جواب دیتے ہیں کیونکہ ان کے سامنے وہ صریح اور صحیح حدیثیں تھیں جن میں آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردوں کو سلام کہنے اور ان کی طرف سے جواب لوٹانے کا ذکر فرمایا ہے اور یہ تمام احادیث اپنی حقیقت پر محمول ہیں تو پھر جلیل القدر صحابی ان کی خلاف ورزی کیسے کر سکتے تھے؟

ساتویں دلیل

پہلے یہ بات بحوالہ فتاویٰ رشیدیہ عرض کی جاچکی ہے کہ تلقینِ میت میں حنفیہ باہم مختلف ہیں جو گروہ سماعِ موتیٰ کا قائل ہے وہ تلقین کا بھی قائل ہے اور چونکہ دفن کے بعد بہت سی روایات اثباتِ سماع کرتی ہیں لہٰذا تلقینِ میت اسی پر مبنی ہے (محصلہ) اور یہ تلقین اسی وجہ سے ہے کہ میت قبر میں سنتی ہے ورنہ یہ کارروائی بیکار ہے۔ علامہ ابراہیم حلبی الحنفی رح (المتوفی ۹۵۶ھ) کہتے ہیں کہ:-

وانما لا ینہی عن التلقین بعد	ہاں شبہ دفن کے بعد تلقین سے نہ منع کیا جائے
الدفن لانہ لا ضرر فیہ بل فیہ نفع	کیونکہ اس سے ضرر تو کچھ ہے نہیں بلکہ اس
فان المیت یستانس بالذکر علیٰ	میں فائدہ اور نفع ہے کیونکہ میت ذکر سے
ما ورد فی الآثار ففی صحیح مسلم	مانوس ہوتی ہے جیسا کہ آثار میں آیا ہے چنانچہ
عن عمرو رض بن العاص اھ (غنیۃ المستملی	صحیح مسلم میں حضرت عمرو رض بن العاص سے
طبع دیوبند ص۵۳۳)	روایت ہے

اس کے بعد انھوں نے مسلم کی روایت بھی نقل کی ہے اور اس کے علاوہ کچھ اور آثار بھی نقل کئے ہیں چنانچہ مسلم کی اس روایت کے آخر میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت عمرو رض بن العاص فاتح مصر (المتوفی ۴۳ھ) نے فرمایا کہ

فاذا دفنتمونی فسنوا علیّ التراب	جب تم مجھے دفن کر چکو تو مجھ پر مٹی ڈالو پھر
سنًا ثم اقیموا حول قبری قدر ما	میری قبر کے پاس اتنا وقت ٹھہرے رہو۔

تنحر جزور ويقسم لحمها حتى استأنس بكم وانظر ماذا اراجع به رسل ربي (مسلم ج ۱ ص ۷۶ واللفظ له وابو عوانه ج ۱ ص ۷۱)

جس میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکتا ہو تاکہ میں تمہاری وجہ سے مانوس ہو کر سوچ سکوں کہ اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دوں۔

اس کتاب کے ص ۲۸ تا ۳۰ میں حافظ ابن تیمیہ" شیخ بدر الدین البعلی" اور کتاب الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیۃ کے حوالوں سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ قبر کے پاس حاضر ہونے والے کو صاحب قبر جانتا اور اس سے مانوس ہوتا ہے اور دفن کے بعد قبر پر ٹھہرنا اور اس کے ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا ثابت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال استغفروا لاخيكم ثم سلوا له التثبيت فانه الآن يسئل (ابو داؤد ج ۲ ص ۱۰۳ ومشكوة ج ۱ ص ۲۶)

کہ آنحضرت ﷺ جب میت کے دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال ہوگا۔

یہ سب باتیں صاحب قبر کے احساس و شعور پر دال ہیں ورنہ قبر کے پاس دعا کرنے کی کوئی خصوصیت نہیں۔ دعا دور سے بھی پہنچتی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رح (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ:-

واخرج الطبراني في الكبير وابن

امام طبرانی رح نے معجم کبیر میں اور اسی طرح

منذرة عن ابي امامة رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال اذا مات احد من اخوانكم فسويتم عليه التراب فليقم احدكم على رأس القبر ثم ليقل يا فلان بن فلانة فانه يسمعه ولا يجيب اهـ (شرح الصدور ص۴۳ و مختصر تذكرة قرطبي ص۲۷) وقال الحافظ في التلخيص ج۲ ص۱۳۵ واسناده صالح وقد قواه الضياء في احكامه اهـ)

حافظ ابن مندہ رحؒ نے حضرت ابو امامہ رضؓ کی اس روایت کی تخریج کی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی فوت ہو جائے اور تم اس پر مٹی ڈال کر قبر درست کر چکو تو تم میں سے ایک اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر یہ کہے۔ اے فلاں فلانہ کے بیٹے کیونکہ بلاشک وہ سنتا ہے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتا (جس کو تم سن سکو) اس کی اسناد صالح ہے اور محدث ضیاءؒ نے احکام میں اس کو قوی بتایا ہے۔

اگرچہ اس حدیث کی بعض محدثین کرام رحؒ نے تضعیف کی ہے لیکن حافظ ابن حجر رحؒ اس کی سند کو صالح کہتے ہیں اور مشہور محدث ضیاء الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد المقدسی الحنبلی رحؒ (المتوفی ۶۴۳ھ) جو الامام العلم الحافظ الحجۃ اور محدث شام تھے، (تذکرۃ الحفاظ ج۴ ص۱۹۰) علامہ برزالی رحؒ ان کو ثقہ جبل حافظ دین اور امام ابن النجار رحؒ ان کو حافظ متقن حجۃ عالم بالرجال کہتے ہیں (ایضاً ص۱۹۱) بھی اس حدیث کو قوی کہتے ہیں اور اس کے بعد حافظ ابن حجر رحؒ تلخیص میں کہتے ہیں کہ اس کے کئی شواہد موجود ہیں۔

(ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۱۳۹) اور پھر جمہور امت کے اس پر عمل سے اس کو تقویت حاصل ہے چنانچہ حافظ ابن القیم حنبلی رح لکھتے ہیں کہ:۔

ويدل على هذا ايضًا ما جرى عليه عمل الناس قديمًا الى الآن من تلقين الميت في قبره ولولا ان يسمع ذلك وينتفع به لم يكن فيه فائدة وكان عبثًا وقد سُئل عنه الامام احمد رحمه الله تعالى فاستحسنه واحتج عليه بالعمل ويروى فيه حديث ضعيف ذكره الطبراني في مُعجمه من حديث ابي امامة الى ان قال فهذا الحديث وان لم يثبت فاتصال العمل به في سائر الامصار والاعصار من غير انكار كافٍ في العمل

اور قبر میں میت کی تلقین کے جواز کی اس کارروائی پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ قدیم سے اس وقت تک لوگوں کا عمل اس پر چلا آرہا ہے اور اگر مُردہ اس کو نہ سنتا ہو اور اس سے اس کو فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو یہ ایک بے فائدہ اور عبث کارروائی ہوگی اور امام احمد رح سے اس بارے میں سوال ہوا تو انھوں نے اس کو مستحسن سمجھا اور اس پر انھوں نے دلیل یہ پیش کی کہ اس پر بدستور عمل چلا آرہا ہے اور اس سلسلہ میں ایک ضعیف حدیث بھی مروی ہے جس کا امام طبرانی رح نے اپنے معجم میں حضرت ابوامامہ رض سے ذکر کیا ہے۔ (اس کے بعد انھوں نے یہی روایت نقل کی جو ہم نے ابھی شرح الصدور وغیرہ کے حوالے سے عرض کی ہے۔ اس کے بعد

به وما اجرى الله سبحانه
العادة قط بان امة طبقت
مشارق الارض ومغاربها
وهي اكمل الامم عقولا وافهاما
معارف تطبق على مخاطبة من
لا يسمع ولا يعقل وتستحسن
ذلك ولا ينكره منها منكر بل
سنه الاول للآخر ويقتدي
فيه الآخر بالاول اه (كتاب
الروح ص۱۳ طبع دائرة
المعارف حیدرآباد دکن)

سکتے ہیں) پس یہ حدیث اگرچہ ثابت نہیں[1]
(لیکن حدیث حسن سے کم نہیں جمہور کے نزدیک
احتجاج درست ہے اور بقول حافظ ابن حجرؒ یہ
روایت صالح ہے کما مر) لیکن تمام شہروں
اور سب زمانوں میں بغیر انکار کے اس پر عمل
کا اتصال اس پر عمل کے لئے کافی ہے اور اللہ
تعالیٰ کی یہ عادت کبھی جاری نہیں رہی کہ تمام
امتوں سے عقل کے لحاظ سے بہتر امت اور
وافر معارف سے شناسا امت زمین کے مشرق
سے مغرب تک اس پر متفق ہو جائے کہ وہ ایسی
ذات کو مخاطب بنائے کہ نہ تو وہ سنتی ہے اور نہ
جانتی ہے اور پھر اس کو وہ اچھا بھی سمجھے اور
کوئی منکر اس کا انکار بھی نہ کرے بلکہ پہلا اس کو

---

[1] حافظ ابن حجرؒ نتائج الافکار ص میں لکھتے ہیں کہ :

لا يلزم من نفي الثبوت ثبوت
الضعف لاحتمال ان يراد بالثبوت
الصحة فلا ينتفي الحسن اھ

نفی ثبوت حدیث سے اس کا ضعف ثابت
نہیں ہوتا کیونکہ احتمال ہے کہ ثبوت سے
صحت مراد ہو (یعنی یہ حدیث صحت کو نہیں

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

بعد میں آنے والے کے لئے مسنون قرار دے

اور بعد کو آنے والا پہلے کی اقتدا کرے۔

حافظ ابن القیم رح نے زاد المعاد ج ۱ ص ۲۰۶ طبع مصر میں اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا رفع صحیح نہیں لیکن امام اثرم رح نے جب امام احمد رح سے اس کا روایتی ثبوت طلب کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اہل شام (جو اس وقت سنت کا مرکز تھا) ایسا کرتے ہیں (محصلہ) یعنی حدیث کے ضعف کو تعامل سے پورا کیا۔

حافظ ابن القیم رح کی یہ عبارت بہت سے فوائد پر مشتمل ہے، چند یہ ہیں:-

(۱) امام اہل السنت والجماعت حضرت احمد بن حنبل رح بھی تلقین میت کے قائل تھے بلکہ وہ اس کو مستحسن سمجھتے تھے۔ (۲) حافظ ابن القیم رح کے دور تک (جن کی وفات ۷۵۱ھ میں ہوئی) قدیم سے تمام شہروں اور سب زمانوں میں اس پر امت کا تعامل چلا آرہا ہے۔ (۳) بلکہ بقول ان کے مشرق سے مغرب تک اس پر امت کا اتفاق رہا ہے (۴) اور کسی منکر نے اس کا انکار نہیں کیا (۵) یہ حدیث اگرچہ

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

پہنچتی تو اس سے حسن ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر رح کے اس فنی نقطہ سے معلوم ہوا کہ نفی ثبوت سے ثبوت ضعف لازم نہیں آتا۔ ہوسکتا ہے کہ حدیث صحت کو تو نہ پہنچتی ہو لیکن حسن کے درجہ کو پہنچ جائے اور اسی کو صالح سے تعبیر کر لیا گیا ہے اور حسن حدیث بھی جمہور کے نزدیک قابل احتجاج ہے۔

ثابت نہیں مگر اُمت کے تعامل سے اس کا استنباط ہے۔

اس روایت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو علامہ آلوسیؒ نے عبید بن مرزوق کے مرسل سے ابوالشیخ کے حوالے سے نقل کی ہے کہ ایک عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دیتی تھی۔ اس کی وفات ہو گئی اور آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی وفات کا علم نہ ہو سکا۔ وہ دفن ہو چکی اور آپ اس کی قبر کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ یہ قبر کس کی ہے؟

فقالوا ام محجن قال عليه السلام التي كانت تقم المسجد؟ قالوا نعم فصف الناس فصلى عليها فقال عليه السلام اي العمل وجدت افضل؟ قالوا يا رسول الله أتسمع؟ قال عليه السلام ما انتم باسمع منها فذكر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم انها اجابته قم المسجد (روح المعاني ج ۱۱ صـ ۲۹)

حضرات صحابہ کرام رضؓ نے عرض کیا کہ ام محجنؓ کی قبر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی؟ انھوں نے کہا ہاں حضرت وہی لوگوں نے صف باندھی اور آپ نے اس کا جنازہ پڑھایا (جو آپ کی خصوصیت تھی یا اس کے لئے اجتماعی صورت میں دعا کی) آپ نے اس بی بی سے دریافت کیا کہ تو نے کون سا عمل افضل پایا؟ حضرات صحابہ کرام رضؓ نے کہا یا رسول اللہ کیا وہ سنتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم اس سے زیادہ نہیں سُن رہے ہو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس نے جواب یہ دیا ہے کہ

میں نے مسجد کی صفائی افضل عمل پایا۔

یہ روایت اگرچہ مرسل ہے لیکن مرسل کے بارے میں حضرات محدثین کرام رح کا فیصلہ یہ ہے۔ علامہ جزائری رح فرماتے ہیں کہ مراسیل سے گزشتہ زمانے میں علماء احتجاج کیا کرتے تھے۔ مثلاً امام سفیان ثوری رح، امام مالک رح اور امام اوزاعی رح۔ جب امام شافعی رح آئے تو انھوں نے مرسل کی حجیت میں کلام کیا (توجیہ النظر ص۲۴۵) امام نووی رح فرماتے ہیں کہ امام مالک رح، امام ابو حنیفہ رح، امام احمد رح اور اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ مرسل قابلِ احتجاج ہے اور امام شافعی رح کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرسل کے ساتھ کوئی تقویت کی چیز مل جائے تو وہ حجت ہو گا۔ مثلاً یہ کہ وہ مسنداً بھی مروی ہو یا دوسرے طریق سے۔ وہ مرسل روایت کیا گیا ہو یا بعض صحابہ کرام رض یا اکثر علماء نے اس پر عمل کیا ہو (مقدمہ نووی رح بر شرح مسلم ص۱۷) اور یہاں تقویت کے تمام اسباب موجود ہیں۔ اسی مضمون کی مسند روایت (بلکہ کئی روایات) بھی موجود ہے۔ حضرت سعد رض بن ابی وقاص جیسے جلیل القدر صحابی رض (اور اسی طرح بعض دیگر حضرات صحابہ کرام رض کا بھی اس پر عمل تھا کما مر) اور اُمت کی اکثریت کا بھی اس پر عمل ہے جیسا کہ اس کتاب سے واضح ہے۔ اور یہ کسی نص قرآنی کے معارض بھی نہیں ہے اور چونکہ صحیح روایات سے عام مُردوں کے سماع کا ثبوت ہے لہٰذا اس کو آپ کی خصوصیت پر حمل کرنا بھی دُرست نہ ہو گا جیسا کہ بعض کوتاہ فہم لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رح سے میت کی تلقین کے بارے میں سوال کیا گیا تو وہ فرماتے ہیں

الجواب هذا التلقين المذكور قد ثبت عن طائفة من الصحابة رض انهم امروا به كابي امامة الباهلي وغيره وروى فيه حديث عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لكنه مما لا يحكم بصحته ولم يكن كثير من الصحابة رض يفعل ذلك فلهذا قال الامام احمد رح وغيره من العلماء ان هذا التلقين لا بأس به فرخصوا فيه ولم يأمروا به واستحبه طائفة من اصحاب الشافعي رح واحمد رح وكرهه طائفة من العلماء من اصحاب مالك رح وغيرهم الى ان قال فلهذا قيل ان التلقين

الجواب: یہ مذکورہ تلقین حضرات صحابہ کرام رض کے ایک طائفہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے اس کا حکم دیا ہے جیسے حضرت ابوامامہ الباہلی رض وغیرہ اور اس میں آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک روایت بھی مروی ہے لیکن اس کی صحت کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اور حضرت صحابہ کرام رض کی اکثریت یہ کارروائی نہیں کرتی تھی اس لئے حضرت امام احمد رح وغیرہ علماء نے فرمایا ہے کہ اس تلقین میں کوئی مضائقہ نہیں ہے سو ان حضرات نے اس کی اجازت دی ہے اور تاکیدی حکم نہیں دیا۔ اور ان کو امام شافعی رح اور امام احمد رح کے اصحاب میں سے ایک طائفہ نے مستحب قرار دیا ہے، اور حضرت امام مالک رح کے اصحاب میں سے علماء کے ایک طائفہ اور دوسرے حضرات نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے (آگے فرمایا) کہ

ينفعه فان الميت يسمع النداء كما ثبت فى الصحيح عن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم انه قال انه يسمع قرع نعالهم وانه قال ما انتم باسمع لما اقول منهم وانه امرنا بالسلام على الموتى فقال ما من رجل يمر بقبر الرجل كان يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه الا رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام والله تعالى اعلم (فتاوٰى ابن تيميه ج ا ص ۲۸۹)

اسی لئے کہا گیا ہے کہ تلقین مُردے کو نفع دیتی ہے کیونکہ وہ آواز کو سنتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ مُردہ لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے اور نیز آپ نے فرمایا کہ میں جو کچھ ان سے کہتا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ نہیں سُننے اور نیز آپ نے ہمیں مُردوں پر سلام کہنے کا حکم دیا پس آپ نے فرمایا کہ تم میں جو شخص بھی کسی ایسے آدمی کی قبر سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کہتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کی رُوح (یعنی توجہ) کو اس پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے سلام کا جواب لوٹاتا ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

تعامل کی وجہ سے ضعیف حدیث درجۂ قبولیت حاصل کر لیتی ہے۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب لا وصیۃ لوارث کی تحقیق کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

وهذا الحديث ضعيف بالاتفاق مع ثبوت حكمه بالاجماع

یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے حالانکہ اس کا حکم بالاجماع ثابت ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں :-

وبحث فيه ابن القطان ان الحديث الضعيف اذا اتفق عليه الاجماع هل ينقلب صحيحا اولا؟ والمشهور الآن عند المحدثين انه يبقى على حاله والعمدة عندهم في هذا الباب هو حال الاسناد فقط فلا يحكمون بالصحة على حديث في اسناده راو ضعيف وذهب بعضهم الى ان الحديث اذا تأيد بالعمل ارتقى من حال الضعف الى مرتبة القبول قلت وهو الاوجه عندي وان كبر على المشغوفين بالاسناد فاني قد بلوت حالهم وتجارتهم

امام ابن القطان رحمہ اللہ نے اس پر بحث کی ہے کہ کیا ضعیف حدیث جب اس پر اجماع منعقد ہو جائے صحیح بن سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس وقت محدثین میں مشہور یہی ہے کہ وہ اپنے حال پر باقی رہے گی۔ اور ان کے نزدیک اس باب میں مدار صرف اسناد کے حال پر ہے تو وہ کسی ایسی حدیث کے صحیح ہونے کا فیصلہ نہیں کرتے جس میں کوئی ضعیف راوی ہو۔ اور بعض محدثین اس طرف گئے ہیں کہ ضعیف حدیث جب عمل سے مؤید ہو جائے تو وہ ضعف کی حالت سے نکل کر درجہ قبولیت تک پہنچ جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہی بات زیادہ درست ہے اگرچہ یہ بات ان لوگوں پر شاق

وتساهلهم وتماكسهم فی هذا الباب واعتبار الواقع عندی اولیٰ من المشی علی القواعد وانما القواعد للفصل فیمالم ینکشف امرہ من الخارج علیٰ وجھہ فاتباع الواقع اولیٰ والتمسک بہ احری انتھی (فیض الباری ج ۳ ص ۴۰۹)

گزرے گی جو صرف اسناد پر فریفتہ ہیں میں نے ان لوگوں کا حال اس باب میں ان کے تخمینہ اور ان کی چشم پوشی وسہل انگاری اور انکی سخت گیری سے بخوبی آزمایا ہے اور میرے نزدیک واقع کا اعتبار کرنے قواعد پر چلنے سے زیادہ بہتر ہے قواعد تو صرف اس لئے ہوتے ہیں کہ جس چیز کی حقیقت خارج سے پوری طرح منکشف نہیں ہوئی قواعد سے کھل جائے۔ سو واقع کی پیروی اور اس سے تمسک اولیٰ اور زیادہ مناسب ہے

حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ اسناد کا سرے سے کوئی اعتبار نہیں کیونکہ حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے میں اسناد کا بڑا دخل ہے اگر اسناد نہ ہو تو جس کا جو جی چاہے گا کہہ ڈالے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر کسی حدیث میں کوئی راوی ضعیف ہو (یہ یاد رہے کہ کذاب و وضاع وغیرہ راوی کی بات نہیں ہو رہی، صرف اس راوی کی بات ہو رہی ہے جس کا ضعف محدثین کرام کے نزدیک قابلِ برداشت ہے) لیکن اس ضعیف حدیث پر امت کا اجماع ہو یا اکثریت کا تعامل ہو تو محض روات پرستی کی وجہ سے تعاملِ امت سے نظر پھیر کر اس حدیث کو ضعیف کہہ کر دل کی تسکین حاصل کر لینا (جیسا کہ مؤلف

نداۓ حق و شفاء الصدور اور دقائق البرہان وغیرہ نے یہ قید اختیار کر رکھا ہے)
حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک بالکل غلط ہے اور صرف اسی فنی وجہ سے تعامل اور
توارث اُمّت سے اغماض کرنا صحیح نہیں ہے اور یہی کچھ حافظ ابن القیمؒ نے کہا ہے۔

قاضی شوکانیؒ ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ثم حکم ابن عبد البرؒ مع ذلك	پھر امام ابن عبد البرؒ نے باوجود اس کے کہ اس
بصحتہ لتلقی العلماء له بالقبول	حدیث کی سند کمزور ہے اس کو صحیح قرار دیا
فردہ من حیث الاسناد وقبلہٗ	ہے کیونکہ علماء نے اس کو قبول کر کے اس
من حیث المعنٰی اھ	پر عمل کیا ہے۔ الغرض امام ابن عبد البرؒ نے
(نیل الاوطار ج ۱ ص۲۰)	سند کے لحاظ سے اس کو رد کیا ہے اور معنی کے
	لحاظ سے اس کو قبول کیا ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ علماء اُمّت کا تعامل بھی ایک بڑی شے ہے اور اس سے
بھی صرف نظر نہیں کی جا سکتی اور ایسے فروعی مسائل میں ادلۂ قطعیہ کی حاجت
بھی نہیں ہوتی ، فی الجملہ دلائل درکار ہوتے ہیں اور بحمد اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں وہ
سب موجود ہیں۔

قاضی شوکانیؒ ہی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

فالاحکام الشرعیۃ لا تشترط فیها الادلۃ	احکام شرعیہ کے لئے دلائل قطعیہ شرط
القطعیۃ اھ (نیل الاوطار ج ۸ ص۲۹۳)	نہیں ہے۔

فقیہ کبیر امام الفقہاء حسنؒ بن منصورؒ المعروف بقاضی خان (المتوفی ۵۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ :-

وان قرأ القرآن عند القبور ان نوی بذلک ان یؤنسهم صوت القرآن فانه یقرأ فان لم یقصد ذلک فالله تعالیٰ یسمع قراءۃ القرآن حیث کانت (فتاوی قاضی خان ج ۴ ص۶۹۱ طبع نولکشور لکھنؤ)	اگر کسی شخص نے قبور کے پاس اس نیت سے قرآنِ کریم پڑھا کہ اس کے قرآنِ کریم پڑھنے کی آواز سے مُردے مانوس ہوتے ہیں تو بلاشک وہ پڑھے اور اگر یہ نیت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ قرآن کریم کی قرأت کو سنتا ہے۔ (تو پھر قبور کے پاس پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟)

اور یہ عبارت فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص۳۷۸ طبع مصر میں بھی ہے۔ علماء کرام جانتے ہیں کہ فتاویٰ عالمگیری کو حضرت سلطان اورنگ زیبؒ (المتوفی ۱۱۱۸ھ) کے زمانہ میں پانچ سو جید علماء کرام نے مدوّن اور مرتب کیا ہے۔ اگر مُردے فی الجملہ نہیں سنتے، تو قبروں کے پاس قرآن کریم پڑھنے والوں کی آواز سے مُردوں کے مانوس ہونے کا کیا مطلب ہے؟ ان کا قرآن کریم کی آواز سے مانوس ہونا تو صرف اسی صورت میں متحقق ہو سکتا ہے کہ وہ قبور کے پاس قرآن پڑھنے والوں کی آواز کو سنتے ہوں اور سُن کر اس سے مانوس اور منتفع ہوں۔ صوت القرآن کے الفاظ اس عبارت میں صراحۃً موجود ہیں۔ لہٰذا اس کی یہ تاویل کرنا جیسا کہ شفاء الصدور ص۹۵ میں کی گئی ہے کہ جیسے سرسبز درختوں اور پودوں سے میّت کو فائدہ ہوتا ہے اسی طرح بغیر

بغض کے قرآن کریم سے بھی وہ فائدہ اٹھاتا ہے، سراسر باطل اور قطعاً مردود ہے۔
حافظ ابن الہمام رحمہ نے تلقین میّت کے بارے میں خاصی بحث کی ہے
چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

واما التلقين بعد الموت وهو في	بہرحال مرنے کے بعد جبکہ میّت قبر میں ہو
القبر فقيل يفعل لحقيقة ما رويناه	اس کی تلقین کے بارے میں اختلاف ہے
ونسب الى اهل السنة والجماعة	سو کہا گیا ہے کہ یہ کارروائی کی جائے اس حقیقت
وخلافه الى المعتزلة وقيل لا يؤمر	کی بنا پر جس پر ہم نے روایت نقل کی ہے۔
به ولا ينهى عنه الى ان قال وقد	اور یہ بات اہل السنت والجماعت کی طرف
يختار الشق الاول والاحتياج اليه	نسبت کی گئی ہے اور اس میں معتزلہ کا
في حق التذكير لتثبيت الجنان	اختلاف ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہ تو
للسوال فنفي الفائدة مطلقا	اس کا حکم دیا جائے اور نہ اس سے منع
ممنوع نعم الفائدة الاصلية	کیا جائے (آگے فرمایا) اور بلاشک پہلی
منتفية الى ان قال الا انه على	شق کو اختیار کیا گیا ہے اور میّت کو یاد دہانی
هذا ينبغي التلقين بعد الموت	کرانے کے لئے اس کی حاجت بھی ہے تاکہ
لانه يكون حين ارجاع الروح	اس کا دل سوال کے وقت ثابت رہے
فيكون لفظ موتاكم في حقيقته	اس لئے تلقین کے فائدہ کی مطلقاً نفی کرنا
وهو قول طائفة من المشائخ	ممنوع ہے۔ ہاں اصلی فائدہ اور تکلیفی زندگی

أو هو مجاز باعتبار ما كان نظرًا إلى أنه الآن حي إذ ليس معنى الحي إلا من في بدنه الروح اهـ (فتح القدير ج ۱ ص ۴۴۷ و ص ۴۴۳)

کی صورت میں تلقین کرے، مستحق ہے (تلقین) اس لحاظ سے مناسب یہی ہے کہ مرنے کے بعد تلقین کی جائے کیونکہ روح کے لوٹائے جانے کے بعد ہو گی، لہٰذا اس صورت میں حدیث میں لفظ موتاکم حقیقت پر محمول ہو گا (قریب المرگ کے معنی میں نہ ہو گا) اور مشائخ میں سے ایک گروہ کا یہی قول ہے یا یہ مجاز ہے، اس سے مراد وہ شخص ہے جو پہلے مردہ تھا کیونکہ اس وقت تو وہ زندہ ہے اس لئے کہ زندہ کا معنی اس کے بغیر اور کوئی نہیں کہ اس کے بدن میں روح ہو (اور یہاں ایسا ہی ہے)

مشہور فقیہ علامہ سید محمد امین بن عمر الحنفی الشامی (المتوفی ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:-

وإنما لا ينهى عن التلقين بعد الدفن لأنه لا ضرر فيه بل فيه نفع اهـ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۵)

یقینی بات ہے کہ دفن کے بعد تلقین سے منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں نقصان تو کوئی ہے نہیں بلکہ اس میں (میت کا) فائدہ اور نفع ہی ہے۔

سابق مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحؒ سے سوال ہوا کہ "بعد دفن کے تلقین کرنا جائز ہے یا نہ؟ اگر جائز ہے تو کس طرح؟" اس کا جواب رحؒ یوں ارشاد فرماتے ہیں:۔

الجواب: تلقین بعد الدفن کو فقہاء نے جائز لکھا ہے (فتاویٰ دارالعلوم جلد ۵ صفحہ [illegible])۔

فائدہ: قبر پر قرآن کریم پڑھنے کے بارے میں حضرات فقہاء کرام رحؒ کا اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحؒ اور حضرت امام ابو یوسف رحؒ کا مسلک یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں لیکن حضرت امام محمد رحؒ اس کے جواز کا حکم دیتے ہیں۔ اور فتویٰ اسی پر ہے۔ چنانچہ امام السید احمد الطحطاوی الحنفی رحؒ لکھتے ہیں کہ:۔

قوله ثم لا يعود على المسلمين۔ لم يصح فيه حديث كما ذكره ملا علي في بعض كتبه واخذ من ذلك بجواز القراءة على القبر والمسألة ذات خلاف قال الامام تكره لان اهلها جيفة ولم يصح فيها شئ عنه لا عنه صلى الله تعالى عليه وسلم وقال محمد تستحب

ان کا قول ثم لا یعود علی المسلمین اس میں کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے جیسا کہ ملا علی القاری نے اپنی بعض کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس سے قبر پر قرأت کا جواز اخذ کیا گیا ہے اور مسئلہ اختلافی ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ اہل قبور مردے ہیں اور ان کے نزدیک اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ مستحب ہے کیونکہ اس میں آثار و احادیث

لورود الآثار وهو المذهب المختار کما صرح به فی کتاب الاستحسان من (طحطاوی ج ۴ ص ۳۴۲) وارد ہیں اور یہی مختار مذہب ہے جیسا کہ حضرات فقہاء کرام رح نے کتاب الاستحسان میں اس کی تصریح کی ہے۔

عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۶ میں ہے کہ ہمارے فقہاء احناف رح نے امام محمد رح کا قول لیا ہے کہ عند القبر قرآن کریم پڑھنا درست ہے اور البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۴ میں ہے کہ والفتوٰی علی قول محمد‌ؒ امام نووی رح شرح مسلم ج ۱ ص ۱۴۱ میں اور علامہ عینی رح عمدۃ القاری ج ۲ ص ۵۹۸ میں اور حافظ ابن حجر رح فتح الباری ج ۱ ص ۲۹۵ میں لکھتے ہیں کہ قبر پر کھجور کی ٹہنیاں (جریدتین) رکھنے سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عند القبر قراۃ قرآن اور تسبیح وغیرہ سے تخفیفِ عذاب ہوتی ہے۔

بابِ دوم

منکرینِ سماعِ موتٰی کے دلائل

پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہ مسئلہ حضرات صحابہ کرام رض کے زمانہ سے تا ہنوز اختلافی چلا آرہا ہے۔ اس مسئلہ میں خود حضرات فقہاء احناف رح اور نیز ہمارے اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا آپس میں بھی اختلاف ہے۔ جو حضرات سماعِ موتٰی کا انکار کرتے ہیں، اصولی طور پر ان کی تین دلیلیں ہیں۔ (۱) ظاہر نصوصِ قرآنیہ۔ (۲) اقوال حضرات فقہاء کرامؒ اور (۳) قیاسی د

عقلی دلیل. عقلی اور قیاسی دلیل کا، جو اب چودھویں صدی میں ایجاد کی گئی ہے، تانا بانا اور کائنات صرف اتنی ہی ہے کہ رُوح کے بدن سے کلی طور پر انقطاع کے بعد بے حساب مٹی کے ڈھیر کے نیچے قبر میں جبکہ نہ کوئی دروازہ ہے اور نہ دریچہ، عقل کیسے باور کر سکتی ہے کہ بیرونی آواز مُردہ سُن سکتا ہے؟ جبکہ بسا اوقات بند کمرہ میں بیٹھا ہوا زندہ شخص بھی کمرہ سے باہر والوں کی آواز کو نہیں سُنتا۔ مگر اربابِ فہم و بصیرت پر مخفی نہیں کہ یہ ایک بڑا عقلی ڈھکوسلہ ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ صحیح مشہور بلکہ متواتر حدیث سے ثابت ہے کہ قبر میں جسم کی طرف رُوح لوٹائی جاتی ہے اور جسم کا رُوح سے تعلق قائم کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اُس کو ادراک و شعور حاصل ہوتا ہے اور اسی تعلق اور ادراک و شعور کی وجہ سے مُردہ سلام و کلام وغیرہ سُنتا ہے و ثانیاً سماعِ موتیٰ کی صحیح حدیثیں پہلے باحوالہ پیش کی جا چکی ہیں جو اپنی حقیقت پر محمول ہیں جیسا کہ جمہور شراحِ حدیث کی تشریح اور تفسیر سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے اور یہ طے شدہ بات ہے کہ نص کے مقابلہ میں قیاس مردود ہوتا ہے لہٰذا ان صحیح و صریح احادیث کے مقابلہ میں غیر معصوم اور غیر مجتہد کے اس بے وزن قیاس کی شرعاً کیا وقعت ہو سکتی ہے جس کے متعلق صرف اتنی ہی گزارش کافی ہے کہ ؎

خویش را تاویل کن نے ذکر را

ظاہر نصوص سے عہدِ حاضر کے مجتہدین حضرات نے جو استدلال کیا ہے

اصولی طور پر دو طرح کا ہے۔ ایک یہ کہ وہ تمام آیات ان حضرات کے نزدیک مسئلہ عدم سماع موتی پر ان کا مستدل ہیں جن میں غیر اللہ کو سفارشی بنانا اور ان کی عبادت کرنا اور غیر اللہ کو پکارنا اور اس کے نتیجہ میں ان کا اس عبادت اور پکار سے غافل اور بے خبر ولاعلم رہنا ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً یہ آیت کریمہ

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ (پ ۱۱۔ یونس رکوع ع)

اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ورے اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے ان کو اور نہ نفع اور کہتے ہیں یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس۔

کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے عند القبور استشفاع اور علی الخصوص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر مغفرت کی سفارش کرنا ممنوع ثابت ہو رہا ہے کیونکہ یہی صورت اس منفی حکم میں داخل ہے۔

الجواب: اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک تو یہ کہا گیا ہے کہ اس سے بت (اصنام و اوثان) مراد ہیں۔ جیسا کہ تفسیر خازن ج ۳ ص [illegible]، معالم التنزیل ج ۳ ص [illegible]، بر حاشیہ خازن، تفسیر مظہری ج ۵ ص [illegible]، روح المعانی ج ۱۱ ص [illegible] وغیرہ تفسیروں میں مذکور ہے۔ اس تفسیر پر تو قطعاً کوئی اعتراض و اشکال وارد نہیں ہوتا دوسری تفسیر یہ ہے کہ مِن دون اللہ سے اصنام و اوثان کے علاوہ فرشتے اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام وغیرہ حضرات بھی مراد ہوں۔ جیسا کہ روح المعانی

ج ا صفحہ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس تفسیر پر بظاہر اشکال ہوگا مگر حقیقت میں کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ اس سے ایسی سفارش مراد ہے جو غائبانہ اور دور سے ہو۔ کیونکہ اس میں غیر اللہ کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب ماننا لازم آتا ہے جو ناجائز اور شرک ہے اور اسی صورت کو حضرات فقہاء کرام نے من قال ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر سے تعبیر کیا ہے۔ رہی قبر کے پاس قریب سے سفارش کی درخواست کرنا تو یہ اس مد میں ہرگز نہیں۔ کیونکہ قریب سے کسی کی درخواست و التجاء کو بھی اگر غیر اللہ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش اگر اس میں داخل ہو اور شرک ہو تو زندہ سے بھی دعا کی التجاء کرنا شرک ہوگا۔ کیونکہ کوئی بھی بزرگ ہو، بہر حال وہ من دون اللہ میں داخل ہے تو چاہیئے کہ زندہ بزرگ کو دعا کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنانا بھی شرک ہو اور ھٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ کا مصداق ہو۔ حالانکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور امتِ مسلمہ کا تعامل اس پر مستزاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لوگ دعا کی درخواست لے کر آتے تھے اور آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ بخاری وغیرہ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک لمبے قد اور کالے رنگ والی بی بی حضرت ام زفر سعیرۃ الاسدیہ (م) آئیں اور انہوں نے آپ سے مرگی کے دورہ کا شکوہ

کیا اور پھر کہا فَادْعُ اللّٰہ ۔ حضرت آپ میرے لئے اللہ تعالےٰ سے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو اس بیماری پر صبر کر اور اللہ تعالےٰ تجھے جنت مرحمت فرمائے گا وَاِنْ شِئْتِ دعوت اللّٰہ ان یعافیک فقالت اصبر الحدیث اور اگر تو چاہے تو میں تیرے لئے اللہ تعالےٰ سے دعا کر دوں کہ وہ تجھے عافیت بخشے۔ وہ بی بی عرض کرنے لگی تو میں صبر ہی کرتی ہوں تاکہ جنت کا سودا برقرار رہے) (بخاری ج ۲ صفحہ ۸۴۴)۔

اگر آنحضرت صلّے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو دعا کے سلسلہ میں اللہ تعالےٰ کے ہاں سفارشی بنانا شرک ہوتا تو آپ اس بی بی کو سختی سے منع فرما دیتے اور کبھی بھی اس کے لئے دعا نہ فرماتے۔ حالانکہ اس صحیح حدیث میں وَاِنْ شِئْتِ دعوت اللّٰہ۔ کے الفاظ صراحت سے موجود ہیں اور بحوالہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ زندہ کو اور عندالقبر مردہ کو بسلسلہ دعا سفارشی بنانا دونوں صورتیں درست ہیں اور ان میں کوئی بھی شرک نہیں ہے۔ علاوہ ازیں حضرات فقہاء کرامؒ اور علی الخصوص فقہاء احناف رح کا تو وہ محتاط، نکتہ رس اور ذمہ دار طبقہ ہے جس کی مثال دنیا میں ناپید ہے اور حضرات مفسرین کرام رح کا طبقہ ساتھ مل کر اس کو نور علیٰ نور بنا دیتا ہے۔ اور یہ تمام حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر طلب مغفرت کی درخواست کرنا

جائز ہے اور اسی طرح حضرات شیخین (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) سے یہ سفارش کرو تاکہ آپ دونوں بزرگ آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ہاں میرے لئے سفارش کریں۔ حالانکہ یہ دونوں بزرگ من دون اللہ میں داخل ہیں۔ اگر اس طرح کی سفارش اس آیت کریمہ کی تفسیر میں داخل ہو کر ھٰؤلاء شفعاءنا عند اللہ کا مصداق ہوتی تو حضرات فقہاء کرام رح اور مفسرین عظام رح کا متفقہ گروہ کبھی اس کی اجازت نہ دیتا حالانکہ واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس آیت کی یہ تفسیر ہرگز نہیں ہے اور یہ نری اختراع اور خانہ زاد ہے۔ اور مثلاً یہ آیت کریمہ

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ	اور اس سے بہکا کون ہے؟ جو پکارتا
دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى	اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ پہنچے اسکی پکار
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ	کو دن قیامت تک اور ان کو خبر نہیں
غٰفِلُوْنَ (پ ۲۶۔ الاحقاف - ۱)	ان کے پکارنے کی۔

اور مثلاً یہ ارشاد:

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ	اور جس دن جمع کریں گے ہم ان سب
لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ	کو پھر کہیں گے شرک کرنے والوں کو کھڑے
وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ	ہو اپنی اپنی جگہ تم اور تمہارے شریک پھر
وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا	ہم ان کو الگ الگ کر دیں گے اور کہیں گے

تَعْبُدُوْنَ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ | ان کے شریک تم ہماری بندگی تو نہ کرتے
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ | تھے سو اللہ کافی ہے گواہ ہم میں اور تمہارے
لَغٰفِلِيْنَ ۝ (پ ۱۱ یونس - ۳) | درمیان ہم کو تمہاری بندگی کی خبر نہ تھی۔

اور اسی مضمون کی بے شمار آیات جن سے خدائے حق کے مقدس بارگاہ (؟) نے مقدمہ کے حد سے صد (؟) اپنے مضمون کو جمع پڑھایا ہے اور اس دور میں اس مسلک والوں کے امام مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی ایسی ہی آیات کریمات کو برشتے سے پڑھ کر مجمع پہ اپنے استدلال کی قوت ظاہر کیا کرتے ہیں اور ان کی پیروی میں دیگر مقررین اور مصنفین حضرات بھی ان کی نقل اتارتے ہیں اور ان ہی آیات سے عدم سماع موتی پر حتیٰ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عند القبور عدم سماع پر بھی استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا عند القبور سماع ایک اتفاقی اور اجماعی عقیدہ ہے۔ اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اب اس اختلاف کے موجد صرف یہی حضرات ہیں اور اس جدید اختلاف کا یہ رنگ اور روغن سازی کا سہرا انہیں کے سر پر زیب دیتا ہے۔

ہماری طرف سے ان تمام آیات کا پہلا اور اصولی جواب وہی ہے جو خلیفہ راشد حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ نے ایک منکر تقدیر کو دیا تھا جس نے قرآن کریم کی بعض آیات سے انکار تقدیر کا مسئلہ سمجھ رکھا تھا اور ان کا یہ جواب خاص تفسیر

کے ساتھ تو ابوداؤد میں موجود ہے جو اس قابل ہے کہ سنہری حروف سے لکھا جائے جس میں ان کا یہ ارشاد بھی ہے۔

لقد قرؤا منہ ما قرأتم وعلموا	کہ بلاشبہ ان سلف صالحین نے قرآن کریم پڑھا
من تاویلہ ما جہلتم الخ (ابوداؤد	جیسے تم پڑھتے ہو مگر وہ اس کی تفسیر کو جانتے
ج ۲ ص ۲۸۷)	تھے اور تم اس سے جاہل ہو۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی یہی آیات کریمات سلف صالحین کے سامنے بھی تھیں جن سے تم نے انکار تقدیر پر استدلال کیا ہے مگر وہ حضرات تو ان آیات سے وہ مطلب ہرگز نہیں سمجھے جو تم سمجھے ہو اور نہ انھوں نے ان کی وہ تفسیر اور تعبیر کی ہے جو تم کرتے ہو۔ اور مدار تو انہی کی سمجھ پر ہے۔ پھر کیسے تسلیم کیا جائے کہ تمہارا استدلال صحیح اور ان کی سمجھ معاذ اللہ تعالیٰ غلط تھی؟ سو ہم بھی یہی عرض کرتے ہیں کہ ان تمام آیات کا عند القبور عدم سماع موتی سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر تعلق ہوتا تو یقیناً سلف صالحین رح صراحت کے ساتھ ان سے استدلال کرتے اور اپنے مخالفین کے سامنے بطور احتجاج ان کو پیش کرتے کیونکہ یہ مسئلہ تو عہد صحابہ کرام رض سے اختلافی چلا آرہا ہے مگر یقین جانیے کہ سلف صالحین رح میں جو حضرات عدم سماع موتی کے قائل تھے انھوں نے بھی ان سے استدلال نہیں کیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ جملہ آیات اس مسئلہ سے بالکل غیر متعلق ہیں۔ اور نری زبان آوری، لفاظی اور سینہ زوری سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں

ہوتا۔ ہاں عقیدت مند مرید اور کم علم ہم جماعتی لوگ وقتی طور پر عارضی و بعید از صرف میں آسکتے ہیں کہ دیکھو فلاں صاحب نے قرآن کریم کی کتنی آیات اپنے دعویٰ پر پیش کر ڈالیں مگر نرے واہ واہ سے کیا بنتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ عبادت کی کئی قسمیں ہیں مثلاً سجدہ کرنا، طواف کرنا، اور نذر و نیاز دینا وغیرہ۔ جبکہ جاہل لوگ بزرگوں کی قبروں پر چراغاں کرنا اور جھاڑو دینا بھی کارِ ثواب ہی سمجھتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر پر جھکے سے اگر سجدہ کرتا ہے یا خاموش رہ کر طواف کرتا ہے یا قبر پر نذر و نیاز ہی لا کر رکھ دیتا ہے تو بزرگوں کو ان کی اس عبادت کی کیا خبر ہے؟ اور اسی طرح دور دراز سے ان کو پکارنے کی کیا خبر ہے؟ یہ تمام امور اپنے مقام پر حق اور صحیح ہیں اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر ان آیات کریمات سے عند القبور سماع موتیٰ کی نفی ہوتی تو آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جن پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں امت کو کبھی عند القبور سلام کہنے کی تلقین اور طریقہ ارشاد نہ فرماتے کیونکہ آپ (معاذ اللہ تعالےٰ) قرآن کریم کی آیات کی خلاف ورزی کے لئے تشریف نہیں لائے تھے بلکہ ان کی مراد اور تفسیر لوگوں پر واضح کرنے اور ان پر عمل کرنے اور کرانے کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور پھر جمہور امت نے بھی عند القبور سلام کہنے کا طریقہ اپنایا ہی ہے اس کا رد اور انکار نہیں کیا۔ اور یہ تمام آیات کریمات ان حضرات کے سامنے تھیں اور بعد میں آنے والوں سے کہیں بڑھ کر یہ حضرات

قرآن کریم پڑھتے بھی تھے اور اس کو صحیح معنی میں سمجھتے بھی تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ اور چوتھا جواب یہ ہے کہ اگر واقعی ان میں سے کسی آیت کریمہ سے قطعی اور حتمی طور پر عند القبور سماع کی نفی ہوتی ہے تو جو حضرات سماع موتیٰ کے قائل ہیں ان کو کھل کر کافر کہنا چاہیئے۔ کیونکہ قرآن کریم کی کسی ایک آیت کا انکار یا اس کی بے جا تاویل کفر ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے منکرین زکوٰۃ کی خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً الآیۃ کی تاویل کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور ان کو کافر سمجھ کر ان سے جہاد کیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم کی بے شمار آیات کے منکر یا مؤول کافر قرار نہ پائیں؟ جو حضرات محض تحزب اور تعصب کے جوش میں آکر ایسے کرتے ہیں کاش کہ ہوش میں آکر ان امور پر غور کرنا چاہیئے۔

ندائے حق کے مقدمہ میں مقدمہ باز بزرگ نے بزعم خویش پیشتر آیات پیش کی ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں۔ ان قطعیات و یقینیات کے ہوتے ہوئے کسی سلف یا خلف اکابر و اصاغر جماہیر ہوں یا مشاہیر کا قول و فعل حجت نہیں بن سکتا۔ (ملفظہ صفحہ) شاباش اسی کا نام ہے علمی تحقیق۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ قطعیات و یقینیات سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ یہ قرآن کریم کی آیات ہیں جن کا ثبوت قطعی اور یقینی ہے تو یہ بتلایا جائے کہ سلف و خلف اور اکابر و اصاغر اور جماہیر و مشاہیر نے ان کا کب اور کہاں انکار کیا ہے؟ اور اگر مراد یہ ہے کہ ان کی عدم سماع موتیٰ پر دلالت قطعی اور یقینی ہے تو یہ مؤلف مذکور کا تحکم باطل ہے۔ لاریب فیہ۔

بڑے دُکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ دُوسروں کے اکابر کو کوسنا اور اُن پر برسنا تو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے لیکن خود اپنے ہی اکابر کی مٹی جس طرح ان یار لوگوں نے پلید کی ہے، دُنیا کے کسی باہوش فرقہ سے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ الٰہی! اسے

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر ؛ شریکِ زُمرۂ لایحزنوں کر

لیکن بات اِسی پر ختم نہیں ہو سکتی کہ سلف و خلف اور جماہیر و مشاہیر اور اکابر و اصاغر کا قول و فعل ان قطعیات اور یقینیات کے مقابلہ میں حجت نہیں۔ بلکہ قرآنِ کریم کی قطعی اور یقینی آیات اور قطعی اور یقینی مطلب و مُراد (جوکہ مؤلف مذکور کا مدعیٰ ہے) کے مقابلہ میں رائے اور نظریہ رکھنے والوں کی کھلے طور پر تکفیر درکار ہے۔ دیدہ باید۔

اور پانچواں جواب یہ ہے کہ امام القاضی ناصر الدین ابوسعید عبد اللہ بن عمر البیضاوی رح (المتوفی ۶۸۵ھ) وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

لانها اما جمادات واما عباد مُسَخَّرون مشتغلون باحوالهم (تفسیر بیضاوی ص۴۲۳)	اس لئے کہ وہ یا تو جمادات (بت) ہیں اور یا تابع فرمان بندے ہیں جو اپنے احوال میں مصروف و مشغول ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کی غفلت اور عدمِ سماع اس لئے نہیں کہ وہ سُنتے نہیں اور ان میں سُننے کی اہلیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اس لئے

پکارنے والوں کی پکار سے غافل اور بے خبر ہیں کہ وہ اپنے احوال میں مصروف ہیں اور پکارنے والوں کی پکار کی طرف ان کی توجہ و التفات ہی نہیں اور بغیر توجہ اور التفات کے سُننا کیسا!

اور علامہ السید محمود آلوسی الحنفی رح غٰفِلُوْنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

لا یسمعون ولا یدرون اما ان	نہ وہ سنتے ہیں اور نہ وہ جانتے ہیں اس لئے
کان المدعو جمادًا فظاھرٌ و	کہ اگر مدعو جماد ہیں تو ظاہر ہے اور اگر وہ ذوی العقول
اما ان کان من ذوی العقول	ہیں تو اگر وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول و مقرب
فان کان من المقبولین المقربین	ہیں تو وہ آرام و راحت میں مصروف رہ کر
عند اللہ تعالیٰ فلاشتغالہ	اس کارروائی سے بے خبر ہیں اور یا وہ ایسی جگہ
عن ذلک بما ھو فیہ من الخیر	ہیں جس میں ہونے کی وجہ اس میں رہنے والے
او لکونہ فی محل بعید من	کی شان یہ ہے کہ پکارنے والے کی پکار کو
شأن الذی فیہ ان یسمع دعاء	دوری کی وجہ سے وہ نہیں سنتے جیسے آجکل حضرت
الداعی للبعد کعیسیٰ علیہ الصلوٰۃ	عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور یا اس لئے کہ
والسلام الیوم او لان اللہ تعالیٰ یصون	اللہ تعالیٰ اس کے کانوں کو اس سے محفوظ
سمعھم عن سماع ذلک لانہ لکونہ	رکھتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں
مما لا یرضی اللہ تعالیٰ ان یؤذہٗ	کرتا کہ اس ناپسندیدہ امر سے ان کو دکھ پہنچے
لو سمعہ وان کان من اعداء اللہ	اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں سے ہیں تو

تعالیٰ کشیاطین الجن والانس
الذین عبدوا من دون اللہ
فان کان میتاً فلا شعور لہ بما
ھو فیہ من الشر وقیل لان المیت
لیس من شأنہ السماع ولا یتحقق
منہ سماع الا معجزۃ کسماع اھل
القلیب وفی ھذا الکلام تقدم
بعضہ وان کان حیاً نازلاً
بعیداً مثلاً فالامر ظاھر
وان کان قریباً سلیم
الحاسۃ فقیل الکلام بالنسبۃ
الیہ بعد تاویل الغفلۃ بعدم
السماع علی التغلیب لندرۃ ھذا
الصنف اھ (تفسیر روح المعانی ج ۲۶ ص)

شیاطین الانس والجن جن کو من دون اللہ
سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تو اگر وہ مردہ ہیں تو وہ
اپنی تکلیف میں مبتلا ہیں (اس سے غافل ہیں)
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس لئے غافل ہیں
کہ میت کی شان ہی سے سماع نہیں اور
اس سے سماع متحقق ہی نہیں ہو سکتا مگر معجزہ
کے طور پر جیسے کہ قلیب بدر والوں کا سماع
اور اس میں کلام ہے۔ اس کا بعض حصہ
پہلے گزر چکا ہے اور اگر وہ زندہ ہیں، مگر
وہ مثلاً دور ہیں تو معاملہ بالکل صحیح ہے اور
اگر وہ قریب ہوں اور ان کے حواس بھی
صحیح سالم ہوں تو کہا گیا ہے کہ ان کی نسبت
یہ کلام بعد اس کے کہ غفلت سے مراد عدم
سماع ہو تغلیب پر ہے کیونکہ یہ قسم بالکل نادر ہے

اس عبارت کا بقیہ حصہ تو بالکل روشن اور واضح ہے البتہ آخری حصہ قابل
توجہ ہے، وہ یوں کہ اگر مدعو قریب ہو اور اس کے حواس بھی صحیح سالم ہوں اور
غافلون میں غفلت کا معنی بھی عدم سماع ہو تو چونکہ یہ بقیہ اقسام کے مقابلہ

میں یہ قسم کم اور نادر ہے تو بقیہ اقسام (مثلاً جماد و مقبول الٰہی ہو کر خوشی میں مشغول ہونے والے، اور دور رہنے والے، اور بڑے ہو کر اپنی تکلیف میں مبتلا ہونے والے وغیرہ) کو ملحوظ رکھ کر تغلیباً یہ ارشاد ہوا ہے کہ سب غافل اور بے خبر ہیں اور نہیں سنتے، حالانکہ یہ قریب والے سنتے ہیں اور تغلیب کا باب بڑا وسیع ہے مثلاً ابوین، عمرین وغیرہ وغیرہ۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ:۔

ان تدعوهم لقضاء حاجتكم	اگر تم ان کو پکارو اپنی حاجت براری کے لئے
لا يسمعوا دعاءكم لانها جمادات	تو وہ نہیں سنیں وہ تمہاری پکار کیونکہ وہ جمادات ہیں
ولو سمعوا على سبيل الفرض او	اور اگر وہ تمہاری پکار سن لیں یعنی فرضی طور پر
على تقدير كون بعضهم ذا شعور	یا اس صورت میں کہ ان میں سے بعض ابلیس
كابليس ما استجابوا لكم لعدم	کی طرح شعور والے ہیں تو نہ پہنچ سکیں تمہارے
قدرتهم على الانفاع او لتبرئهم	کام پر کیونکہ ان کو نفع پہنچانے کی قدرت نہیں
منكم ومماتدعون لهم من	اور یا اس لئے کہ وہ تم سے اور تمہاری اس بات
الالوهية كعيسى وعزير و	سے کہ تم ان کے لئے الوہیت کا دعویٰ کرتے ہو
الملائكة (تفسير مظهري ج ۸	بیزار ہیں جیسے حضرت عیسےٰ، حضرت عزیر
ص ۰۰)	اور فرشتے علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

اس سے معلوم ہوا کہ بت وغیرہ جمادات تو سننے سے ہی رہے اور اگر بالفرض

یہ سُنتا ہی نہیں یا ابلیس کی طرح کسی شعور والے کو پکارا جائے تو وہ کسی کو نفع دینے پر قادر ہے؟ اور آخر اس کے بس میں ہے کیا؟ اور اگر کوئی حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور فرشتوں (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو حاجت کے لئے پکارتا ہے تو وہ سفارش اور دُعا کے لئے کب آمادہ ہو سکتے ہیں؟ وہ تو مشرکوں ہی سے بیزار ہیں اور اس پر وہ کب راضی ہیں کہ اُن کو الوہیت کا درجہ دیا جائے۔

دوسرے بزرگ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

لانها اما جمادات لا یسمع ولا یعقل واما عباد مسخرون مشتغلون باحوالهم کعیسیٰ وعزیر والملائکة۔	جن کو حاجات کے لئے پکارا جاتا ہے یا تو وہ جمادات ہیں اس لئے نہ تو وہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں اور یا وہ تابع فرمان بندے ہیں جو اپنے حالات میں مشغول و مصروف ہیں جیسے حضرت
(تفسیر مظہری ج ۸ ص ۱۱)	عیسیٰ، حضرت عزیر اور فرشتے (علیہم الصلوٰۃ والسلام)

حضرت شاہ عبد القادر رح اور حضرت شیخ الہند رح وغیرہ بزرگوں نے نہ پہنچ سکیں کا ترجمہ کر کے شاید دُوری کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور دُور ہوں تو پکارنے والوں کی پکار سے غافل اور بے خبر ہونا ظاہر ہے اور اگر نزدیک ہوں تو بھی یہ ضروری تو نہیں کہ ہر قریب کی بات سُنی جائے بلکہ اس کے لئے التفات اور توجہ اور سُننے کا قصد بھی ضروری ہے اور جو حضرات اپنے حالات میں مستغرق ہیں وہ کیا سُن سکتے ہیں؟ ہاں قصد اور توجہ والتفات کے بعد سُننا صحیح ہے اور اس کا مطلق

انکار درست نہیں ہے۔

مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں: پھر لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ اور وَھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْنَ ۔ کے عمومی قاعدہ میں سے کسی صحابی، تابعی، تبع تابعین، محدث، مفسر، متکلم کا چودہ صدیوں میں اِلَّا الْاَنْبِیَآءَ کا استثناء نہ بیان کرنا عدم سماع انبیاء علی القبور وغیرہا پر چودہ صدیوں کے علماء کے اجماع پر دال ہے۔ اب ہم بھی آپ سے پوچھتے ہیں کہ مندرجہ بالا آیتیں دال بر عدم سماع انبیاء ہیں یا نہ؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اگر ہے تو تم کس دلیل سے انبیاء کو مستثنیٰ کرتے ہو! اھ صفحہ ۱۳۰

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ ان آیات کا تعلق ہی عدم سماع انبیاء سے ہرگز نہیں ہے پھر استثناء کی کیا ضرورت ہے؟ اور آپ ان آیات کی مذکورہ تفسیریں ملاحظہ فرمالیں کہ یہ تعلق کیوں نہیں ہے؟

اور حضرت تھانوی رح وَھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْنَ ۔ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: " جمادات (یعنی اصنام وغیرہ۔ صفدر) تو بوجہ عدم قوت سامعہ کے اور ذوات الارواح میں باین معنیٰ کہ جیسی خبر کے کفار معتقد تھے (کہ دور سے بھی سنتے ہیں۔ صفدر) سماع لازم و دائم اور مفید ہے، وہ منتفی ہے (بیان القرآن ج ۱۱ صفحہ ۲) اور اِنْ کُنَّا عَنْ عِبَادَتِکُمْ لَغٰفِلِیْنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: " اور ان کا غافل ہونا ان کی عبادت سے ظاہر ہے اس واسطے کہ بتوں کو ایسا شعور ظاہر ہے کہ یہاں نہیں ہے اور اگر اور معبودین۔

مثل ملائکہ وغیرہم کو بھی عام لیا جائے تو بھی غافل ہونا صحیح ہے کیونکہ علم ملائکہ وغیرہم کا محیط نہیں ہے اور سب اپنے اپنے کام میں لگے ہیں۔ (ج ۲ صلا)

دونوں تفسیروں کی مراد واضح ہے۔ اوّل کی اس طرح کہ مشرکین ذوات الارواح مخلوق کے لئے سماع کو لازم و دائم اور مفید سمجھتے تھے۔ حالانکہ سماع فی الجملہ ہے اور وہ بھی بالکل نزدیک سے نہ کہ دُور سے، اور سُننے کے بعد بھی بھلا وہ کسی کو کیا خزانے بخش دیں گے؟ جیساکہ مشرکین کا باطل خیال تھا اور دُوسری اس طرح کہ فرشتے اور اللہ تعالےٰ کے نیک بندے علم محیط تو رکھتے نہیں تاکہ دُور دراز کے حالات کا بھی ان کو علم ہو، یا مثلاً قبور کے پاس چھُپے سے سجدہ اور طواف و نذر و نیاز کا ان کو علم ہو۔ الغرض ان آیات سے عند القبور سماعِ موتیٰ کی نفی کرنا یا ان سے فقہی قاعدہ کے مطابق دُعا کرانے کا انکار کرنا بالکل و یقیناً ایک غیر متعلق بات ہے اور تیری سفیہ زوری ہے اللہ تعالےٰ بچائے

اور دوسرا طریق ان حضرات کے استدلال کا یہ ہے کہ

قرآنِ کریم کی وہ آیات جن میں لَا یَسْمَعُوْا اور لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ وارد ہُوا ہے۔ ان سے وہ عند القبور سماعِ موتیٰ کی نفی کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں قدرے تفصیل سے گفتگو کی ضرورت ہے تاکہ عُقدہ حل ہو جائے۔ پہلی آیت کریمہ۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ :-

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ — اگر تم ان کو پکارو تو وہ سُنیں نہیں تمہاری پکار

وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ الآیۃ — اور اگر سن بھی لیں تو تمھارے کام پر نہ پہنچ

(پ ۲۲ - الفاطر — ۲) — سکیں (اور نہ تمھارا کام کر سکیں)۔

منکرین سماع موتی کا کہنا ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ مُردے نہیں سُنتے۔

الجواب:۔ اس سے اس سماع موتی کی نفی نہیں ہوتی جس کے جمہور قائل ہیں کہ نزدیک سے سماع ہے نہ کہ دُور سے۔ چنانچہ علامہ آلوسی الحنفی رح وغیرہ کے حوالہ سے اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ مُردہ یا زندہ دُور ہو تو تمام اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ عادۃً وہ دُور سے نہیں سُنتا۔ خرقِ عادت کا معاملہ ہی الگ ہے اس کو درمیان میں ذکر غلط مبحث کرنا علماء اور عقلاء کی شان کے سراسر خلاف ہے آدمی قریب ہو اور اپنی کسی مصروفیت اور فکر میں منہمک ہو تب بھی بات نہیں سُنتا۔ قریب سے بھی بات سُننے کے لئے توجہ اور التفات کی ضرورت ہوتی ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ خلیفۂ راشد حضرت عثمان رض ایک فکر میں ڈوبے ہوئے تھے، حضرت عمر رض ان کے پاس سے گزرے اور انھیں سلام کیا مگر حضرت عثمان رض نہ سُن سکے۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رض نے حضرت ابوبکر رض سے حضرت عثمان رض کی اس بے التفاتی کی شکایت کی۔ حضرت عثمان رض نے معذرت کی اور فرمایا کہ :۔

واللہ ما شعرت انک مررت ولا سلمت الحدیث (مشکوٰۃ ج۲) — بخدا میں نہیں جانتا کہ تو میرے پاس سے گزرا اور نہ تُونے سلام کیا۔

حضرت مولانا تھانوی رح لکھتے ہیں کہ: دیکھیے حضرت عثمان رض کو حضرت عمر رض کے

سلام کی خبر نہ ہوئی جس کا جواب دینا واجب تھا۔ الغرض یا غضب کے غلبہ سے ایسا ہو جاتا ہے اھ (بوادر النوادر صفحہ)

کیا آج بھی ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جو گانے بجانے اور ریڈیو وغیرہ کی غیر مشروع آوازوں سے نامانوس ہیں اور قریب ہوتے ہوئے بھی ان آوازوں کی طرف وہ توجہ ہی نہیں کرتے اور نہ سنتے ہیں۔ ان کی بلا سے کہ کون کیا کہ رہا ہے! الغرض اس آیت کریمہ سے سماع عند القبور کی اس قسم کی نفی کرنا، جس کے قائل سماع موتیٰ کے قائل ہیں ثابت نہیں ہے۔

(۳) وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ (پ۲۲۔ الفاطر ع۳)

اور برابر نہیں زندے اور مردے بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سناتا ہے اور تو ان کو نہیں سنا سکتا جو قبروں میں ہیں۔

منکرین سماع موتیٰ کا کہنا ہے کہ اس آیت کریمہ میں زندوں اور مردوں کا فرق ظاہر کیا گیا ہے اور آخر میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تو اہل قبور کو نہیں سنا سکتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سنا دے: اور جب اسماع کی نفی ہو گئی تو استماع اور سماع کی نفی بھی ہو گئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ مردے نہیں سنتے۔

الجواب:۔ اس سے اس سماع کی نفی نہیں ہوتی جس کے اثبات کے درپے سماع موتیٰ کے قائلین ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن القیم رح لکھتے ہیں:۔

واما قوله وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي ... بہرحال وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ

القبور فسياق الآية يدل على أن المراد منها أن الكافر الميت القلب لا تقدر على إسماعه إسماعاً ينتفع به كما أن من في القبور لا تقدر على إسماعهم إسماعاً ينتفعون به ولم يرد سبحانه أن أصحاب القبور لا يسمعون شيئاً البتة كيف وقد أخبر النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم أنهم يسمعون خفق نعال المشيعين وأخبر أن قتلى بدر سمعوا كلامه وخطابه وشرع السلام عليهم بصيغة الخطاب الذي يسمع وأخبر أن من سلم على أخيه المؤمن رد عليه السلام اھ (كتاب الروح ص ۵)

تو آیت کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد ایسا کافر ہے جو مردہ دل ہو، تو مطلب یہ ہے کہ تو ایسے شخص کو اس طرح نہیں سنا سکتا کہ وہ اس سے منتفع ہو جیسا کہ تو ان لوگوں کو جو قبروں میں جا پہنچے ہیں اس طرح نہیں سنا سکتا جو اس سے نفع حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی یہ مراد نہیں کہ اصحابِ قبور قطعاً کوئی چیز نہیں سنتے، کیسے یہ مراد ہو سکتی ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ مردے رخصت کرنے والوں کی جوتیوں کی آواز سنتے ہیں اور آپ نے یہ خبر بھی دی کہ مقتولینِ بدر نے آپ کے کلام اور خطاب کو سنا اور نیز آپ نے مردوں پر خطاب کے ایسے صیغہ سے سلام مشروع قرار دیا ہے جو سنا جاتا ہے اور آپ نے یہ خبر بھی دی ہے کہ جو اپنے مومن بھائی (کی قبر) کے پاس سے گزرتا ہے اور اسے سلام کہتا ہے

تو وہ اُس کے کلام کا جواب دیتا ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ کے اس مدلّل بیان سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ سے اللہ تعالیٰ کی ہرگز یہ مراد نہیں کہ مردے نہیں سُنتے۔ اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پیغام پہنچانے پر مامور ہیں، ہرگز سماعِ موتی کی خبر نہ دیتے۔

علامہ قرطبی رحمہ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

ای ھم بمنزلۃ اھل القبور فی انھم لا ینتفعون بما یسمعونہ ولا یقبلونہ (تفسیر قرطبی ج ۱۳ صفحہ ۲۳۰)	یعنی وہ بمنزلہ اہل قبور ہیں اس معنی میں کہ وہ سُنی ہوئی چیز سے نفع نہیں اٹھاتے اور نہ اُسے قبول کرتے ہیں۔

اور علامہ داؤد بن سلیمان الحنفی البغدادی رحمہ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اور وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ کا مطلب معتمد اور مستند علماء کرام (اساطین العلماء) سے بیان اور نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

ان السماع المنفی فی الآیتین ھو سماع القبول والاذعان للایمان وقد شبہ اللہ الکفار الاحیاء الذین لھم اسماع وابصار وعقول بالاموات لا من حیث انعدام الادراکات	جس سماع کی ان دونوں آیتوں میں نفی کی گئی ہے وہ سماعِ قبول اور ایمان کو اذعان ویقین کے ساتھ سُننے کی نفی ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو جو زندہ ہیں اور جن کے کان، آنکھیں اور عقلیں،

والحواس بل من حيث عدم قبولهم الهُدٰى والايمانؐ (المنحة الوهبية في رد الوهابية ص۸ طبع استنبول)

سب کچھ موجود ہیں، مُردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے لیکن اس لئے نہیں کہ ان کے ادراکات وحواس معدوم ہیں، بلکہ اس لئے کہ وہ ہدایت اور ایمان قبول نہیں کرتے۔

اس عبارت میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ زندہ کافروں کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ دینے کی یہی وجہ ہے کہ جیسے مُردوں میں ادراک، شعور اور احساس ہوتا ہے مگر وہ سماع سے فائدہ اور نفع نہیں اٹھا سکتے یہی حال ان زندہ کافروں کا ہے۔ علامہ بدر الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی البعلی الحنبلی رح لکھتے ہیں کہ:۔

وسماع الميت لقرع نعالهم والسلام عليه ونحو ذلك مما ثبت ان جنس الاموات يسمعونه ليس ذلك مخصوصا بقوم معينين بل هو مطلق وقوله تعالى فانك لا تسمع الموتى المراد السماع المعتاد الذي يتضمن القبول والانتفاع كما في حق الكفار

مُردے کا زندہ لوگوں کی جوتیوں کی آواز اور سلام وغیرہ سننا جو ثابت شدہ ہے کہ جنس اموات سنتے ہیں یہ کسی معین قوم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مطلق ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا۔ اس سے مراد سماع معتاد ہے وہ جو قبول اور انتفاع کو متضمن ہے جیسا کہ کفار کے حق میں نفی سماع نافع کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اگر اللہ ان میں خیر جانتا تو

السماع النافع فی قولہ تعالیٰ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وقولہ تعالیٰ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ فاذا کان قد نفی عن الکافر السمع مطلقاً وعلم انہ انما نفی سمع القلب المتضمن للفهم والقبول لا مجرد سماع الکلام فکذلک المشبہ بہ ھو المیت الخ (مختصر الفتاویٰ المصریہ ص ۱۹۹ طبع مصر)	سُنا دیتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (کافر قیامت کے دن دوزخ میں پہنچ کر کہیں گے) اگر ہم سُنتے ہوتے یا ہم جانتے ہوتے (تو ہم دوزخ میں نہ آتے) اور جب کافر سے بظاہر مطلقاً سُننے کی نفی کی گئی ہے حالانکہ معلوم ہے کہ نفی دل کے اُس سُننے کی ہے جو فہم وقبول کو متضمن ہو نفی محض سماعِ کلام کی نہیں ہے سو اسی طرح مُشبہ بہ یعنی میت میں مُراد لینی چاہیے (تاکہ مُشبہ اور مُشبہ بہ کا تعلق ظاہر ہو)۔

قارئین کرام کو یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ مختصر الفتاویٰ المصریہ، فتاویٰ ابن تیمیہؒ کا ملخص ہے۔ گویا یہ سب کچھ حافظ ابنِ تیمیہؒ نے کہا ہے۔ ان تمام واضح اور روشن عبارات سے معلوم ہوا کہ مُردوں سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں کی گئی۔ بلکہ اس سماع کی نفی کی گئی ہے جو سماع مفید اور نافع ہو سکتا ہے کیونکہ زندہ کفار سے (جو مُشبہ ہیں) جس سماع کی نفی کی گئی ہے وُہ سماعِ قبول اور نافع ہے۔ سو اسی طرح مُردوں سے بھی (جو مُشبہ بہ کے درجہ میں ہیں) نفی مطلقاً سماع کی نہیں، بلکہ اُس سماع کی نفی ہے جو مفید اور نافع ہے۔ اور نصوصِ قطعیہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ کُفار اس دُنیا میں جبکہ وہ بقیدِ حیات ہیں، ویسے تو سُنتے ہیں اور ان کے

کان، آنکھیں اور دل سبھی کچھ موجود ہیں۔ مگر سماع قبولی سے محروم ہیں۔ ذیل کی قرآنی آیات سے اس مسئلہ پہ بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ کفار کے لئے کس سماع کا ثبوت ہے۔ اور کون سا سماع ان سے منفی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے۔

(پ۱ - البقرہ - ۲)

کون عقلمند یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ دنیا میں سبھی کفار بہرے، گونگے اور اندھے ہوتے ہیں اور کوئی کافر دنیا میں نہ تو کوئی بات سنتا ہے اور نہ کسی سے کلام کر سکتا ہے اور نہ کسی چیز کو دیکھ سکتا ہے؟ بات صرف اتنی ہے کہ ویسے تو بہرے نہیں مگر بتفسیر حضرت شیخ الہند "یعنی بہرے ہیں جو سچی بات نہیں سنتے، گونگے ہیں جو سچی بات نہیں کہتے، اندھے ہیں جو اپنے نفع و نقصان کو نہیں دیکھتے" الخ۔ حالانکہ بظاہر ان کے کان، آنکھیں اور زبانیں بالکل درست ہیں لیکن وہ ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا

اور ہم نے ان کو دیئے تھے کان اور آنکھیں اور دل، پھر کام نہ آئے ان کے کان اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کسی چیز میں

يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (پ ۲۶ - الاحقاف - ۳)

اس لئے کہ وہ انکار کرتے تھے اللہ تعالےٰ کی باتوں سے اور ان کو اسی چیز نے گھیر لیا جس سے وہ مسخرہ کرتے تھے۔

یعنی ان کو نصیحت سُننے کے لئے کان اور قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے بُوجھنے کے لئے دِل دیئے گئے تھے، پر وہ کسی قوت کو کام میں نہ لائے۔ اندھے، بہرے اور پاگل بن کر پیغمبروں کے مقابل ہوگئے۔ آخر انجام یہ ہُوا کہ یہ سب قوتیں موجود ہیں اور عذاب الٰہی نے آگھیرا۔ کوئی اندرُونی اور بیرُونی قوت اس کو دفع نہ کر سکی۔ اس آیت کریمہ سے صراحۃً معلوم ہُوا (اور بھلا مشاہدہ کو جھٹلا بھی کون سکتا ہے؟) کہ کفّار کے لئے دُنیا میں کان، آنکھیں اور دِل تھے مگر وہ بدبخت اپنے سُوءِ اختیار سے ان سے فائدہ اور نفع نہ لے سکے اور انجام کار تباہ ہوگئے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ

اور ہم نے پیدا کئے دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور انسان ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سُنتے نہیں، وہ ایسے ہی جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی

بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ (پ ۹ الاعراف ۲۲) زیادہ بہکے ہوئے اور وہی لوگ ہیں غافل۔

یعنی دل کان آنکھ سب کچھ موجود ہیں لیکن نہ دل سے آیات اللہ میں غور کرتے ہیں نہ قدرت کے نشانات کا بنظر تعمق و اعتبار مطالعہ کرتے ہیں اور نہ خدائی باتوں کو بسمع قبول سنتے ہیں جس طرح چوپائے جانوروں کے تمام ادراکات صرف کھانے پینے اور بہیمی جذبات کے دائرہ میں محدود ہوتے ہیں یہی حال ان کا ہے کہ دل و دماغ ہاتھ پاؤں کان آنکھ غرض خدا کی دی ہوئی سب قوتیں محض دنیوی لذائذ اور مادی خواہشات کی تحصیل و تکمیل کے لئے وقف ہیں انسانی کمالات اور ملکوتی خصائل کے اکتساب سے کوئی سروکار نہیں (از مولانا عثمانی)

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:-

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ	کیا ظاہر نہیں ہوا ان لوگوں پر جو وارث ہوئے
مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ	زمین کے وہاں کے لوگوں کے ہلاک ہونے
بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	کے بعد کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو پکڑلیں ان کے
فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ (پ ۹ -	گناہوں پر اور ہم نے مہر کردی ان کے دلوں
الاعراف - ۱۳)	پر سو وہ نہیں سنتے۔

اس آیت کریمہ کے آخری حصہ میں اس کی تصریح ہے کہ کافر نہیں سنتے کیا اس کا یہی مطلب ہے کہ سچ مچ حقیقتہً کافر دنیا میں نہیں سنتے؟ کون مسلمان اس ظاہری مفہوم سے دھوکا کھا سکتا ہے!

(۵) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ (پ ۲۴ - حٰمٓ السجدہ ع - ۱)

(یہ) ایک کتاب ہے جس کی آیتیں جُدا جُدا تفصیل سے بیان کی گئی ہیں قرآن (ہے) عربی زبان میں سمجھنے والوں کے لئے خوش خبری سُنانے والا اور ڈرانے والا پر ان میں اکثر لوگوں نے اس سے اعراض کیا، سو وہ نہیں سُنتے۔

اِس مضمون میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ کافر قرآنِ کریم کو نہیں سُنتے حالاں کہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کفّار اپنے سر میں لگے ہوئے حسّی کانوں سے قرآنِ کریم سُنتے تھے اور سُنتے ہیں لیکن اُنھوں نے اس کو قبول نہ کیا اور گوشِ دِل سے نہ سُنا اور اُنھیں اسے تسلیم کرنے اور اس پر ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی تو سُنا اَن سُنا برابر ہے۔ اب اگر قرآنِ کریم کے صحیح مطلب اور مُراد سے چشم پوشی کرکے کوئی شخص اس دعویٰ پر مُصر رہے کہ اس دُنیا میں زندہ رہ کر بھی کافر مطلقاً اور قطعاً قرآنِ کریم نہیں سُنتے تھے اور فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ اس کی قطعی اور یقینی دلیل ہے تو ایسے ضِدّی انسان کو بھلا دُنیا میں کون سمجھا سکتا ہے؟ اور اس کا علاج بھی کیا ہے؟

(۶) اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے :-

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا

اور تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں

وَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ (پ ۹ الانفال) نے کہا ہم نے سن لیا اور وہ نہیں سنتے۔

اس آیت کریمہ میں کافروں کے لئے سماع بھی ثابت ہے اور سماع کی نفی بھی ہے کہ جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اگرچہ کافر زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا لیکن وہ سننا ہی کیا ہے جس کو آدمی قبول نہ کرے اور ماننے پر آمادہ نہ ہو۔ اب اگر کوئی شخص وَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ کے ظاہری مفہوم پر ہی ڈٹ جائے۔ اور لوگوں کو یہ باور کرانے کے درپے ہو کہ زندہ کافر بھی نہیں سنتے تو یہ اس کی کوئی دینی خدمت نہ ہوگی، اور قرآن فہمی اور دین شناسی ہوگی۔ اللہ تعالےٰ سوء فہم اور تعصب اور تحزب سے بچائے۔

(۷) اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:-

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَکْبِرًا	اور جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی
کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْھَا کَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَیْہِ	ہیں تو وہ پیٹھ پھیرتا ہے تکبر سے گویا اس
وَقْرًا فَبَشِّرْہُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝	نے ان کو سنا ہی نہیں گویا اس کے دونوں
(پ ۲۱۔ لقمان - ۱) (وھکذا فی پ ۲۵	کان بہرے ہیں۔ سو خوش خبری سنا اس کو
الجاثیہ - ۱)	دردناک عذاب کی۔

یعنی کافر و مشرک پر جب اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ سنتا تو ہے لیکن حق سے ضد اور عناد رکھ کر پیٹھ پھیر دیتا ہے اور تکبر و غرور کے

نشے میں مست رہتا ہے۔ ایسا لگتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسا ان کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے اور کوئی بات اس کے کانوں تک پہنچتی ہی نہیں۔ کیونکہ جب سننے کا فائدہ اور نفع اس کو قبول کرنا ہے مگر جب قبول نہ کیا تو کیا سنا؟ اور اس سننے کا کیا ثمرہ نکلا؟ یوں کہہ دیجئے گویا اس نے سنا ہی نہیں۔

(۸) اللہ تعالٰی کا فرمان ہے:۔

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۔ (پ ۱۹۔ الفرقان-۴)

کیا تو خیال کرتا ہے کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں؟ اور کچھ نہیں وہ برابر ہیں چوپایوں کے بلکہ وہ زیادہ بہکے ہوئے ہیں راہ سے۔

اس آیتِ کریمہ میں بھی یہ حقیقت آشکارا کی گئی ہے کہ کفار کی اکثریت نہ تو سنتی ہے اور نہ سمجھتی ہے۔ لیکن سماع اور سمجھ کی اس نفی کا یہ مطلب نہیں کہ کفار کانوں اور عقل سے بے بہرہ ہیں، بلکہ اس سے وہی سماع اور عقل مراد ہے جس سے نفع و ضرر کی شناخت ہو سکے اور برے بھلے کی تمیز کی جا سکے اور اپنی سرکشی کی وجہ سے کفار اسی سے حرماں نصیب ہیں۔

(۹) فرمانِ خداوندی ہے:۔

وَمَا أَنتَ بِهَادِ الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ

اور تو نہیں ہدایت دے سکتا اندھوں کو

إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (پ ۲۰ - النمل ۶ - و پ ۲۱ - الروم - ۵)

ان کی گمراہی سے، تو نہیں سنا سکتا مگر صرف ان کو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں سو وہ مسلمان ہوتے ہیں۔

اس سے ظاہری اور سطحی طور پر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف انہی لوگوں کو سنا سکتے تھے (اور صرف وہی لوگ سنتے تھے) جو مومن اور مسلمان ہوتے تھے۔ نہ دوسروں کو آپ سنا سکتے تھے اور نہ وہ سنتے تھے۔ کون مسلمان اس ظاہری مفہوم سے دھوکا کھا سکتا ہے اور یہ بے بنیاد دعویٰ کر سکتا ہے کہ واقعی نہ تو نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کافروں کو سنا سکتے تھے اور نہ کافر سنتے تھے۔ بات تو صرف اس قدر ہے کہ نصیحت سننا ان کے حق میں نافع ہو سکتا ہے جو سن کر اس کا اثر قبول کریں اور اسے مان لیں لیکن کافروں نے اس کا اثر قبول نہیں کیا گویا انھوں نے سنا ہی نہیں اگرچہ حقیقت میں انھوں نے سن ہی لیا ہوتا ہے۔ الغرض ان تمام مضامین میں سماع سے جو مقصود ہے (وہ مان لینا اور قبول کرنا ہے اور اسی قبولیت اور تسلیم سے کافر محروم ہیں۔ حضرت مولانا عثمانی رحمہ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :-

"سماعون کے معنی ہیں بہت زیادہ سننے اور کان دھرنے والے۔ پھر بہت زیادہ سننا کبھی تو جاسوسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے معنے ہوتے ہیں بہت

زیادہ قبول کرنے والا جیسے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ میں سُننے کے معنی قبول کرنے کے ہیں " اھ (حاشیہ ص۳۳)

(۱۰) اللہ تعالٰے نے کفار کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ کَانَتْ اَعْیُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ وَكَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا ہ (پ ۱۶ - الکہف - ۱۱۰)	وہ جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے اور وہ سُن سکتے تھے ۔

یعنی حق کے ساتھ ضد اور عناد کی وجہ سے حق سُننے کی تاب بھی وہ اپنے اندر نہیں رکھتے تھے اور اتنا حوصلہ ہی نہ تھا کہ دلجمعی اور عالی ہمتی کے ساتھ شرح صدر سے حق کو سُن لیتے ۔ ان بدبختوں نے وہ قدرت ہی ضائع کردی جو اُن کو اللہ تعالیٰ نے حق قبول کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے مرحمت فرمائی تھی ۔

علامہ عبد العزیز فرہاروی الحنفی رح (المتوفی فی حدود ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

ولهذا ای لان تارك قصد الخير	اور اسی لئے کفار کی مذمت کی گئی ہے
مضيع للقدرة عليه ذمّ الكافرون	کہ وہ سُننے کی طاقت نہیں رکھتے کیونکہ
بانهم لا يستطيعون السمع ای	خیر اور نیکی کے قصد کرنے کا تارک خود قدرت
لا يقصدون سمع الحق علٰے	کو ضائع کرنے والا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ وہ
وجه القبول فلا يخلق فيهم	حق کو قبول کرنے کے ارادہ سے سُننے کا

الا استطاعة منهم ولو قصدوه لخلقها فيهم فهم المضيعون لها اھ (تیسیر ص ۶۳)

قصد ہی نہیں کرتے لہٰذا اللہ تعالیٰ ان میں اس کے سُننے کی استطاعت ہی پیدا نہیں کرتا اور اگر وہ اس کا قصد کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں استطاعت پیدا کر دیتا۔ سو وہی اس قدرت کو ضائع کرنے والے ہیں۔

قرآن کریم کے ان صریح مضامین اور ان کی تشریح و تفسیر سے جو بیشتر مولانا عثمانی رح کی تفسیر سے ماخوذ ہے۔ یہ بات بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ کفار و مشرکین کے لئے اس دُنیا کی زندگی میں بھی سماع کی نفی کی گئی ہے لیکن اس سے مُراد سماع نافع مفید اور سماع قبول ہے، مطلقاً سماع مُراد نہیں ہے۔ اسی طرح اس سماع کی نفی سے بھی جو موتیٰ سے ہے سماع نافع و قبول مُراد ہے نہ کہ مطلق سماع، اور اسی صورت میں منشاء خداوندی بھی پورا ہوتا ہے اور مُشبّہ اور مُشبّہ بہ میں وجہ تشبیہ بھی خوب واضح ہوتی ہے اور ہر چیز اپنے اپنے موقع پر بالکل فِٹ بیٹھی ہے اور کسی کا کسی سے تعارض و تضاد باقی نہیں رہتا اور اس ٹھوکر کا یہ مرحلہ اسی وقت پیش آتا ہے جب بجائے حضرات سلف صالحین رح اور اکابر کی بات پر اعتماد کرنے کے اپنی اختراعی تاویلات سے کام لیا جائے۔ جیسا کہ علامہ اقبال رح نے فرمایا ہے ؎

دلے تاویل شاں در حیرت انداخت
خُدا و جبرائیل و مصطفےٰ رؔا

دُوسری آیت کریمہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ :-

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ، پ ۲۰- النمل - ۶ و پ ۲۱- الروم - ۵) البتہ تو نہیں سُنا سکتا مُردوں کو اور نہیں سُنا سکتا بہروں کو اپنی پکار جب لَوٹیں وُہ پیٹھ پھیر کر -

حضرات منکرین سماع موتیٰ اپنے دعویٰ کے لئے اس آیت کریمہ سے بزعم خویش گمجھی ہُوئی مُراد کو حجت قطعیہ سمجھتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مُردے نہیں سُنتے کیونکہ جب اسماع کی نفی ہُوئی تو سماع کی لازماً نفی ہو گئی -

الجواب :- اس آیت کریمہ کی دُو تفسیریں مشہور ہیں پہلی تفسیر یہ ہے کہ اس میں سماعِ نافع کی نفی ہے - چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :-

ای لا تسمعھم شیئاً ینفعھم الخ (تفسیر ابن کثیرؒ ج ۳ صفحہ ۳) یعنی تو اُن کو کوئی ایسی شئے نہیں سُنا سکتا جو اُن کو نفع دے - مطلب واضح ہے کہ مطلق سماع و اسماع کی نفی نہیں بلکہ سماعِ مفید و نافع کی نفی ہے اور سابق پیش کردہ مفصل بحث اور قرآن کریم کی صریح آیات اور ان کی ضروری تشریح کی موجودگی میں اس کے سمجھنے میں کسی بھی عقلمند کو قطعاً کوئی دُشواری پیش نہیں آسکتی - ہاں دُشواری ہوگی تو صرف حق تسلیم کر لینے اور اسکو قبول کر لینے میں

حافظ ابن کثیرؒ کے اس مختصر مگر کافی و شافی تفسیر کی موجودگی میں مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ طلباءِ علم کو علمی و تحقیقی طور پر کوئی الجھن باقی نہ رہے۔ اس لئے مزید تشریح کرتے ہیں اور چند اہم حوالے عرض کئے دیتے ہیں۔ ماننے والوں کے لئے ان میں اطمینانِ قلب کا خاصا مواد ہوگا اور نہ تسلیم کرنے والوں کا پارہ اس سے اور چڑھ جائے گا۔ اور یہ ایک فطری بات ہے کسی کے بس کی نہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ :-

وقد استدلت ام المؤمنين عائشة رضى الله تعالىٰ عنها بهذه الآية إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى على توهيم عبد الله بن عمر فى روايته مخاطبة النبى صلى الله عليه وسلم القتلى الذين القوا فى قليب بدر بعد ثلاثة ايام ومعاتبته اياهم وتقريعه لهم حتى قال له عمر يا رسول الله ما تخاطب

حضرت اُم المؤمنین عائشہؓ نے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کی آیت سے حضرت ابن عمرؓ کے وہم پر استدلال کیا ہے (یعنی اُن کے) ان کو اس روایت کے بیان کرنے میں ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقتولین بدر سے جب ان کو کنوئیں میں ڈالا گیا، تین دن کے بعد خطاب کیا اور ان کو ڈانٹ پلائی اور اُن کو سرزنش کی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ! آپ ایک مردہ قوم سے کیسے

من قوم قد جيفوا؟ فقال
والذي نفسي بيده ما انتم
باسمع لما اقول منهم ولكن
لا يجيبون وتاولته عائشةؓ
على انه قال انهم الآن ليعلمون
ان ما كنت اقول لهم حق وقال
قتادة احياهم الله له حتى
سمعوا مقالته تقريعا وتوبيخا
ونقمة والصحيح عند العلماء
رواية عبد الله بن عمر
لما لها من الشواهد على
صحتها من وجوه كثيرة
من اشهر ذلك ما روى
ابن عبد البر مصححا له الخ
(تفسیر ج ۳ ص ۴۳۹)

خطاب فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، اس
خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان
ہے، تم اس بات کو جو میں ان سے کہہ رہا
ہوں ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ لیکن وہ جواب
نہیں دے سکتے۔ حضرت عائشہؓ نے اس
کی یہ تاویل کی کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ بلاشبہ
یہ کفار اب جانتے ہیں کہ میں جو کچھ ان سے کہا
کرتا تھا وہ حق ہے۔ قتادہ رحمہ کہتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کی خاطر زندہ کیا
حتیٰ کہ انہوں نے آپ کی بات سنی اور یہ
سب کچھ سرزنش، ڈانٹ اور ان کی برائی
ان پر ظلم کرنے کے لئے تھا لیکن جمہور علماء
کے نزدیک حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی
کی روایت صحیح ہے۔ کیونکہ اس کی صحت
کے متعدد اسانید سے بکثرت شواہد ہیں
جن میں سے مشہور وہ روایت ہے جس
کی امام ابن البرؒ نے تصحیح کی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے وہی سابق روایت نقل کی جس کی مفصل بحث پیچھے گزر چکی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ کے اس بیان کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت صحیح ہے کیونکہ اس کی صحت پر متعدد وجوہ سے شواہد موجود ہیں اس کے بعد انہوں نے کچھ شواہد پیش کئے ہیں جن میں سے ایک حضرت ابن عباسؓ کی وہ مرفوع روایت ہے جس کی تصحیح امام ابن البرؒ نے کی ہے اور ہم باحوالہ پہلے اس کو عرض کر چکے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی روایت اور ان کا استدلال خود محتاج تاویل ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہؓ کا علمی مقام اور شان اپنی جگہ پر مسلّم ہے لیکن حضرت عمرؓ حصین کی روایت مسلم ج۱ صفحہ ۳۰۲ میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوطلحہؓ حصین کی روایت بخاری ج۱ صفحہ ۱۷۲ اور مسلم ج۱ صفحہ ۳۰۲ میں ہے، وغیرہ جلیل القدر حضرات صحابہ کرامؓ کی صحیح روایات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور جمہور کی تحقیق کو نظر انداز کر کے کس کس کے وہم کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے جب کہ حضرت حسنؓ نے جنگ جمل کے موقع پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ کے بارے میں یہ فرمایا تھا۔

وتعلمون ان وھن النساء و — اور تم جانتے ہو کہ بے شک عورتیں کمزور اور
ضعف رأیھن الی التلاشی — ان کی رائے بھی ضعیف و مضمحل ہوتی ہے۔

الامامة والسیاسة لابن قتیبہؒ ج۱ ص۶۱ طبع مصر

حضرت عائشہؓ کی حضرت ابن عمرؓ پر یہ گرفت بخاری ج۲ صفحہ ۵۹۶ و مسلم ج۲ صفحہ ۳۸ وغیرہ میں موجود ہے جس میں انھم الآن لیعلمون

کے الفاظ موجود ہیں لیکن علم سماع کے منافی نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :-

وقال علماء الامة ان العلم يستلزم السماع ولا ينافيه كما حققه ابن تيمية وابن القيم وابن رجب والسيوطي وغيرهم (المنحة الوهبية ص)

علماء امت نے یہ کہا ہے کہ علم سماع کو مستلزم ہے اس کے منافی نہیں ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ رح امام ابن القیم رح علامہ ابن رجب رح اور امام سیوطی رح وغیرہ نے اس کی تحقیق کی ہے۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی رح لکھتے ہیں :-

وهذا مصير من عائشة رض الى رد رواية ابن عمر المذكورة وقد خالفها الجمهور في ذلك وقبلوا حديث ابن عمر لموافقة من رواه غيره عليه واما استدلالها بقوله تعالى إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ فقالوا معناها لا تسمعهم سماعا ينفعهم او لا تسمعهم الا ان يشاء الله تعالى قال السهيلي عائشة لم تحضر قول النبي صلى الله عليه

حضرت عائشہ رض اپنی اس تاویل میں اس طرف جا رہی ہیں کہ حضرت ابن عمر رض کی مذکورہ حدیث مردود ہے لیکن جمہور اہل اسلام نے حضرت عائشہ رض کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رض کی روایت کو قبول کیا ہے کیونکہ دوسرے حضرات کی روایتیں ان کے موافق ہیں۔ رہا ان کا إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ سے استدلال تو جمہور نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو ان کو اس طرح نہیں سنا سکتا جس سے ان کو نفع ہو یا تو ان کو اللہ تعالیٰ

وسلم فنيرها من حضر
احفظ للفظ النبي صلى الله تعالى
عليه وسلم وقد قالوا له يا رسول
الله انما تخاطب قوماً قد جيفوا
فقال ما انتم باسمع لما اقول
منهم قال واذا جاز ان يكونوا
في تلك الحال عالمين جاز ان
يكونوا سامعين اما باذان
رؤسهم كما هو قول الجمهور
او باذان الروح على رأى من يوجه
السوال الى الروح من غير
رجوع الى الجسد قال واما الآية
فانها كقوله تعالى أَفَأَنتَ تُسْمِعُ
الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ اي ان
الله تعالى هو الذي يسمع ويهدي
انتهى وقوله انها لم تحضر صحيح
لكن لا يقدح ذلك في روايتها

کی مشیت کے بغیر نہیں سنا سکتے، وہ تم نہیں سنا سکتے۔
فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رض بدر میں آپ کے
اس ارشاد کے موقع پر حاضر ہی نہ تھیں لہٰذا
اُن حضرات کو جو اس موقع پر حاضر تھے آپ
کا فرمان زیادہ یاد ہو سکتا ہے حالانکہ انہوں نے
آپ سے کہا یا رسول اللہ کیا آپ ایسی قوم سے
خطاب فرماتے ہیں جو مُردہ ہے؟ سو آپ نے
فرمایا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے
زیادہ نہیں سُنتے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب
کہ وہ اس حالت میں جاننے والے ہیں تو جائز
ہے کہ وہ سننے والے بھی ہوں یا تو اپنے سر
کے جسمی کانوں سے جیسا کہ جمہور کا قول ہے
اور یا روح کے کانوں سے اُن حضرات کے
نزدیک جو یہ کہتے ہیں کہ (نکیرین کا) سوال
روح کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور روح بدن
کی طرف نہیں لوٹتی اور فرمایا کہ رہی آیت
کریمہ تو وہ اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کی

لانه مرسل صحابی وهو
محمول علی انها سمعت
ذلک ممن حضره او
من النبی صلی الله تعالی
علیه وسلم بعد ولو کان
ذلک قادحًا فی روایتها لقدح
فی روایة ابن عمرؓ
فانه لم یحضره ایضًا ولا
مانع ان یکون النبی
صلی الله علیه وسلم قال
اللفظین معًا فانه لا تعارض
بینهما وقال ابن التین
لا معارضة بین حدیث
ابن عمر والآیة لان
الموتی لا یسمعون بلاشک
لکن اذا اراد الله تعالی
اسماع ما لیس من شأنه

طرح ہے کہ کیا تو بہروں کو سنا سکتا ہے یا
اندھوں کو ہدایت دے سکتا ہے یعنی (تیری
قدرت نہیں) اللہ تعالیٰ ہی سناتا اور ہدایت
دیتا ہے۔ امام سہیلی رحمہ کا بیان ختم ہوا۔ ان کا
یہ ارشاد کہ حضرت عائشہ رضؓ اس موقع پر حاضر
نہ تھیں صحیح ہے لیکن اس کی وجہ سے
ان کی روایت میں کوئی عیب پیدا نہیں
ہوتا کیونکہ وہ صحابی کا مرسل ہے جو اس بات
پر محمول ہے کہ انھوں نے اس موقع پر
حاضرین سے سنا یا براہ راست آں حضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے بعد
سنا اور اگر اس وجہ سے ان کی روایت پر
قدح ہو سکتی ہے تو یہی اعتراض بعینہٖ حضرت
ابن عمرؓ کی روایت پر بھی ہے جو اس موقع
پر حاضر نہ تھے اور کوئی مانع نہیں کہ آپ نے
دونوں لفظ (سماع اور علم کا) کہتے ارشاد
فرمائے ہوں کیونکہ ان دونوں میں کوئی

السماع لم يمتنع كقوله تعالى إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ الآية وقوله فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا الآية (فتح الباری ج ۳ صـ ۲۳۴)

تعارض نہیں۔ محدث ابن التین رح فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رض کی حدیث اور اس آیت میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ مردے خود نہیں سنتے لیکن جب اللہ تعالیٰ چاہے کہ ایسی چیز سنا دے جس کی شان سننا نہیں تو یہ ممتنع نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی اور جیسا فرمایا کہ اس نے آسمانوں اور زمین سے فرمایا کہ تم خوشی سے یا بجبر آؤ

(۵) امام ابو القاسم عبد الرحمٰن السہیلی رح (المتوفی ۵۸۱ھ) کی جس عبارت کا حوالہ حافظ ابن حجر رح نے دیا ہے وہ ان کی کتاب الروض الانف ج ۲ صـ ۷۳ طبع مصر میں ہے۔ اس عبارت میں بے شمار فوائد میں سے چند یہ ہیں جو صراحت سے درخشاں ہیں (۱) جمہور نے حضرت عائشہ رض سے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے (۲) جمہور نے حضرت ابن عمر رض کی اس روایت کو قبول کیا ہے کہ مردے سنتے ہیں۔ (۳) اس روایت کے بیان کرنے میں حضرت ابن عمر رض متفرد نہیں بلکہ اور صحابہ کرام رض بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ (۴) إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى سے ایسے سماع کی نفی ہے جو نافع اور مفید ہو اور مرنے کے بعد جب حقیقی زندگی ہی ختم ہو گئی تو

اب ان کو اس سماع سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ (۵) اور یا یہ مطلب ہے کہ تو ان کو نہیں سنا سکتا یعنی تجھے اس پر قدرت نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ جب چاہے ان کو سنا دے (۶) جمہور کے نزدیک یہ سماع روح اور بدن دونوں کے ساتھ وابستہ ہے (۷) ہاں کچھ لوگ اس کے قائل ہیں کہ یہ سماعت روحانی ہے اور وہ رد الروح الی الجسد کے قائل نہیں ہیں لیکن جمہور کا یہ مسلک نہیں ہے۔ والحق مع الجمہور۔ اور آگے کتاب المغازی میں فرماتے ہیں کہ:-

قال البیہقی رح العلم لا یمنع من السماع والجواب عن الآیۃ انہ لا یسمعہم وھم موتی ولکن اللہ تعالیٰ احیاھم حتی سمعوا کما قال قتادۃ ولم ینفرد عمر رض ولا ابنہ بحکایۃ ذلک بل وافقہما ابو طلحۃ رض کما تقدم وللطبرانی من حدیث ابن مسعود مثلہ باسناد صحیح ومن حدیث

امام بیہقی رح نے فرمایا کہ علم سماع سے نہیں روکتا اور آیت کریمہ کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ اس حالت میں وہ نہیں سنتے جب وہ مردے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کا کلام سنا جیسا کہ قتادہ رح کی روایت میں ہے اور اس حدیث اور حکایت کو بیان کرنے میں حضرت عمر رض اور ان کے بیٹے ابن عمر رض ہی متفرد نہیں ہیں بلکہ حضرت ابو طلحہ رض بھی ان کے موافق ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اور طبرانی میں حضرت ابن مسعود رض کی روایت بھی ایسی ہی ہے جس کی سند صحیح ہے اور عبداللہ بن سیدان

عبد الله بن سيدان
نحوه وفيه قالوا يا رسول
الله وهل يسمعون؟ قال
يسمعون كما تسمعون
ولكن لا يجيبون
وفي حديث ابن مسعود
ولكنهم اليوم لا يجيبون
ومن الغريب ان في المغازي
لابن اسحاق رواية يونس
بن بكير باسناد جيد عن
عائشة رض مثل حديث ابي
طلحة وفيه ما انتم
باسمع لما اقول منهم
واخرجه احمد باسناد
حسن فان كان محفوظا
فكانها رجعت عن الانكار
لما ثبت عندها من

سے بھی اسی مضمون کی روایت ہے اور اس
روایت میں ہے کہ حضرات صحابہ کرام رض نے
فرمایا یا رسول اللہ کیا یہ سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا
ہاں سنتے ہیں اسی طرح جیسے تم سنتے ہو لیکن وہ
جواب (جس کو تم سنو) نہیں دے سکتے۔ اور
حضرت ابن مسعود رض کی روایت میں ہے لیکن
وہ آج کے دن جواب نہیں دیتے اور یہ بڑی
نرالی بات ہے کہ ابن اسحاق رح کے مغازی
میں یونس رح بن بکیر رح کے طریق سے جید اسناد
کے ساتھ حضرت عائشہ رض سے اسی طرح روایت
ہے جیسے حضرت ابی طلحہ رض سے۔ جس میں
ما انتم باسمع لما اقول منہم کے الفاظ
موجود ہیں اور امام احمد رح نے بھی حسن اسناد
کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے۔ سو اگر یہ الفاظ
محفوظ ہوں تو گویا یہ اس پر دلالت کرتے ہیں
کہ حضرت عائشہ رض نے سماع موتی کے انکار
سے رجوع کر لیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان

روايات هؤلاء الصحابة رضـ	جلیل القدر حضرت صحابہ کرام رضـ کی روایتیں
لکونها المرتشهد القصة ۔	ثابت ہوئیں (جو موقع پر حاضر تھے اور حضرت
(فتح الباری ج ۸ ص ۲۳۵ و ص ۲۳۶)	عائشہؓ حاضر نہ تھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ (۱) اثبات علم اور اثبات سماع کی حدیثوں میں حقیقتہً کوئی تعارض نہیں۔ دونوں جمع ہو سکتی ہیں (۲) آیت کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ ان کو مردہ ہونے کی حالت میں نہیں سنا سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا تھا جیسا کہ حضرت قتادہ رحـ نے کہا تو پھر انھوں نے سن لیا (اور اعادۂ روح سب کے لئے ثابت ہے لہٰذا سب سن سکتے ہیں۔ صفدر) (۳) سماع موتیٰ کی روایت بیان کرنے میں صرف حضرت عمر رضـ اور ان کے فرزند عبد اللہ بن عمر رضـ ہی متفرد نہیں بلکہ حضرت ابو طلحہ رضـ، حضرت ابن مسعود رضـ اور عبد اللہ بن سیدان بھی اس قصہ کے بیان میں ان کے مؤید و مصدق ہیں۔ (۴) اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود حضرت عائشہ رضـ سے بقول حافظ ابن حجر رحـ باسناد جید اور باسناد حسن سماع موتیٰ کی روایت مروی اور ثابت ہے۔ (۵) اگر حضرت عائشہؓ کی اس روایت میں سماع کا لفظ محفوظ ہے (اور جب بقول ان کے سند جید اور حسن ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ یہ لفظ محفوظ ہی ہے۔ صفدر) تو پھر یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عائشہ رضـ نے انکار سماع موتیٰ سے رجوع کر لیا تھا کیونکہ

جب ان کے نزدیک دیگر حضرات صحابہ کرام رض کی روایت ثابت ہو گئیں جو عمل موقع پر موجود تھے اور وہ خود وہاں موجود نہ تھیں تو انہوں نے اپنے سابق نظریہ سے رجوع کر لیا اور اس مسئلہ میں ان کی ہمنوا ہو گئیں کیونکہ اکثریت دوسری طرف تھی اور مشہور ہے کہ ؎

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو!

مولانا مبارکپوری صاحبؒ نقل کرتے ہیں کہ :-

قال الحافظ في فتح الباري قال القرطبيؒ انكار عائشة رض ذلك وحكمها على الراوي بالتخطئة او النسيان او على انه سمع بعضا ولم يسمع بعضا بعيد لان الرواة لهذا المعنى من الصحابة كثيرون وهم جازمون فلا وجه للنفي مع امكان حمله على محمل صحيح انتهى (تحفة الاحوذي ج ۲ ص ۱۳۰)

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رض کا سماع موتی کا انکار اور ان کا راوی پر خطا یا نسیان کا حکم لگانا یا یہ کہنا کہ راوی نے بعض حصہ سنا اور بعض نہیں ایک بعید سی بات ہے کیونکہ حضرات صحابہ کرام رض سے اس مفہوم کو بیان کرنے والے بکثرت ہیں جو جزم سے بیان کرتے ہیں لہذا نفی کی کوئی وجہ نہیں جبکہ اس کو صحیح محمل پر (مثلاً یہ کہ سماع قبول کی نفی ہے) محمول کرنا ممکن ہے۔

حضرت مولانا محمد عبد الحی صاحب لکھنوی رح لکھتے ہیں :-

واما رد عائشة رض بعض تلك الاحادیث
فلم یعتد به جمهور الصحابة رض
ومن بعدهم واما قوله تعالیٰ
انك لا تسمع الموتیٰ ففیه نفی الاسماع
لا السماع علی ان الصحیح ان المراد
بالموتیٰ هناك موتی القلوب وهم
الکفار لا الاموات العرفیة الیٰ ان
قال وبالجملة لم یدل دلیل قوی
علیٰ نفی سماع المیت وادراکه
وفهمه وتألمه لا من الکتاب ولا من
السنة بل السنن الصحیحة الصریحة
دالة علی ثبوتها له والحق فی هذا
المقام ان هذا کله من تقریرات
المشائخ وتوجیهاتهم وتکلفاتهم
ولا عبرة بها حین مخالفتها الاحادیث
الصحیحة وآثار الصحابة الصریحة
واما ایمتنا فهم بریئون عن

بہر حال حضرت عائشہ رض کا ان بعض احادیث
کا رد کرنا تو جمہور صحابہ کرام رض اور ان کے بعد
کے حضرات نے اس رد کا کوئی اعتبار نہیں کیا
رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتیٰ
تو اس سے نفی اسماع مراد ہے نہ کہ نفی سماع
علاوہ ازیں صحیح بات یہ ہے کہ الموتیٰ سے مراد اس
مقام پر وہ کافر ہیں جن کے دل مردہ ہیں عرفی
اموات مراد نہیں ہیں (پھر آگے فرمایا) خلاصہ
کلام یہ ہے کہ میت کے سماع ادراک فہم اور
اسکے تکلیف اٹھانے کی نفی پر کوئی قوی دلیل
دال نہیں ہے نہ کتاب اللہ سے اور نہ سنت
سے بلکہ صحیح اور صریح حدیثیں ان امور کے میت
کے لئے اثبات پر دال ہیں اور حق اس مقام
میں یہ ہے کہ نفی کی جملہ تاویلات مشائخ کی اپنی
تقریریں اور توجیہات و تکلفات ہیں اور احادیث
صحیحہ اور آثار صحابہ رض کے مقابلہ اور مخالفت
میں ان تکلفات کا کوئی اعتبار نہیں۔ رہے

انکار هذه الامور (عمدة القاری ج ۴ ص ۲۹۳)

ہمارے ائمہ (حضرت امام ابوحنیفہ رح امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح وغیرہ) تو نفی سماع موتی وغیرہ امور سے وہ بالکل بری ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ رح فرماتے ہیں کہ :-

والنص الصحيح عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم مقدم على تاويل من تاول من اصحابه وغيره وليس في القرآن ما ينفي ذلك فان قوله إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ انما اراد به السماع المعتاد الذي ينفع صاحبه فان هذا مثل ضرب الكفار والكفار تسمع الصوت لكن لا تسمع سماع قبول بفقه واتباع الخ (فتاوى ابن تيمية ج ۴ ص ۲۹۸)

وہ نص صحیح جو آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وارد ہے وہ اس تاویل پر جو آپ کے بعض صحابہ رض وغیرہم نے کی ہے، مقدم ہے اور قرآن کریم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی نفی کرتی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ بے شک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا، اس سے مراد وہ معتاد سماع ہے جو سامع کو نفع دے۔ بلاشبہ یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے بیان فرمائی ہے اور کفار آواز سنتے ہیں لیکن سمجھ اور پیروی کے جذبہ سے سماع قبول ان کو حاصل نہیں ہے۔

اور اس سے قبل انھوں نے حضرت عائشہ رض کا نام لے کر ان کی عدم

سماع موتی کی تاویل کو مرجوح قرار دیا ہے اور پھر زور دار الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ

واهل العلم بالحديث والسنة اتفقوا على صحة ما رواه انس رض وابن عمر رض وان كانا لم يشهدا بدرا فان انسا روى ذلك عن ابي طلحة رض وابو طلحة رض شهد بدرا (الفتاوی ج ۴ ص ۲۹۷)

حدیث و سنت کا علم رکھنے والے اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت انس رض اور حضرت عمرؓ سے سماع موتی کی جو حدیثیں ہیں صحیح ہیں وہ دونوں اگرچہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے لیکن حضرت انس رض نے یہ روایت حضرت ابو طلحہ رض سے روایت کی ہے اور وہ بدر میں شریک تھے۔

لطیفہ حافظ ابن حجرؒ اور امام ابن تیمیہؒ وغیرہ کی محدثانہ اور فقیہانہ تحقیق تو آپ نے ملاحظہ کر لی اور شوق مزید سے حق کی یہ گپ بھی آپ کو یاد ہوگی جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ: "تو یہ سبھی صحابہ رض کا سکوت بطور ندامت کے تھا کہ کیسے صاف صاف قرآن پاک میں سماع موتی کی نفی وارد ہے مگر ہمارے ذہن سے ذہول ہو گیا باعث شرمندگی کے خاموش ہو گئے اور اس مسئلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ ام المؤمنین رض کے ہمنوا ہو گئے اور عدم سماع موتی پر تمام صحابہ کرام رض کا اجماع ہو گیا" (ص۱۱۱)

سبحان اللہ تعالیٰ کیا ہی عجیب تحقیق ہے جس کو سننے کے بعد محققین کے سر بھی شرم کے مارے جھک جاتے ہیں۔ موصوف کو معلوم ہونا چاہیے کہ جمہور حضرات

صحابہ کرام رض کا سماعِ موتیٰ کا جو موقف پہلے تھا وہ حضرت عائشہ رض کی روایت اور تاویل سن کر بھی بدستور باقی رہا۔ نہ تو وہ حضرات شرمندہ ہوئے اور نہ خاموش رہے۔ وہ بدستور زور و شور کے ساتھ سماعِ موتیٰ کی حدیثیں بیان کرتے رہے اور تمام حضرات صحابہ کرام رض حضرت عائشہ رض کے ہمنوا کیا ہوتے بقول حافظ ابن حجر رح خود حضرت عائشہ رض انکارِ سماعِ موتیٰ سے رجوع کر کے جمہور حضرات صحابہ کرام رض کی ہمنوا ہو گئیں اور حضرت عائشہ رض کے رجوع کی وہ صحیح روایت بھی تائید کرتی ہے جو حضرت ابن ابی ملیکہ رح سے یوں مروی ہے کہ:-

قال توفی عبد الرحمٰن بن ابی بکر بالحُبشی. قال فحمل الی مکۃ فدفن فیھا فلما قدمت عائشۃ اتت قبر عبد الرحمٰن بن ابی بکر فقالت الیٰ قولہ ثم قالت واللہ لو حضرتک ما دفنت الا حیث مت ولو شھدتک ما زرتک. (ترمذی ج ۱ ص ۱۲۲) ورواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۰)

عبد الرحمٰن رض بن ابی بکر رض (مکہ مکرمہ کے قریب) حُبشی کے مقام پر وفات پائے اور ان کو اٹھا کر مکہ مکرمہ لایا گیا اور وہیں ان کو دفن کیا گیا۔ جب حضرت عائشہ رض حج کے موقع پر آئیں تو عبد الرحمٰن رض بن ابی بکر رض کی قبر پر بھی آئیں تو کہا (مرثیہ کے دو شعر پڑھے جو ان مطولات میں مذکور ہیں) پھر فرمایا بخدا اگر میں تیری وفات کے وقت حاضر ہوتی تو تو وہاں ہی دفن کیا جاتا جہاں تیری وفات ہوئی تھی۔

اور اگر میں اس وقت موجود ہوتی تو آپ
تیری قبر کی زیارت کے لیے نہیں آتی۔

ظاہر بات ہے کہ اگر یہ محض تحسر اور افسوس کے طور پر خیالی رنگ میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے خطاب ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی قبر پر حاضر ہو کر یہ کہنے کی حاجت نہ ہوتی، وہ مدینہ طیبہ میں یا دور ہی سے ایسا کہہ دیتیں۔ یہ خطاب ان کے رجوع کا واضح قرینہ ہے۔

اور القاضی البیضاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:-

وانما شبهوا بالموتی لعدم انتفاعهم باستماع ما یتلی علیهم کما شبهوا بالصم فی قوله تعالٰی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین فان اسماعهم فی هذه الحالة ابعد (تفسیر بیضاوی علی القرآن العظیم ص۲۱۳ طبع مصر)

ان زندہ کافروں کو مردوں کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ اس چیز کو جو ان پر پڑھی جاتی ہے، سن کر نفع نہیں حاصل کرتے جیسا کہ ان کو وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ - کے ارشاد میں بہروں سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ اس حالت میں ان کا سننا بعید تر ہے۔

اس تفسیر سے بھی معلوم ہوا کہ زندہ کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ اس امر میں نہیں دی گئی کہ وہ بہرے سے سنتے ہی نہیں بلکہ تشبیہ اس عدم کی ہے جو موجب انتفاع ہو اور یہ بالکل واضح ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) انک لا تسمع الموتیٰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

"ف۔ اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردے نہیں سنا کرتے ہر چند کہ مردوں سے مراد یہاں کفار ہیں مگر تشبیہ جب ہی درست ہو سکے گی جب مردے نہ سنتے ہوں لیکن چونکہ بعض احادیث میں مردوں کا سننا قریب جگہ نہ کہ بعید سے وارد ہے اس لیے بعض علماء نے آیت (کے معنی) میں کہا ہے کہ مراد سماع منفی سے سماع نافع ہے اور قرینہ اس کا علاوہ دفع تعارض حدیث کے یہ بھی ہے کہ کفار سے مطلق سماع کا منفی ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے البتہ سماع نافع ضرور منفی تھا پس مردوں سے بھی یہی منفی ہے (یعنی تشبیہ صرف اس پہلو میں ہے نہ کہ نفس سماع میں۔ صفدر) چنانچہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی مردوں کو نصیحت کرے' بیکار ہے کیونکہ وہ دار العمل نہیں اور ثواب سے نفع ہونا یا تلاوت قرآن سے انس ہونا یہ دوسری بات ہے' مقصود مواعظ کا نافع نہ ہونا ہے اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ مردے میں مردہ حقیقی جسد ہے وہ نہیں سن سکتا مگر اس سے روح کی نفی لازم نہیں آتی (یعنی سماع بہرکیف ثابت ہے بدن اور روح مل جل کر سنیں جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے یا نفس روح سنے جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ صفدر) اور علماء مانعین نے حدیثوں میں کچھ مناسب تاویلیں کرکے تعارض کو دفع کیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم" انتھی بلفظہ (تفسیر بیان القرآن ج ۸ ص ۹۸) حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اہل کشف تو عموماً سماع موتیٰ کے قائل ہیں اور اس مسئلہ میں' میں انہیں کا معتقد ہوں کیونکہ مجھے ظن غالب ہے کہ موتیٰ سنتے ہیں دیکھئے حدیث میں صاف وارد ہے وانہ یسمع قرع نعالھم یعنی مردہ گورستان میں آنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے الخ (ملفوظات اسعد الابرار ص ۲۹۱' جمع کردہ:

مولانا سید محمد ابرار الحق صاحب خلیفہ حضرت تھانوی)

حضرت مولانا عبد الحق صاحب حقانی رح جن کو مولف ندائے حق مفسر و متکلم کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۶) (المتوفی ۱۳۳۶ھ) اپنی مستند اور محقق تفسیر میں آیت دوم کی اسی مذکورہ آیت کریمہ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

"ان آیات سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مُردہ نہیں سُنتا اور اس کی سند میں کچھ احادیث و اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ آجکل یہ مسئلہ سماع موتیٰ باہمی قیل و قال کا بڑا میدان ہو رہا ہے۔ مگرچہ اس کی پوری تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے مگر مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں۔ ان آیات میں تو عدم سماع کا اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ اس لئے ان سے استدلال کرنا بے فائدہ بات ہے رہے احادیث و اقوال، ان سے بھی صاف معلوم نہیں ہوتا کہ میّت نہیں سُن سکتی بلکہ بہت سی صحیح احادیث اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ مُردے زندوں کی آواز سُنتے ہیں از انجملہ وہ احادیث ہیں جو زیارت قبور کی بابت وارد ہیں" الخ (تفسیر حقانی ج ۶ صفحہ) اس کے بعد اُنھوں نے چند صحیح احادیث کا تذکرہ فرمایا ہے جن کا ذکر ہم باحوالہ پہلے کر چکے ہیں۔ الغرض جن آیات سے منکرین سماع موتیٰ انکار پر استدلال کرتے ہیں۔ ان آیات کی عدم سماع موتیٰ پر دلالت تو کیا ہوتی۔ بقول علامہ حقانی رح ان میں عدم سماع کا

اشارہ تک بھی نہیں ہے مگر یہ ظلم ہے کہ اب جو حضرات سماعِ موتیٰ کے منکر ہیں وہ اس آیت سے اپنے استدلال کو نصِ قطعی سمجھتے ہیں اور مجوزین سماعِ موتیٰ کی تکفیر کرتے ہیں جیسا کہ اس کتاب میں باحوالہ نیموی صاحب کی عبارتیں عرض کر دی گئی ہیں۔

دُوسری تفسیر اس مضمون کی آیات کی دُوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ مثلاً اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کا مطلب یہ ہے کہ تیرے بس، اختیار اور قدرت میں یہ بات نہیں کہ تو مُردوں کو سنا سکے یہ کام تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یعنی نفی اسماع کی ہے نہ کہ سماع کی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ :-

لان الاسماع هو ابلاغ الصوت من المسمع فی اذن السامع فالله تعالٰی هو الذی اسمعهم بان ابلغهم صوت نبیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم بذلک (فتح الباری ج ۷ ص ۲۳۴)	اسماع کا معنی یہ ہے کہ سنانے والے کی آواز کو سننے والے کے کان تک پہنچایا جائے سو یہ کام اللہ تعالیٰ کو ہے کہ اسنے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز کفار کے کانوں تک پہنچا دی۔

اور یہ بات شرعاً بالکل ثابت ہے کہ جو کام عادۃً انسان کے بس میں نہ ہو باوجود اس کے وہ کام کرنے کے اس سے نفی درست ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اَلآیۃ

(پ ۹ - الانفال - ۲)

سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ تعالے نے ان کو مارا اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ تعالے نے پھینکی۔

ظاہر امر ہے کہ غزوہ بدر میں کفار کو قتل کرنے والے حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہ رضؓ وغیرہ حضرات صحابہ کرام رضؓ تھے اور کنکریوں کی ایک مٹھی آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے تین مرتبہ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ (ای قبحت) فرما کر پھینکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ بظاہر دونوں کی نفی فرمارہے ہیں کہ نہ تو تم نے کافروں کو قتل کیا ہے اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کنکریوں کی مٹھی پھینکی ہے بلکہ یہ کام اللہ تعالےٰ نے کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔ اِدھر سے مسلمانوں نے فوراً دھاوا بول دیا۔ آخر بہت سے کافر کھیت رہے۔ اُسی کو فرماتے ہیں کہ بظاہر کنکریاں تم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھیں لیکن کسی بشر کا یہ فعل عادۃً ایسا نہیں ہو سکتا کہ مٹھی بھر کنکریاں ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی ہزیمت کا سبب بن جائیں۔ یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹھی بھر سنگریزوں سے فوجوں کے منہ پھیر دیئے اور تم بے سروسامان قلیل التعداد مسلمانوں میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ محض تمہارے زورِ بازو سے کافروں کے ایسے ایسے مُنڈ مارے

جاتے۔ یہ تو خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ایسے متکبر سرکشوں کو فنا کے گھاٹ اتارا۔ (فوائد شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح)۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :-

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ	بے شک تو ہدایت نہیں دے سکتا جس
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ	سے تو محبت کرے لیکن اللہ تعالیٰ جس
وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝	کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہی خوب
(پ ۲۰ - القصص - ۶)	جانتا ہے ان کو جو ہدایت پانے والے ہیں

اب اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی فرد کو ہدایت نہیں دے سکتے تو اس کو ہدایت حاصل بھی نہیں ہو سکتی۔ مراد تو بالکل واضح ہے کہ ہدایت دینا اللہ تعالےٰ کا کام ہے آپکا نہیں۔ آپ صرف راہ بتاتے اور رہنمائی کرتے ہیں اور اس معنی میں آپ ہادی برحق ہیں لیکن ہدایت دینے کے معنی میں ہادی صرف حق تعالےٰ ہے اور بس۔ کسی اور کا اس میں رتی بھر دخل نہیں ہے۔

اسی مد میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ	بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہے
بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ۝	اور تو نہیں سنا سکتا قبروں میں پڑے
(پ ۲۲ - الفاطر - ۳)	ہوؤں کو۔

لہٰذا اسماع کی نفی سے سماع کی نفی نہیں ہوتی اور اسی کو حضرت مولانا نانوتوی رح اور حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رح وغیرہ حضرات نے یوں تعبیر فرمایا کہ سمع اموات عدم سماع سے تو بے ہے پر استماع اموات ممکن ہے۔ حافظ ابن کثیر رح لکھتے ہیں کہ :-

یقول تعالیٰ کما انک لیس فی قدرتک ان تسمع الاموات فی اجداثہا ولا تبلغ کلامک الصم الذین لا یسمعون وھم مع ذالک مدبرون عنک کذالک لا تقدر علی ھدایۃ العمیان عن الحق وردھم عن ضلالتھم بل ذالک الی اللہ تعالیٰ فانہ تعالیٰ بقدرتہ یسمع الاموات اصوات الاحیاء اذا شاء ویھدی من یشاء ویضل من یشاء و لیس ذالک لاحد سواہ ؎

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۴۳۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جیسے تیرے بس میں یہ نہیں کہ تو مُردوں کو ان کی قبروں میں سنا سکے اور نہ یہ کہ تیرا کلام ان بہروں تک پہنچ سکے جو سنتے نہیں جبکہ انہوں نے تیری طرف اپنی پیٹھ بھی پھیر دی ہو۔ اسی طرح تو حق سے اندھوں کو ہدایت دینے پر اور ان کو گمراہی سے ہٹانے پر قادر نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بس میں ہے کہ وہ مُردوں کو اپنی قدرت سے جب چاہتا ہے زندوں کی آوازیں سنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ اور یہ کارروائی اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کے بس اور اختیار میں نہیں ہے۔

اس تفسیر کے رُو سے نفی اس سماع کی ہے جو انسان کے بس اور قدرت میں نہیں اور اِنَّ اللّٰہَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ میں اس سماع کا اثبات ہے جو مُردوں کے لئے ثابت ہے جیسا کہ ابھی اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ الآیۃ کی تفسیر میں نفی اور اثبات کا معنی بیان ہوا ہے۔

امام محمد بن جریر الطبری (المتوفی ۳۱۰ھ) اِنَّ اللّٰہَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

كما لا يقدر ان يسمع من في القبور كتاب الله فيهديهم به الى سبيل الرشاد فكذلك لا يقدر ان ينفع بمواعظ الله وبيان حججه من كان ميت القلب من احياء عباده عن معرفة الله وفهم كتابه وتنزيله وواضح حججه اهـ (تفسير ابن جرير ج ۲۲ ص ۶۶)	جس طرح اہل قبور کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سنا کر ان کو راہ راست پر لانے کی قدرت کسی کو نہیں، اسی طرح یہ قدرت بھی کسی کو نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصیحتیں اور اس کی واضح دلیلیں بیان کر کے ان مُردہ دلوں کو نفع پہنچایا اور زندہ کیا جائے جو اس کے بندوں میں سے اس کی معرفت اس کی کتاب کی فہم اس کے اُترنے اور اس کی واضح دلیلوں کی معرفت سے بے خبر اور مُردہ دل ہیں۔

نیز وہ لکھتے ہیں :-

وقوله انك لا تسمع الموتى	اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ بے شک تو مُردوں

يقول يا محمد لا تقدر ان تفهم الحق من طبع الله على قلبه فاماته لان الله قد ختم عليه الا يفهمه الخ (تفسير ابن جرير ج ۲۰ صـ ۱۲)

کو نہیں سُنا سکتا یعنی اے محمد (صلی اللہ تعالے علیہ وسلم) تو اس پر قادر نہیں کہ اس شخص کو حق سمجھا دے جس کے دل پر اللہ تعالے نے مُہر لگا دی ہے اور اس کو مُردہ کر دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مُہر لگا دی ہے کہ وہ حق کو نہ سمجھے

اس تفسیر میں بھی اس کی تصریح ہے کہ نفی سماع کی نہیں بلکہ نفی اس کی ہے کہ بجز پروردگار کے کسی کو سُنانے کی قدرت نہیں ہے اور تحریر فرماتے ہیں۔

ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرين يقول لو ان اصم ولى مدبرا ثم ناديته لم يسمع كذالك الكافر لا يسمع ولا ينتفع بما يسمع (تفسير ابن جرير ج ۲۱ صـ ۵۶)

اور تُو بہروں کو جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر لوٹ جائیں نہیں سُنا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی بہرہ شخص پیٹھ پھیر کر لوٹ جائے پھر تو اس کو پکارے تو وہ نہیں سُنتا۔ اسی طرح کافر نہ سُنتا ہے اور نہ سُنی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

اس سے معلوم کہ کافر کے عدم سماع کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے انتفاع نہیں کرتا۔ شیخ معین الدین رح (المتوفی ۸۸۹ھ) فرماتے ہیں :-

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اى الكفار فانهم كالموتى فى عدم الانتفاع

بے شک تو مُردوں یعنی کافروں کو نہیں سُنا سکتا کیونکہ وہ سُنی ہوئی چیز سے عدم انتفاع

بما يستمعون الى قوله إن تسمع سماع انتفاع إلا من يؤمن الخ (تفسير جامع البيان ص ٣٣٣)

میں مُردوں کی طرح ہیں (جیسے آگے فرمایا) تو نہیں سُنا سکتا سماعِ انتفاع مگر صرف ان کو جو ایمان رکھیں الخ۔

اس تفسیر سے بھی معلوم ہوا کہ نفی مطلق سماع کی نہیں بلکہ سماع انتفاع کی نفی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اور مولانا عثمانیؒ حافظ اسماعیلیؒ (ابوبکر احمد بن ابراہیمؒ المتوفی ۳۷۱ھ جو الامام اور الحافظ تھے المکمل ص ۴۳۸ اور جو الامام الحافظ الثبت اور شیخ الاسلام تھے تذکرہ ج ۳ ص ۱۴۸) کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

وقال الاسماعيلي كان عند عائشة من الفهم والذكاء وكثرة الرواية والغوص على غوامض العلم ما لا مزيد عليه لكن لا سبيل الى رد رواية الثقة الا بنص مثله يدل على نسخه او تخصيصه او استحالته فكيف والجمع بين الذي انكرته واثبته غيرها ممكن لان قوله تعالى إنك لا

امام اسماعیلیؒ نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس فہم، ذکاء، کثرتِ روایت اور علم کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے کی وہ خوبی تھی جس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا مگر بایں ہمہ ثقہ راوی کی روایت کو رد کرنے کی بھی کوئی سبیل نہیں مگر بایں کہ اگر کوئی اس جیسی نص ہو جو اس کے منسوخ یا مخصوص یا محال ہونے پر دلالت کرے پھر بھلا کیونکر یہ روایت رد

تسمع الموتی لا ینافی قولہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہم الآن یسمعون لان الاسماع ھو ابلاغ الصوت من المسمع فی اذن السامع فاللہ تعالٰے ھو الذی اسمعھم بان ابلغھم صوت نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واما جوابھا بانہ انما قال انھم لیعلمون فان کانت سمعت ذلک فلا ینافی روایۃ یسمعون بل یؤیدھا اھ (فتح الباری ج ۸ صـــ ۳۰۶ و فتح الملھم ج ۲ صـــ ۴۷۸)

کی جا سکتی ہے جبکہ حضرت عائشہ رض کی روایت جس میں انھوں نے سماع کا انکار کیا ہے اور دوسرے حضرات کی روایت جس میں اس کا اثبات ہے۔ جمع اور تطبیق بھی ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالٰے کے ارشاد اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد انہم الآن یسمعون (یعنی کفار اب سن رہے ہیں) میں کوئی منافاۃ نہیں ہے کیونکہ اسماع کا یہ معنی ہے کہ سنانے والے کی آواز سننے والے کے کان میں پہنچائی جائے تو سنانے والا تو اللہ تعالٰی ہی ہے جس نے کفار کو اپنے نبی کی آواز پہنچائی۔ رہا حضرت عائشہ رض کا یہ جواب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا کہ بے شک وہ اس وقت جانتے ہیں اگر واقعی حضرت عائشہ رض نے یہ لفظ آپ سے سُنے تھے تو پھر بھی یہ یسمعون کے ہرگز

منافی نہیں بلکہ اس کے مؤید ہیں۔

امام شمس الدین محمدؒ بن یوسفؒ بن علیؒ الکرمانی الشافعیؒ (المتوفی ۷۸۶ھ)
بخاری شریف ج ۲ ص ۱۸۳ حدیث عائشہ رضؓ ما قال انهم يسمعون ما اقول
- وانما قال انهم الان ليعلمون کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

فان قلت كيف جاز تكذيب
ابن عمر رضؓ قلت ما كذبه
احد بل البحث في انه محمول
على الحقيقة وعائشةؓ حملته
على المجاز فان قلت هل
وجب تأويل كلامه بما
اولته عائشة رضي الله تعالى
عنها قلت يحتمل ان يكون
معنى الآية انك لا تسمع
بل الله هو المسمع مع ان
المتأولين قالوا المراد من
الموتى الكفار باعتبار موت
قلوبهم وان كانوا احياء صورة

اگر تو یہ کہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی تکذیب
کیسے جائز ہو گئی؟ تو میں کہوں گا کہ قطعاً تکذیب
کسی نے نہیں کی بلکہ بحث اس میں ہے کہ
حضرت ابن عمرؓ نے اس کو حقیقت پر
محمول کیا ہے اور حضرت عائشہؓ نے مجاز پر
پھر اگر تو یہ کہے کہ کیا حضرت ابن عمرؓ کے کلام
کی تاویل واجب ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ
نے کی؟ تو میں کہوں گا کہ احتمال ہے کہ آیت
کا معنی یہ ہو کہ بے شک تو نہیں سنا سکتا،
بلکہ اللہ تعالیٰ سنانے والا ہے۔ علاوہ ازیں
تاویل کرنے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں
مُردوں سے حقیقی مُردے مراد نہیں ہیں
بلکہ موتیٰ سے کفار مراد ہیں۔ اس اعتبار

ولكن المراد من الآية
الأخرى قال صاحب الكشاف
في قوله تعالى انك لا تسمع
الموتى شبهوا بالموتى
وهم احياء لان حالهم
حال الاموات وفي قوله تعالى
ما انت بمسمع من في القبور
اي الذين هم كالمقبورين۔
(كواكب الدراري ج ۱۵ ص ۱۲۷
و ص ۱۲۸)

ہے کہ ان کے دل مر چکے ہیں اگرچہ صورۃً وہ
زندوں کی شکل میں ہیں (لہذا اہل قبور کے عدمِ
سماع کا مسئلہ بھی اس سے غیر متعلق ہے) اور اسی
طرح دوسری آیت سے بھی یہی مراد ہے۔ صاحب
کشاف نے اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کی
تفسیر میں لکھا ہے کہ ان زندہ کافروں کو مردوں
سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ ان کی حالت مردوں
کی سی ہے (کہ جیسے وہ سماع سے فائدہ نہیں
اٹھا سکتے اسی طرح یہ بھی ہیں) اور اسی طرح
مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ کا مطلب
بھی یہی ہے کہ یہ زندہ مردے اہل قبور کی
طرح یہ نفع حاصل نہیں کر سکتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بقول علامہ کرمانی رح حضرت عائشہ رض نے حضرت ابن
عمر رض کی تکذیب نہیں کی بلکہ یہاں معاملہ حقیقت و مجاز کا ہے۔ حضرت ابن عمر رض
نے انہم یسمعون کی حدیث کو حقیقت پر حمل کر کے سماعِ موتیٰ کا قول کیا
ہے اور حضرت عائشہ رض نے اس کو مجاز پر محمول کیا ہے کہ مراد اس سے علم ہے
یعنی یہ مردے اس وقت جانتے ہیں۔ پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ جب حقیقت

شرعاً متعذر نہیں تو پھر مجاز کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ مشہور تو یہ ہے کہ المجاز قنطرۃ الحقیقۃ۔ کہ مجاز حقیقت کا پل ہے۔ اور پھر یہ بات بھی پہلے بحوالہ حافظ ابن حجر رح وغیرہ گزر چکی ہے کہ یسمعون اور یعلمون میں تطبیق ممکن ہے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

حافظ بدر الدین محمود العینی الحنفی رح رقم طراز ہیں کہ :-

وأجيب عن الآية بأن الذي يسمعهم هو الله تعالى والمعنى أنه صلى الله تعالى عليه وسلم لا يسمعهم ولكن الله تعالى أحياهم حتى سمعوا كما قال قتادة وقال السهيلي وعائشة لم تحضر وغيرها ممن حضر أحفظ للفظه وقد قالوا له أتخاطب قوما قد جيفوا فقال ما أنتم بأسمع لما أقول منهم وإذا جاز أن يكونوا سامعين إما بآذان رؤسهم إذا قلت

اس آیت کریمہ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کو سناتا ہے اور معنی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو نہیں سنا سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا یہاں تک کہ انھوں نے سن لیا جیسا کہ قتادہ نے کہا ہے؟ اور امام سہیلی رح فرماتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت عائشہ رض حاضر نہ تھیں اور دوسرے حضرات جو وہاں حاضر تھے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے الفاظ کو زیادہ یاد رکھنے والے ہیں چنانچہ انھوں نے آپ سے کہا کہ کیا آپ ایسی قوم سے خطاب فرماتے ہیں جو سڑ گئی ہے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ

الارواح تعاد الی الاجساد عند المسألة وهو قول الاکثر من اہل السنۃ واما باذان القلب الروح علی مذہب من یقول یتوجہ السوال الی الروح من غیر رجوع منہ الی الجسد او الی بعضہ اھ (مرقاۃ القاری ج ۱ ص ۹۳)

تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن رہے اور جب (بقول حضرت عائشہؓ) اس حالت میں ان کا عالم ہونا جائز ہے تو ان کا سامع ہونا بھی جائز ہے۔ یا تو سر کے حسی کانوں سے اگر ہم یہ کہیں کہ سوال کے وقت ان کے ابدان میں ارواح کو لوٹایا جاتا ہے جیسا کہ اکثر اہل السنت والجماعت کا قول ہے اور یا دل اور روح کے کانوں سے ان لوگوں کے مذہب پر جو یہ کہتے ہیں کہ سوال روح کی طرف متوجہ ہوتا ہے بغیر اسکے کہ سارے بدن یا اس کے بعض حصہ میں روح لوٹائی جائے۔

اس عبارت سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اہل السنت والجماعت کی اکثریت بدن اور روح دونوں کے ساتھ سماع اموات کی قائل ہے اور یہی اکثریت عود الروح الی الجسد کی بھی قائل ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی ؒ لکھتے ہیں کہ :-

قلت اذا صح عن النبی صلے

میں کہتا ہوں کہ جب آنحضرت صلی اللہ

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان
الموتٰی تسمع کلام الحی
فمعنٰی قولہ تعالیٰ انک لا
تسمع الموتٰی باختیارک
وقدرتک کما انت تسمع
الحی علی ماجری بہ عادۃ اللہ تعالیٰ
لکن اللہ تعالیٰ یسمع الموتٰی
کلام الاحیاء اذا شاء وانک
لا تسمع الموتٰی سماعا تترتب
علیہ الفائدۃ انتہٰی (منہ نور
اللہ مرقدہ حاشیہ تفسیر مظہری ج ۷ ص ۱۵۳)

تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ صحیح ثابت ہو چکا ہے
کہ مُردے زندہ کے کلام کو سُنتے ہیں تو اِنَّکَ
لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کا مطلب یا تو یہ ہے کہ تُو
اپنے اختیار اور قدرت سے مُردوں کو نہیں
سُنا سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی جاری کی ہوئی
عادت کے مطابق تُو زندہ کو سُنا سکتا ہے
لیکن اللہ تعالیٰ ہی زندوں کا کلام مُردوں
کو جب چاہتا ہے سُنا دیتا ہے اور یا اس
آیت کریمہ کا یہ مطلب ہے کہ تو مُردوں کو
اس طریقہ پر نہیں سُنا سکتا جس پر (قبول
کرنے کا) فائدہ مترتب ہو۔

الغرض حضرات مفسرین کرام میں کوئی بھی تفسیر لے لیں۔ قدرِ مشترک
سب اس پر متفق ہیں کہ اس مضمون کی تمام آیات سے عدمِ سماعِ موتٰی ہرگز
ثابت نہیں ہے جس کے درپے مؤلف شفاء الصدور، وندائے حق اور ان
کے حواری ہیں اور اس پر مصر ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کی
آیت کی تشریح و تفسیر کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں۔ "یعنی تم یہ نہیں کر سکتے

کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مُردے کو سنا دو کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مُردہ سن لے اس کا انکار کوئی مومن نہیں کر سکتا۔ جب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سُننا ثابت ہو جائیگا اسی حد تک ہم کو سماع موتی کا قائل ہونا چاہیئے محض قیاس کرکے دُوسری باتوں کو سماع کے تحت نہیں لا سکتے۔ بہرحال آیت میں اسماع کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ انتہیٰ (حاشیہ ص۵۳۱)۔

بہرحال اس آیت کریمہ کی پہلی تفسیر لیں یا دُوسری، بہرکیف دونوں سے یہ ثابت ہے کہ اس سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی بلکہ سماع نافع و مفید یا اسماع کی نفی ہے اور نفس سماع موتی فی الجملہ ثابت ہے۔ صحیح احادیث اور جمہور امت کا بیان اس کی واضح دلیل ہے۔

مسئلہ سماع موتیٰ اور حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ

قرآن کریم کے تیسرے پارہ میں ایک واقعہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے جس کا نہایت مختصر خلاصہ یہ ہے کہ ایک بزرگ ہستی کو اللہ تعالیٰ نے وفات دے دی۔ سو سال تک مُردہ رہے جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو زندہ کیا تو اُن سے فرمایا کہ تم اس حالت میں کتنا

عرصہ رہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ صرف ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ تم تو سو سال اس حالت میں رہے (ملخصاً)

جمہور مفسرین کرام کے نزدیک یہ بزرگ ہستی حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی تھی۔ بعض حضرات نے سماع موتیٰ کے انکار پر اس واقعہ سے بھی
استدلال کیا ہے۔ چنانچہ مؤلف جواہر القرآن لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے
سماع موتیٰ کی نفی ہوتی ہے کیونکہ عزیر علیہ السلام دنیا میں ہونے والے تمام
انقلابات سے بے خبر تھے۔ سو سال کے عرصہ میں نہ تو رات دن کے اختلافات
کا ان کو پتہ چلا اور نہ ہی بیرونی آوازیں انھیں سنائی دیں۔ (جواہر القرآن ص۱۳۴)

الجواب :- اس واقعہ سے سماع موتیٰ کی نفی پر استدلال صحیح نہیں ہے
اولاً اس لئے کہ یہ مسئلہ حضرات صحابہ کرام رضؓ سے اختلافی چلا آرہا ہے مگر حضرات
سلف صالحین رحؒ میں سے کسی نے اس واقعہ سے عدم سماع موتیٰ پر استدلال
نہیں کیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ واقعہ اس مسئلہ سے بالکل غیر متعلق
ہے۔ ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ نے اس واقعہ سے
استشہاد بھی کیا ہے۔ لیکن حضرت مرحوم کے کئی تفردات ہیں جن میں سے ایک یہ
بھی ہوگا۔ الحمدللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کا ادب و احترام سویدائے قلب میں
موجود ہے اور ان کی بے لوث دینی خدمات اور اپنے مخصوص رنگ میں توحید
و سنت کی نشر و اشاعت اور اپنے نرالے ذوق میں شرک و بدعت کا رد

ناقابلِ تردید حقیقت ہے لیکن شریعت کا حق سب سے مقدم ہے۔ امام تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب السبکی (المتوفی ۷۷۱ھ) اپنے استاد محترم ناقد فن رجال علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ الذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) کی بعض علمی کوتاہیوں اور تفردات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وانا قلت غیر مرۃ ان الذھبی استاذی وبہ تخرجت فی علم الحدیث الا ان الحق احق ان یتبع (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹۰ طبع مصر)

میں کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ علامہ ذہبی میرے استاد ہیں اور انہی کی بدولت میں نے علم حدیث میں مہارت حاصل کی ہے مگر حق کی پیروی کرنا زیادہ مناسب ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رہ سے یہ سوال ہوا کہ آپ فلاں مسئلہ میں یہ رائے رکھتے ہیں حالانکہ آپ کے پیر و مرشد اس کے خلاف کہتے ہیں تو آپ ان کی مخالفت کیوں فرماتے ہیں (محصلہ) تو اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں :-

" اور حجت قول و فعل مشائخ سے نہیں ہوتی بلکہ قول و فعل شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور اقوال مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں جب ان کے پیر سلطان نظام الدین قدس سرہ کے فعل کی حجت کوئی لاتا کہ وہ ایسا کرتے ہیں، تم کیوں نہیں کرتے؟ کہ فعل مشائخ حجت نہ باشد اور اس جواب کو حضرت سلطان الاولیاءؒ بھی پسند

فرماتے لہٰذا جناب حاجی (امداد اللہ صاحبؒ) سلمہ اللہ کا ذکر کرنا سوالات شرعیہ میں بے جا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۳۵ طبع دہلی)۔

مؤلف اقامۃ البرہان لکھتے ہیں۔ "اسلام مشائخ اور اساتذہ کی تقلید بے جا کا نام نہیں بلکہ دلائل شریعت کے اتباع کا نام ہے" (ص ۳۱۲)۔

ظاہر امر ہے کہ جب حضرات سلف صالحین رح میں سے کسی نے عدم سماع موتیٰ پر یہ واقعہ پیش نہیں کیا حالانکہ قرآن کریم کا یہ واقعہ بھی ان کے پیش نظر تھا اور اس مسئلہ کا اختلاف بھی ان کے سامنے تھا تو یہ اس مسئلہ سے غیر متعلق ہے۔

ثانیاً اس واقعہ سے نفی سماع موتیٰ تب متحقق ہو سکتی ہے جب تحقیقی اور تاریخی طور پر یہ ثابت کیا جائے کہ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کوئی پہنچا ہو اور اس نے ان سے علیک سلیک کی اور کلام کیا ہو مگر نہ تو وہ سن سکے اور نہ ان کو خبر ہوئی۔ بہت ممکن ہے کہ جہاں ان کی وفات ہوئی تھی وہاں کوئی بھی نہ گیا ہو اور نہ کسی کو ان کی خبر ہوئی ہو، محض عقلی طور پر یہ کہہ دینا کہ سو سال تک وہاں کوئی نہ گیا ہو اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی ہو، کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ تاریخی حقائق کے لئے محض عقلی موشگافیاں ناکافی ہیں۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) اس واقعہ کے بارے

میں لکھتے ہیں کہ :۔ "حضرت عزیر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے راہ میں ایک شہر دیکھا۔ ویران اس کی عمارت گری ہوئی دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ یہاں کے ساکن سب مر گئے کیونکر حق تعالیٰ ان کو جلا دے اور یہ شہر پھر آباد ہو۔ اُسی جگہ اُن کی رُوح قبض ہوئی اور اُن کی سواری کا گدھا بھی مر گیا۔ سو برس تک اُسی حالت میں رہے اور کسی نے نہ ان کو وہاں آ کر دیکھا نہ اُن کی خبر ہوئی۔" الخ (حاشیہ قرآن کریم ص۵۵)

اس سے معلوم ہوا کہ سو سال کے عرصہ تک اُن کے پاس سرے سے کوئی گیا ہی نہیں تھا اور نہ کسی کو اُن کی خبر ہوئی تھی تو پھر سلام و کلام کرنے نہ کرنے اور سُننے نہ سُننے کا کیا معنیٰ؟ اور انکارِ سماعِ موتیٰ کا کیا مطلب؟ حکیم الاُمّت حضرت مولانا تھانوی رح اس واقعہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ :۔ "رہی یہ بات کہ جب دُوسروں نے دیکھا نہیں تو لوگوں کے لئے نمونۂ قدرت کس طرح ہو گا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرائنِ خارجیہ قطعیہ سے ان کا صدقِ بیان لوگوں کو بطورِ علمِ ضرُوری کے معلوم ہو جاوے گا جیسا کہ خُود ان کو ایسے ہی قرائن سے نیز اپنا مُردہ رہنا مُدّتِ طویل تک معلوم ہو گیا۔" واللہ تعالیٰ اعلم (تفسیر بیان القرآن ص۱۵۰ ج۱)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ نہ کوئی ان کے پاس گیا اور نہ اُن کو دیکھا۔

ثالثاً اس واقعہ سے جو کچھ ثابت ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ برزخ میں رہنے کی مُدّت کا احساس نہیں ہو سکتا اور یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وقت

کتنا گزرا، اور اس کا عدم سماع موتیٰ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

حضرت تھانوی رح اس واقعہ کے فوائد میں لکھتے ہیں کہ پانچویں بعد بعث کے برزخ میں رہنے کی مدت معلوم نہ ہونا الیٰ ان قال اور یہاں پر امر کی نظیر بن کا جواب یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ کہنا جیسا کہ بعینہٖ یہی جواب بعض اہل محشر دیں گے اھ (تفسیر بیان القرآن ج ۲ ص ۱۴۵) یہ بالکل صاف عبارت ہے کہ برزخ کی مدت معلوم نہیں ہوسکتی۔

لطیفہ۔ راقم الحروف نے تسکین الصدور میں نہایت اختصار کے ساتھ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس واقعہ سے عدم سماع موتیٰ پر استدلال کرنے والوں کا جواب عرض کیا تھا۔ اس جواب سے مؤلف تسکین القلوب خاصے پریشان اور برہم ہوئے ہیں اور راقم کی تردید میں جو کچھ انھوں نے لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے حالات کا علم نہ ہو سکا جو حضوری ہے تو غیروں کے حالات و اقوال کا علم کیسے ہو گیا، جو علم حصولی ہے؟ اور نیز لکھتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام خوشی میں انہماک کے باعث اپنے ذاتی حالات سے تو بے خبر ہو گئے اور باقی سب کچھ دیکھ سن رہے ہیں (تسکین القلوب ص ۱۱۸ محصلہ)

الجواب :۔ موصوف نے یہ جو کچھ ارشاد فرمایا ہے صرف مناظرانہ دفع الوقتی ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ ایک تو اس لئے کہ ہم نے یہ دعویٰ تو نہیں کیا کہ

غیروں کے سب حالات ہوان کو علم ہے اور نہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ سب کچھ دیکھ اور سن سکتے ہیں۔ خویش و اقارب کے بعض اعمال کا علم اقارب پر عرض اعمال کی حدیث کے پیش نظر قابلِ انکار نہیں۔ باقی سب حالات اور اعمال کا علم بجز پروردگار کے اور کسی کو نہیں ہے اور سننے کا دعویٰ بھی عند القبر اور نزدیک سے ہے۔ دور دراز سے سننے کا دعویٰ بھی نہیں ہے۔ موصوف نے بلا وجہ موجبہ کلیہ کا

ملہ حضرت جابر رضؓ سے روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اعمال تمہارے اقارب پر ان کی قبروں میں پیش کئے جاتے ہیں اگر عمل اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر دوسری مد کے ہوتے ہیں تو وہ ان کے لئے دعا کرتے ہیں (محصلہ مسند ابو داؤد طیالسی ص۲۴۸) اور اسی مضمون کی روایت حضرت انس رضؓ سے بھی مروی ہے (مسند احمد ج۳ ص۱۶۵) اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ فرماتے ہیں کہ زندوں کے اعمال ان کے مردہ خویش و اقارب پر پیش کئے جاتے ہیں اور وہ ان کے لئے دعا بھی کرتے ہیں جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ کتاب شرح الصدور ص۱۱۰ فی احوال الموتیٰ والقبور میں لکھا ہے کہ امام احمد رحمہ نے حضرت انس رضؓ کے طریق سے سند کے ساتھ حدیث آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ بے شک تمہارے اعمال تمہارے اقارب اور تمہارے خاندان کے لوگوں پر، جو مر چکے ہوتے ہیں، پیش کئے جاتے ہیں۔ سو اگر عمل اچھا ہو تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر عمل برا ہو تو کہتے ہیں اے پروردگار۔ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

سو رو داخل کر کے تعمیم پیدا کرنے کی ناکام کوشش فرمائی ہے اور باقی سب کچھ دیکھ رہے ہیں الخ۔ اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا سوال حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کے ذاتی حالات و صفات کے متعلق نہیں تھا کہ علم حضوری اور علم حصولی کی منطقیانہ بحث یہاں چل نکلے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کَمْ لَبِثْتَ ارشاد فرما کر زمانہ کی تعیین و توقیت دریافت فرمائی ہے اور زمانہ و وقت نہ تو انسان کے ذاتی حالات میں داخل ہے نہ صفات میں بلکہ ظرف ہے اور الگ مقولہ ہے۔ اگر زمانہ انسان کے ذاتی اور صفاتی حالات میں داخل

صفحہ گزشتہ کا بقیہ

تو ان کو ہدایت دیئے بغیر نہ مار (رسائل مسائل) اور اسی مضمون کی ایک مرفوع روایت حضرت نعمان رضی اللہ عنہ بن بشیر رضی اللہ عنہ سے اور ایک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ایک عبد الغفور عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مرفوعاً مروی ہے (شرح الصدور ص ۱۱) اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (مجمع الزوائد ج ۲ ص) خویش و اقارب پر عرض اعمال کی ایک حدیث امام العارف الشیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ (المتوفی) عوارف المعارف علی الاحیاء میں اور ایک حدیث امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم ج ۴ ص میں پیش کر کے ان سے عرض اعمال پر استدلال کرتے ہیں۔ اصل عبارات تسکین الصدور میں ملاحظہ کریں۔ الغرض یہ جملہ روایات دلیل ہیں کہ اس فرعی مسئلہ کے اثبات کے لئے کافی ہیں۔ وفیہا کفایۃ لمن لہ ھدایۃ

ہوتا تو حشر کے دن قبور سے نکلنے کے بعد ہر ایک کو دنیا یا قبر اور برزخ میں اپنے ٹھہرنے کا صحیح اور ٹھیک وقت معلوم ہوتا اور وہ ایک دوسرے کو باز پرسوں کو جواب دیتے اور بتاتے ہوئے یہ مختلف تعبیریں نہ کرتے۔ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا (تم نہیں ٹھہرے مگر صرف ایک دن) اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا (تم نہیں ٹھہرے مگر دس دن) كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا (گویا کہ وہ جس دن قیامت کو دیکھ لیں گے یوں سمجھیں گے کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر دن کا پچھلا یا پہلا حصہ) كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ (گویا کہ وہ جس دن اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ ان سے کیا جا رہا ہے، ایسا خیال کریں گے کہ وہ دن کا صرف ایک ہی گھنٹہ ٹھہرے ہیں) علاوہ ازیں اگر وقت اور زمانہ انسان کی ذات و صفات میں داخل ہوتا تو ہر آدمی کو اپنی تاریخ پیدائش، عمر اور زندگی کے دوسرے واقعات تاریخ وار معلوم ہوتے اور ایسے حالات میں لوگ ظن اور تخمینہ سے ہرگز کام نہ لیتے، حالانکہ بجز ان لوگوں کے جن کے حافظے بڑے قوی ہوتے ہیں یا وہ لوگ جن کے پاس تاریخ ولادت اور زندگی کے اہم واقعات لکھے ہوئے پڑے ہیں اور کوئی شخص اپنی عمر یا زندگی کے واقعات زمانہ اور وقت کی تعیین و تحدید کے ساتھ نہیں بتا سکتا اور نہ لوگ اپنی صلبی اولاد اور قریب ترین رشتہ داروں اور عزیزوں کی عمر یہ صحیح صحیح بتا سکتے ہیں حالانکہ وہ انہی کے ہاں اور ان کے

سامنے پیدا ہوتے ہوتے ہیں اگر وقت اور زمانہ علم حضوری میں داخل ہوتا تو پھر بلا تامل ہر شخص متعین طور پر یہ امور بتا سکتا اور حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے تو کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ وقت اور زمانہ انسان کی ذات وصفات میں داخل ہو کر علم حضوری بن گیا؟

مشہور محقق ملا جلال الدین الدوانی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۰۸ھ) لکھتے ہیں:-

وعلمها بذاتها وصفاتها علم حضوری کما بیّن فی موضعہ (ملا جلال ص ۸)
اور نفس کا اپنی ذات وصفات کے بارے میں علم، علم حضوری ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر یہ بات بیان کی گئی ہے۔

اور اس کے شارح میر زاہد بن محمد المسلم (المتوفی ۱۱۰۱ھ) لکھتے ہیں کہ:-

قد اشتہر فیما بین القوم ان علم النفس بذاتها وصفاتها علم حضوری (میر زاہد ص ۹۵)
(منطقیوں کی) قوم میں یہ بات مشہور ہے کہ نفس کا اپنی ذات وصفات کے متعلق علم، علم حضوری ہوتا ہے۔

الحاصل نفس کا اپنی ذات وصفات کے بارے میں علم بلاشبہ علم حضوری ہوتا ہے مگر وقت اور زمانہ نہ انسان کی ذات ہے نہ اس کی صفت ہے اس لئے غیر متعلق بحث کو درمیان میں لاکر گلو خلاصی نہیں کی جا سکتی۔

وثالثاً اہل السنت والجماعت کا سماع موتیٰ کے بارے میں اختلاف

جس طرز کا بھی ہے، عام موتیٰ کے بارے میں ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں نہیں ہے۔ اس میں سب متفق ہیں کہ وہ قبر سے سنتے ہیں۔ حضرت گنگوہی رحؒ کی یہ عبارت پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ "مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں" الخ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ صـ ۹۹) جب حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی ہیں تو پھر ان کے عدم سماع کا کیا معنیٰ ؟

اصحابِ کہف کا واقعہ

اس وقت کے وہ حضرات جو عدم سماع موتیٰ کے قائل ہیں وہ اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی استدلال کیا کرتے ہیں بلکہ اس پر خاصا زور دیتے ہیں کیونکہ ان کے واقعہ میں بھی یہ آتا ہے کہ جب وہ تین سو نو سال گزار کر نیند سے بیدار ہوئے تو انھوں نے آپس میں ایک دوسرے سے سوال کیا کَمْ لَبِثْتُمْ۔ تم کتنا عرصہ یہاں ٹھہرے ہو ؟ جواب دینے والوں نے کہا۔ لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ کہ ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ جب نیند میں جبکہ روح بھی کلی طور پر بدن میں ہوتی ہے ان کو وقت کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا اور باہر کی دنیا کا ان کو علم نہ ہو سکا تو بھلا مُردے کیونکر باہر کی بات کو سنتے ہیں ؟ مگر یہ ان حضرات کا بڑا مغالطہ ہے۔ کیونکہ نیند کی حالت میں ادراک و شعور ایک گونہ معطل

ہو جاتا ہے اور انسان بے بس اور بے اختیار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ نیند کی حالت میں طلاق و عتاق اور اسلام و ردت وغیرہ کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوتا اور قبر میں اعادۂ روح کے بعد میت کا معاملہ اس کے برعکس ہے میت میں ادراک و شعور اور علم باقاعدہ ہوتا ہے اور اسی بناء پر جب نکیرین سوال کرتے ہیں اور مُردہ اس کا جواب دیتا ہے تو اس کے جواب کا باقاعدہ اعتبار ہوتا ہے اور امتحان میں اس کی کامیابی یا ناکامی پر جنت جزا و سزا ملتی ہے اور اُسے اسی ادراک و شعور کے ساتھ راحت و کلفت محسوس ہوتی ہے اس لئے مُردے کا سونے والے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے لہٰذا اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی عدم سماعِ موتیٰ کا مسئلہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور نہ حضرات سلف صالحین رح میں سے کسی نے اس سے اس پر استدلال کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس واقعہ سے بھی صرف اس قدر ثابت ہے کہ ان کو اپنے رہنے کی مدت اور زمانہ معلوم نہ تھا اور آج بھی سونے والوں کو سونے کا صحیح وقت اور کئی لوگوں کو اپنی عمروں کا متعین وقت معلوم نہیں ہوتا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ نہیں سنتے۔

عدمِ سماعِ موتیٰ اور حضرت امام ابوحنیفہ رح

بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ فتاویٰ غرائب (یا الغرائب فی تحقیق المذاہب) میں ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رح نے

ایک آدمی کو دیکھا جو نیک اور بزرگ لوگوں کی قبروں پہ جاتا اور ان کو سلام کہتا اور ان سے مخاطب ہو کر ان سے باتیں کرتا اور ان سے کہتا۔ اے اہلِ قبور کیا تمہیں کوئی خبر ہے یا کوئی علامت ہے۔ میں کئی مہینوں سے تمہارے پاس آرہا ہوں اور تمہیں پکار پکار کر کہہ رہا ہوں اور یہ سوال کرتا ہوں کہ تم میرے لئے دعا کرو۔ کیا تمہیں کچھ پتہ چلا یا تم بے خبر ہی رہے؟ حضرت امام ابوحنیفہ رح نے اس شخص سے فرمایا کہ کیا انہوں نے تجھے کوئی جواب دیا؟ اس شخص نے کہا۔ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے لئے دوری ہو اور تو ذلیل و خوار ہو۔ تو ایسے اجسام سے باتیں کرتا ہے جو نہ تو جواب دینے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ ان کو کسی چیز کا اختیار ہے اور نہ کوئی آواز ہی سن سکتے ہیں اور پھر آپ نے بطور استدلال یہ آیت کریمہ پڑھی۔ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (محصلہ تفہیم المسائل لمولانا بشیر الدین قنوجی رح ص۱۰۲ اور یہ حوالہ تحریرات حدیث ص۲۶۲ اور شفاء الصدر ص۴۲ و اقامۃ البرہان ص۱۰ وغیرہ کتابوں میں بھی ذکر کیا گیا ہے)۔

الجواب۔ یہاں چند امور قابلِ توجہ ہیں۔ اوّل قاضی بشیر الدین قنوجی شاگرد حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب۔ و استاد نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد تھے۔ سب سے پہلے اس حوالہ کا ماخذ ہماری معلومات کی بنا پر انہی کی کتاب ہے۔ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ حضرات فقہاء

احناف رحمہ میں سے مسئلہ سماعِ موتیٰ کے مُثبت اور منفی پہلو میں نہ تو متقدمین حضرات کو یہ حوالہ دستیاب ہوا ہے اور نہ متاخرین کو، اور ہماری دانست میں کسی معتبر حنفی فقیہ نے ان سے پہلے اس کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ فقہ حنفی کی کسی معتبر کتاب میں اس کا ذکر ہے۔ مَنْ ادعیٰ خلافہ فعلیہ البیان بالبرھان

دوئم۔ یہ فتاویٰ غرائب کس کی تالیف ہے؟ اور اس کے مصنّف کون تھے؟ اور کس مسلک سے تعلّق رکھتے تھے؟ اور یہ کس زمانہ کی تالیف ہے؟ اور فقہاء احناف اور دیگر فقہاء کے نزدیک اس کے مصنّف اور کتاب کا کیا پایہ ہے؟

سوئم۔ ایسی غیر متعارف اور مجہول کتاب کے حوالہ کا صریح اور صحیح احادیث اور جمہور اُمّت کے واضح اقوال کے مقابلہ میں کیا وُقعت اور اعتبار ہو سکتا ہے؟ حضرت ملا علی ن القاری الحنفی رحمہ فرماتے ہیں کہ:۔

قلت ومن القواعد الكلية ان نقل الاحاديث النبوية والمسائل الفقهية والتفاسير القرآنية لا يجوز الا من الكتب المتداولة لعدم الاعتماد علےٰ غيرها من وضع الزنادقة والحاق الملاحدة بخلاف الكتب المحفوظة فان	میں کہتا ہوں کہ قواعد کلیہ میں سے یہ بات ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کی احادیث اور فقہی مسائل اور قرآن کریم کی تفاسیر کا نقل کرنا جائز ہے مگر صرف ان کتابوں سے جو متداول ہیں کیونکہ دوسری کتابوں پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں زندیقوں کی جعلسازی اور ملحدوں کا الحاق شامل ہو بخلاف

نسخها تكون صحيحة معتمدة
انتهى (موضوعات كبير ص۱۳۷ و
ص۱۳۸ وبوادر النوادر ص۴۰۷)

محفوظ کتابوں کے کیونکہ ان کے نسخے صحیح
اور معتمد ہوتے ہیں اور ان میں قطع و
برید کا موقع جعلسازوں کو نہیں مل سکتا۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ فقہی مسائل کا غیر متداول اور مجہول کتابوں سے نقل کرنا سرے سے جائز ہی نہیں ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی الحنفی (المتوفی ۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں کہ :-

صرح في فتح القدير من باب القضاء
انه لا يجوز النقل من الكتب الغريبة الخ
(الفوائد البهية ص۱۱ طبع مصر)

فتح القدیر کے باب القضاء میں تصریح موجود
ہے کہ کتب غریبہ سے نقل کرنا روا و
جائز نہیں ہے۔

حافظ ابن الہمام رح کی عبارت یوں ہے :-

وطريق نقله لذلك عن المجتهد احد
امرين اما ان يكون له فيه سند
اليه او يأخذه من كتاب معروف
تداولته الايدي نحو كتب محمد بن
الحسنؒ ونحوها من التصانيف
المشهورة للمجتهدين لانه بمنزلة
الخبر المتواتر عنهم او المشهور

کہ قاضی کے مجتہد سے مسائل نقل کرنے کے
سلسلہ میں دو طریقوں میں سے ایک ہونا
چاہیئے۔ یا تو مجتہد تک سند کے ساتھ سلسلہ
پہنچے اور یا کسی ایسی معروف کتاب سے نقل
کرے جو ہاتھوں میں متداول رہی ہو۔ جیسے
حضرت محمدؒ بن الحسن رح کی کتابیں اور انکی
مانند مجتہدین کی اور مشہور کتابیں کیونکہ یہ

هكذا ذكر الرازي أيضاً هذا
لو وجدنا بعض نسخ النوادر
في زماننا لا يحل عزو ما فيها
الى محمدؒ ولا الى ابي يوسفؒ لانها
لم تشتهر في عصرنا في ديارنا
ولم تتداول نعم اذا وجد
النقل عن النوادر مثلاً
في كتاب مشهور معروف
كالهداية والمبسوط
كان ذلك تعويلاً على ذلك
الكتاب الخ (فتح القدير
ج ۳ ص۲۴۷ طبع هند و ج ۵
ص۲۵۰ طبع مصر)

ان سے بمنزلہ خبر متواتر یا مشہور کے منقول ہیں
اسی طرح امام (ابو بکر الجصاص) رازیؒ نے
ذکر کیا ہے سو اس تحقیق کے پیش نظر ہمارے
زمانہ میں کوئی چیز نادر کتابوں کے بعض نسخوں
میں پائی گئی تو نہ ان سے نقل کرنا جائز ہے
اور نہ اس کی نسبت حضرت امام محمدؒ اور
حضرت امام ابو یوسف رح کی طرف کرنی جائز
ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں ہمارے علاقہ
کے اندر ان نادر کتابوں کی شہرت نہیں
ہے اور نہ یہ متداول ہیں۔ ہاں اگر نوادر کتابوں
سے نقل کسی مشہور اور معروف کتاب میں
ہو مثلاً ہدایہ اور مبسوط وغیرہ تو اس نقل
کا اعتبار اس مشہور اور معروف کتاب کی
وجہ سے ہوگا۔

اگر حافظ ابن الہمام رح کے دور میں اور ان کے علاقہ میں جو علم و عرفان کا دور
اور خطہ کا گہوارہ تھا، نادر کتابوں کی نقل کا اعتبار نہیں ہو سکتا تو آج ان سے نقل کئے
ہوئے مسئلہ کو کون تسلیم کر سکتا ہے؟

یہ پوری عبارت فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۲۷۳ طبع مصر میں بھی موجود ہے اور اس کے آخر میں ہے کذا فی البحر الرائق یعنی اسی طرح البحر الرائق میں ہے۔ الغرض فتح القدیر، البحر الرائق اور عالمگیری وغیرہ تمام معتبر کتابوں میں یہ عبارت اس امر کو وضاحت سے واضح تر کرتی ہے کہ نادر کتابوں کے حوالہ سے کوئی مسئلہ حضرات ائمہ کرام رح کی طرف نسبت نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا عبدالحی لکھنوی علامہ ابن نجیم مصری رح کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ

لا تجوز الفتوى من التصانيف الغير المشهورة انتهى (مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص ۱۲)	غیر مشہور تصانیف سے فتویٰ جائز نہیں ہے۔

اور فتاویٰ غرائب کے اس حوالہ کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

پنجم: پہلے یہ بات با حوالہ گزر چکی ہے کہ حضرت ملا علی ن القاری اور حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رح اور (نیز آپ کے نامور شاگردوں امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح وغیرہ) سے عدم سماع موتیٰ کے بارے میں قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور حضرت مولانا گنگوہی فرماتے ہیں :-

الجواب۔ مسئلہ سماع میں حنفیہ باہم مختلف ہیں اور روایات سے ہر دو مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ پس تلقین اسی مذہب پر مبنی ہے کیونکہ اول زمانہ قریب دفن کے بہت سی روایت اثبات سماع کرتی ہیں اور حضرت امام اعظم

رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں اور روایات جو کچھ امام صاحب سے آئی ہیں، شاذ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ صفحہ ۹۳)۔

گویا حضرت گنگوہی رح کے نزدیک بھی فتاویٰ غرائب کا یہ ارشاد جو قابلِ اعتبار نہیں ہے اور سابق مفتی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ "سماعِ موتیٰ میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ رض کے زمانہ سے ہے۔ بہت سے ائمہ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں اور حنفیہ کی کتب میں بعض مسائل (مسئلہ یمین جس کی بحث آرہی ہے) ایسے مذکور ہیں جن سے عدم سماع معلوم ہوتا ہے مگر امام صاحب سے کوئی تصریح اس بارہ میں نہیں نقل کرتے" اھ (فتاویٰ دار العلوم ج ۵ صفحہ ۲۷۹ طبع دیوبند) ان تمام جاندار اور شاندار حوالوں سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہو گئی کہ فتاویٰ غرائب کے اس حوالہ کا حضرت امام صاحب سے قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ حوالہ بالکل اس کا مصداق ہے کہ ؎

یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

اور خود مؤلف شفاء الصدور کو اس کا اقرار ہے کہ جو روایت اصول کے خلاف ہو وہ قابلِ اعتبار نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ اور مناقضہ للاصول کا مفہوم یہ ہے۔ اسلامی دفاتر اور مسند احادیث اور مشہور کتب سے خارج ہو" انتہیٰ (بلفظہ صفحہ ۴۷)۔

مؤلف مذکور کا حضرت امام صاحبؒ پر خالص بہتان

مؤلف مذکور نے حضرت امام صاحبؒ کا یہ مسلک بتایا ہے کہ "مُردے بلا استثناء انبیاء کرام علیہم السلام نہیں سنتے" بلفظہٖ (ندائے حق صفحہ ۳۲۲) مؤلف مذکور اپنی پوری جماعت کے ساتھ مل کر بھی قیامت تک صراحت کے ساتھ کسی معتبر حوالہ سے یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ حضرت امام صاحبؒ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع کے منکر تھے۔ (دیدہ باید)۔

دیدہ دلیری اور قبل از وقت واویلا

مؤلف ندائے حق بزعم خویش حضرت بہلولؒ اور شیخ چلی کی طرح خیر القرون کے حضرات سے عدم سماع موتیٰ پر اتفاق ثابت کر چکنے کے بعد یہ عنوان قائم کرتے ہیں۔ "خیر القرون کے بعد کا عہد۔" اور پھر لکھتے ہیں کہ "اوراق سابقہ میں سمجھ لیا ہوگا کہ دعویٰ صاحب تسکین کہ سماع موتیٰ پر سلف کا اجماع ہے' صحیح نہیں۔ اور سلف کا اطلاق صحابہ رضؓ پر آتا ہے اور بعض نے توسیع کر کے خیر القرون پر بھی سلف کا اطلاق کیا جس کی خیریت کی شہادت نبی صلعم نے دی اب ہو سکتا ہے کہ کوئی کہے کہ ہو سکتا ہے کہ پہلے یہ مسئلہ مختلف فیہا رہا ہو، بعد کے علماء نے سماع پر اجماع کر لیا ہو۔ اول تو یہ وہم ہے سلف میں یہ مسئلہ مختلف فیہ نہ تھا قطعاً نہ تھا (شاباش نیلوی صاحب۔ صفدر) ومن ادعی

نعلیہم اثبیان بالادلۃ دون اقوال من بعدہم بلا برہان (تلخیص حصہ ۱۵) اس کے بعد انھوں نے ستر بزرگوں کے نام ذکر کئے جن میں صاحب فتح القدیر، ابن قیم رح، ابن تیمیہ، صاحب تفسیر ابن کثیر رح، صاحب تفسیر مظہری، صاحب تفسیر روح المعانی رح، شاہ محمد اسحاق رح، قاضی خان رح، طحطاوی رح، صاحب رد المحتار، صاحب فتاویٰ عالمگیریہ (مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ فتاویٰ عالمگیریہ کو تقریباً پانصد جید علماء کرام کی کمیٹی نے مرتب کیا ہے اس کے مرتب صاحب نہیں اصحاب ہیں۔ صفدر) تھانوی رح، ملا علی قاری رح، شاہ عبد القادر رح، بحر العلوم رح، عبد الحی رح، محمد قاسم نانوتوی رح، حسین احمد مدنی رح وغیرہ حضرات کے نام لئے۔ پھر ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تمام قبروں میں پڑے ہوئے دھڑوں کے سننے کے قائل نہیں اور جن علماء کے اقوال آپ کے ذہن میں ہیں یا آپ ان کو اپنی تحقیق انیق اور بڑی کاوش سے جمع کر کے منصہ شہود پر لانے والے ہیں، وہ آپ کو کسی طرح سود مند نہیں۔ اس کا جواب کتاب شائع ہونے سے پہلے ہی سن لیں اور اپنی کتاب میں اس بات کا جواب ضرور دیں ورنہ آپ کی کتاب ناقص تصور ہوگی۔

بات یہ ہے کہ سماع موتیٰ میں تو کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور نہ ہی ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے جس کے حل کے لئے دلائل اور نظر و فکر کی ضرورت ہو یہ مسئلہ اپنے مقام پر بالکل بدیہی ہے۔ عرفاً، شرعاً، ظاہراً و باطناً اور در اصل جس بات

میں حنفیہ و شوافع کا باہمی اختلاف ہے وہ سماع روحانی میں ہے نہ کہ
قبروں میں پڑے ہوئے دھڑوں کے سننے نہ سننے میں (بلفظہ ص۱۵۲ ص۱۵۳)
اس کے بعد انھوں نے ص۱۵۳ میں حضرت مرحوم، حضرت تھانوی، علامہ
آلوسی، شاہ عبدالقادر رح، مولانا عثمانی رح، مولانا سید انور شاہ صاحب، اور
مولانا مدنی رح کی بعض ادھوری اور مبہم عبارتیں نقل کی ہیں جن میں روح
کے سننے کا ذکر ہے۔ (یہ سلسلہ اور ایسا ہی انھوں نے شفاء الصدور ص۔۔ میں لکھا ہے)

الجواب۔ قارئین کرام! آپ مؤلف مذکور کی اس عبارت کو سرسری
طور پر پڑھ کر اندازہ لگائیں کہ آیا ان میں انھوں نے کوئی ٹھکانے کی بات
کی ہے؟ پہلے تو وہ لکھتے ہیں کہ سلف میں یہ مسئلہ مختلف فیہ نہ تھا قطعاً
نہ تھا۔ اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ سماع موتی میں تو کسی کا کوئی اختلاف ہی نہیں
معلوم نہیں ان کی کون سی بات صحیح ہے پہلے آپ ٹھوس حوالوں سے پڑھ چکے ہیں کہ
یہ مسئلہ عہد صحابہ کرام سے تا ہنوز مختلف فیہا ہے اور پھر آگے جن بزرگوں
کے نام دیئے ہیں ان میں حضرت تھانوی رح کی عبارت میں روح کے سننے
کا اور حضرت شاہ عبدالقادر رح کی عبارت میں روح کے سننے اور دھڑ کے نہ
سننے کا اور حضرت مدنی رح کی عبارت میں سماع روحانی کا ذکر ہے۔ باقی
کسی کی عبارت میں اس کی تصریح موجود نہیں کہ روح سنتی ہے اور دھڑ
نہیں سنتا۔ یہ تمام اکابر روح اور جسم دونوں کے تعلق سے سماع کے قائل ہیں

یہ مؤلف مذکور کی کیسی اور کتنی دیدہ دلیری ہے کہ وہ ان اکابر پر غلط الزام لگا رہے ہیں۔ حضرت تھانوی رح کی عبارتیں اپنے مقام پر آ رہی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ اور پھر مؤلف مذکور نے ہماری کتاب کے طبع ہونے سے قبل ہی واویلا شروع کر دیا ہے کہ تمہارے ذہن میں یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔ ہم اس کا جواب قبل از وقت ہی دے دیتے ہیں۔ نیلوی صاحب آپ اتنے پریشان اور خوفزدہ کیوں ہیں؟ انشاء اللہ تعالیٰ ہم طبع دوم میں اس مسئلہ کی مزید تشریح کریں گے۔ سردست نقد طور پر آپ اس کتاب میں ضروری مواد تو پڑھ لیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں اور علماء ثلثہ کیا فرماتے ہیں۔

حضرت تھانوی رح

حضرت تھانوی رح قبر اور برزخ کی زندگی پر بحث کرتے ہوئے طویل بحث میں یہ بھی لکھتے ہیں:

(۱) پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہے اس حیثیت سے لینا چاہیے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تودۂ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور "السلام علیکم یا اہل القبور" کہنے سے جواب ملتا ہے اھ (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۳۲۹ طبع دیوبند)

(۲) غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میت سے کلام کر سکتا ہے۔ ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کے لئے ایک مقام ملتا ہے الخ (ایضاً ص ۳۲۰)

(۳) اسی طرح بلاشبہ مرنے کے بعد اجزائے ابدان سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے گو نیکوں کی روح علیین میں ہوتی ہے اور بدوں کی سجین میں لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں خواہ جلا دیں۔ خواہ وہ ڈوب جائے۔ ذرے ذرے کے ساتھ روح کا تعلق (بالاتر از فہم) رہتا ہے۔ اس کی نظیر ایک تار برقی کافی ہے تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے کہاں تک رہتا ہے۔ ایسا ہی روح کا تعلق باوجود علیین و سجین کے تعلق بدن کے ساتھ بھی ہے، اور ضرور ہے مگر اس دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں۔ اھ (ص ۳۲۷، ص ۳۲۸)۔

حضرت کی ان تمام عبارات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ روح کے بدن عنصری (کیونکہ ذرہ ذرہ بھی بدن ہوتا ہے جسم مثالی تو ذرہ ذرہ نہیں ہوتا) کے تعلق کے ساتھ مردہ قبر میں سلام سنتا اور اس کا جواب دیتا ہے۔ ہاں روح کا ایک تعلق بدن سے وہ تھا جو دنیوی زندگی میں تدبیر اور نشو و نما کا تھا، برزخ اور قبر میں یہ تعلق نہیں ہوتا۔ صرف روحانی تعلق ہوتا ہے جو ادراک و شعور اور سماع وغیرہ میں منحصر رہتا ہے۔

حضرت مدنی رح شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح (المتوفی ۱۳۷۷ھ) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضری کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:-

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک حضوری مدینہ منورہ کے بارہ میں مرجوح بلکہ غلط مسلک ہے۔ مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرور کائنات علیہ السلام کی زیارت اور آپ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہیئے۔ آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین و شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔ آپ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہیئے۔ محبوب حقیقی تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ سے اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے الخ۔

(مکتوبات شیخ الاسلام۔ جلد اول صفحہ ۱۱۹، صفحہ ۱۲۰)۔

اور جلد ا صفحہ ۳۱۲ میں فرماتے ہیں: "حاضری روضۂ مبارک کے وقت آنحضرت علیہ السلام کی روح پرفتوح کو وہاں جلوہ فروز سمجھنے والی غایت جمال و جلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے شہنشاہِ عالم کے دربار کی حاضری خیال کی جاوے اور جملہ طرق ادب کا لحاظ رکھا جائے" اھ۔ حضرتؒ کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ سماع صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے۔ جن لوگوں نے حضرت کی عبارات میں سے صرف روحانی کا لفظ پلے باندھ لیا ہے (جیسے مؤلف ندائے حق وغیرہ) تو ان کا نظریہ درست نہیں ہے۔ ان پر اخلاقی طور پر یہ لازم ہے کہ حضرتؒ کی تمام عبارات کو پیش نظر رکھ کر ان کا مطلب بیان

فقہی دلیل حضرات منکرین سماع ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں۔ کہ کتب فقہ و فتاویٰ میں موجود ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ میں فلاں سے کلام اور گفتگو نہیں کروں گا اور وہ شخص فوت ہو گیا اور قسم اٹھانے والے نے اس کی قبر پہ جا کر اس سے کلام کیا تو حانث نہ ہوگا۔

لان الموتیٰ لا یسمعون۔ کیوں کہ مردے نہیں سنتے۔

اس جزئی کی فقہی عبارات کو نہایت اختصار کے ساتھ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے نقل کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

سوال بست و ششم سماعت موتیٰ کلام احیاء سوائے سلام در شرع جائز است یا گناہ؟ کدام گناہ؟

چھبیسواں سوال سلام کے بغیر مردوں کا زندوں کے کلام کا شرعاً سننا کیسا ہے؟ جائز ہے یا گناہ؟ اور گناہ کیسا ہے؟

جواب: عادت و تکیہ سائل ست در ہر جا می پرسد جائز است یا گناہ؟ کدام گناہ؟ بنا بر تکیہ کلام خود نیز ایں جا می پرسد کہ جائز است یا گناہ؟ والا ایں مقام پرسیدن باین عبارت نمی سزد زیرا کہ جواز و گناہ در افعال و اعمال می شود و ایں

الجواب: سائل کی عادت اور تکیہ کلام یہ ہے کہ وہ ہر جگہ یہ پوچھتا ہے کہ جائز ہے یا گناہ؟ اور گناہ ہے تو کیسا؟ اپنے اسی تکیہ کلام کی وجہ سے یہاں بھی وہ پوچھتا ہے کہ جائز ہے یا گناہ؟ ورنہ اس مقام میں اس طرح پوچھنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ جواز اور گناہ افعال اور اعمال میں ہوتا ہے۔

متعلق باخبار است کہ ایں
امر ثابت است یا نہ پس جواب
ایں است کہ نزد اکثر حنفیہ سماع
موتی ثابت نیست چنانچہ از کافی
شرح وافی و فتح القدیر حاشیۂ ہدایہ
صراحۃً واشارۃً کہ قریب بتصریح
است واز مستخلص شرح کنز و عینی
شرح کنز و کفایہ شرح ہدایہ معلوم می
شود چنانچہ عبارات آنہا مرقوم می شود
ودر دیگر کتب ہم موجود بنا بر طول عبارات
بر نقل عبارت ایں پنج کتب اکتفا
نمودہ شد اھ۔ (مأتہ مسائل ص۴۶)

اور یہ سوال اخبار کے متعلق ہے کہ یہ معاملہ
ثابت ہے یا نہ۔ پس اس کا جواب یہ ہے
کہ اکثر احناف رح کے نزدیک سماع موتی
ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ کافی شرح وافی
اور فتح القدیر حاشیۂ ہدایہ میں صراحۃً
اور اشارۃً جو تصریح کے قریب ہے۔ اور
مستخلص شرح کنز اور عینی شرح کنز اور
کفایہ شرح ہدایہ سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ
ان کی عبارات لکھی جا رہی ہیں، اور
دوسری کتابوں میں بھی یہ موجود ہے مگر
طوالت کے ڈر سے صرف ان پانچ کتابوں
کی عبارات کے نقل پر ہم اکتفاء کرتے ہیں۔

اس کے بعد انھوں نے ص۴۶ سے ص۵۳ تک ان کتابوں کی وہ تفصیلی عبارتیں نقل کی ہیں جو قسم اور یمین کے مسئلہ سے متعلق ہیں اور بظاہر عدم سماع موتی پر دال ہیں۔

الجواب:۔ حضرات مجوزین سماع موتی اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں جیسا کہ حضرت ملا علی ن القاری رح اور حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رح

کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے کہ قسم کا مدار عرف پر ہے اور عرف عام میں لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ مُردے نہیں سُنتے (یعنی ان کے سُننے کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا کیونکہ تکلیفی زندگی باقی نہیں رہتی) اس لئے قسم اٹھانے والا باوجود کلام کرنے کے حانث نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا محمد عبدالحی لکھنوی رہ تحریر فرماتے ہیں :-

وانما حکموا فی الحلف بالضرب والکلام والدخول علیہ ونحوھا بعدم الحنث عند وجود ھٰذہ الاشیاء بالمیت لکون الایمان مبنیۃ علی العرف والعرف قاض علی ان ھٰذہ الامور یراد بھا ارتباطھا ما دام الحیوٰۃ لا بعد الموت فالکلام بالمیت وان کان کلاماً حقیقۃً ویوجد فیہ الاسماع لکنھا لکن العرف یحکم بان المراد من قولہ لا اکلمہ ما دام حیا (مجموعۃ الرسائل الخمس ص ۲۲)

مشائخ نے میت کو مارنے اس سے کلام کرنے اور اس کے پاس جانے وغیرہ امور میں عدم حنث کا حکم کیا ہے کیونکہ قسموں کا مبنیٰ عرف ہے اور عرف یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ان امور کا ارتباط زندگی تک ہے بعد الموت نہیں۔ پس میت سے کلام اگرچہ حقیقۃً کلام ہے اور اس میں اسماع اور افہام پایا جاتا ہے لیکن عرف یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس عدم تکلم سے حالت حیات میں عدم تکلم مراد ہے۔

اور حضرت شیخ الاسلام شبیر احمد صاحب عثمانی رہ اس کی تعبیر یوں کرتے ہیں :-

واما مسألة الايمان التي ذكرها الشيخ ابن الهمام فمبني الايمان على العرف فاذا حلف احد ان لا يكلم فلانا فلا يفهم منه اهل العرف الا التكليم في حالة الحيوة فلا يحنث بتكليمه ميتا والله تعالى اعلم (فتح الملهم ج ۲ ص۴۷۹)

بہرحال قسم کا مسئلہ جس کو شیخ ابن الہمام نے بیان کیا ہے (تو اس کا جواب یہ ہے کہ) قسموں کا مبنی عرف پر ہوتا ہے، سو جب کوئی شخص یہ قسم اٹھائے کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا تو اس سے اہلِ عرف یہی سمجھتے ہیں کہ زندگی .... کی حالت میں کلام کرنا مراد ہے لہٰذا مُردہ کے ساتھ کلام کرنے کی وجہ سے وہ حانث نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس سے معلوم ہوا کہ عرفِ عام میں کلام کرنے نہ کرنے کا تعلق زندوں سے ہوتا ہے جس پر عادۃً کوئی اثر اور نتیجہ مرتب ہو اور کلام کرنے والا مخاطب کی گفتگو سے بھی فائدہ اٹھا سکے اور اس کے ہاں یا نہیں اور رضا اور عدم رضا سے آگاہ اور واقف ہو سکے۔ اور مُردہ چونکہ مکلف نہیں، اور عادۃً اس کی آواز بھی نہیں سُنی جا سکتی اس لئے عرفِ عام کے لحاظ سے مُردہ سے وہ کلام نہیں جو زندہ سے تھا لہٰذا متکلم اور حالف اس سے حانث نہ ہوگا۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :-

فقال المحقق الشيخ علی القاری
الحنفی فی شرح المشکوٰۃ فی شرح
حدیث اہل القلیب اقول ھذا
منہم مبنی علی ان مبنی الایمان
علی العرف فلا یلزم منہ نفی حقیقۃ
السماع کما قالوا فیمن حلف لا
یأکل اللحم واکل السمک
مع ان اللہ تعالیٰ سماہ لحمًا طریًا،
اقول وھذا کذلک فان من
حلف لا یکلم زیدًا وکان میتًا
فکلمہ لا یحنث لان التکلم المراد
منہ المتعارف الذی یکون فیہ
معاورۃ باخذ الکلام وردّہ
ولما کان المیت یسمع ولا
یرد ردًّا متعارفًا بل ردًّا لا نؤمن
بہ ولا نسمعہ غالبًا لم یحصل
حقیقۃ التکلم العرفی فلھذا

محقق الشیخ ملا علی بن القاری حنفی نے مشکوٰۃ
کی شرح میں حدیث اہلِ قلیب (یعنی وہ کنواں
جس میں مقتولینِ بدر کو پھینکا گیا تھا) کی شرح
میں فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ حضرات
فقہاء کرام رح کا یہ ارشاد اس بات پر مبنی ہے
کہ قسموں کا مدار عرف پر ہے سو اس سے حقیقتِ
سماع کی نفی لازم نہیں آتی جیسا کہ انہوں نے
کہا ہے کہ جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ گوشت
نہیں کھائے گا اور اس نے مچھلی کھائی تو وہ
حانث نہ ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر
لحمًا طریًا (تازہ گوشت) کا لفظ اطلاق
فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی اسی طرح
ہے جس نے قسم اٹھائی کہ وہ زید سے بات
نہیں کرے گا اور زید مر چکا ہے اور
اس نے اس سے کلام کیا تو حانث نہ ہوگا۔
کیونکہ تکلم سے مراد وہ متعارف کلام ہوتا
ہے جس میں طرفین سے گفتگو کرنے اور رد

قالوا لو يسمع لا يلا ن
المبيت لا يسمع اھ
(المنحة الوھبية صنا
طبع استنبول)

کرنے کا سلسلہ ہو اور جب مُردہ سُنتا ہے اور
اس طریقہ سے جواب نہ نہیں کرسکتا جو متعارف
ہے بلکہ وہ ایسے طریقہ سے نہ کرتی ہے جس پر
ہم ایمان تو لاتے ہیں مگر عادتاً سُنتے نہیں اور
اس طریقہ سے تکلم عُرفی کی حقیقت حاصل
نہیں ہوتی تو اس وجہ سے حضرات فقہاء کرامؒ
نے کہا ہے کہ وہ سُنتا نہیں، نہ اس وجہ سے
کہ سچ مچ مُردہ نہیں سُنتا۔

حضرت ملا علی بن القاری رحؒ نے یہ بحث مرقات جلد ۲ صلا میں کی ہے۔
جس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ کلام سے جو مقصود ہوتا ہے وہ یہاں مفقود
ہے، اس لئے قسم اٹھانے والا حانث نہ ہوگا کیونکہ کلام سے مقصود یہ ہوتا ہے
کہ دوسرا سمجھ کر اور سُن کر اس کو جواب دے جس کو متکلم سُن سکے۔ اور میت گو
آواز سُنتی اور جواب بھی دیتی ہے مگر اس کی آواز عادۃً سُنی نہیں جاتی اس لئے
یہ کلام عُرفی کلام کی مَد میں شامل نہیں اور اس پر حنث بھی نہیں۔ مُردہ تو آخر
مُردہ ہے۔ فقہ سے اس کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ بعض اوقات حضرات فقہاء کرامؒ
زندہ آدمی کے کلام کو بھی کلام نہیں کہتے۔ چنانچہ علامہ ..... ابن عابدین الشامی
الحنفی رحؒ لکھتے ہیں کہ :-

وفی التحریر و تبطل عباراتہ	اور تحریر الاصول میں ہے کہ سونے والے کی
من الاسلام والردۃ والطلاق	عبارات اسلام - ردت اور طلاق وغیرہ سب
ولم توصف بخبر ولا انشاء	میں باطل ہیں اور اس کی عبارتیں نہ تو خبر اور
وصدق وکذب کالحان الطیور	انشاء سے متصف ہیں اور نہ سچ اور جھوٹ
ومثلہ فی التلویح فہذا	ہے - جیسے پرندوں کی بولیاں اور اسی طرح
صریح فی ان کلام النائم لا	تلویح میں ہے پس اس بیان میں اس
یسمی کلاماً لا لغۃً ولا شرعاً	کی تصریح ہے کہ سونے والے کا کلام نہ تو
بمنزلۃ المہمل اھ (شامی	لغت کے لحاظ سے کلام ہے اور نہ شرع کے
ج ۲ صفحہ ۴۵۹ طبع مصر مطلب طلاق المدہوش)	اعتبار سے بلکہ یہ بمنزلہ مہمل کے ہے -

ملاحظہ فرمایئے کہ سونے والا باقاعدہ بولتا ہے اور سننے والے سنتے ہیں مگر پھر بھی اس کے کلام کو حضرات فقہاء کرام رح نہ لغۃً کلام کہنے کو تیار ہیں اور نہ شرعاً محض اس لئے کہ نیند کی حالت میں آدمی حدیث کے رو سے (رفع القلم عن ثلاثۃ عن النائم حتی یستیقظ الحدیث الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۴ حم - د - ن - ہ - ک - صحیح) مرفوع القلم اور غیر مکلف ہوتا ہے اور چونکہ وہ بے بس و بے اختیار ہے - اس لئے اس کے کلام پر کلام کا اطلاق بھی نہیں ہوتا اور نہ اسلام و ردت اور طلاق وغیرہ کے شرعی اور فقہی احکام اس پر مترتب ہوتے ہیں اور اس کا کلام نہ خبر ہے نہ انشاء اور نہ سچ ہے اور نہ جھوٹ بلکہ اس کو

ایسا سمجھنا چاہیئے جیسے طوطا وغیرہ پرندے بولیاں بولتے ہیں۔ اور قسم کا تو مدار ہی عرف پر ہے۔ کتبِ فقہ، فتاویٰ اور تفاسیر میں اس کی بے شمار جزئیات موجود ہیں۔ صرف بات کو واضح اور مبرہن کرنے کے لئے ہم یہاں چند جزئیات باحوالہ عرض کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ میں آٹا نہیں کھاؤں گا۔ اگر اس نے آٹے سے تیار کی ہوئی روٹی وغیرہ کھالی تو حانث ہوگا اور اگر تکلیف اٹھا کر آٹا ہی پھانک گیا تو حانث نہ ہوگا۔ (قدوری صـ۲۰۲) اور یہ اس لئے کہ عرفِ عام میں آٹا پھانکا نہیں جاتا بلکہ اس کی روٹی کھائی جاتی ہے۔

اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ میں سر نہیں کھاؤں گا تو یہ اس سر پر بولا جائے گا جو عادۃً بازار میں فروخت ہوتا ہے (حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گائے، بھینس، بھیڑ اور بکری کا اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک صرف بھیڑ اور بکری کا سر) اگر کسی نے چڑیا وغیرہ جانور کا سر کھا لیا تو حانث نہ ہوگا۔ (قدوری صـ۲۰۲ و التوضیح والتلویح صـ۱۱۲) اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ چڑیا وغیرہ جانوروں کا سر سر ہی نہیں ہوتا۔ سر تو بہرحال ہوتا ہے مگر عرفِ عام میں وہ بازاروں میں فروخت نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کے استعمال سے حانث نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ بیت (گھر) میں داخل نہ ہوگا۔ اگر وہ بیت اللہ شریف یا مسجد یا گرجا یا کلیسا وغیرہ عبادت خانوں میں

داخل ہو گیا تو حانث نہ ہوگا (قدوری صفہ) اگرچہ حقیقۃً یہ بھی گھر ہی ہیں اور ان کی بھی عموماً دیواریں اور چھتیں ہوتی ہیں اور ان میں بھی بسا اوقات رات گزاری جاتی ہے اور ان میں بھی بیتوتت (یعنی رات گزارنے) کا تحقق ہوتا ہے لیکن عرفِ عام میں ان کو عام اور مطلق بیت نہیں کہتے اس لئے اس سے حنث لازم نہیں آتا۔ اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ میں کلام نہیں کروں گا۔ اس نے اگر نماز شروع کی اور اس میں اس نے قرآن کریم پڑھا تو حانث نہ ہوگا۔ (قدوری صفہ) حالانکہ قرآن کریم بھی کلام ہے مگر اللہ تعالیٰ کا اور عرفِ عام میں اس پر کلام نہیں بولا جاتا۔

اگر کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ اس نے اگر مچھلی کا گوشت کھا لیا تو حانث نہ ہوگا (قدوری صفہ) اگرچہ قرآن کریم میں اس پر لحم کا لفظ بولا گیا ہے (لَحْمًا طَرِيًّا۔ یعنی تازہ گوشت) مگر عرفِ عام میں مطلق لحم اور گوشت کا لفظ اس پر نہیں بولا جاتا۔ اس لئے مچھلی خور اس قسم کی وجہ سے حانث نہ ہوگا۔ کتبِ فقہ و اصول میں یہ مسئلہ بصراحت مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ میں میوہ اور پھل نہیں کھاؤں گا اور اس نے انگور اور انار کھا لئے تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک وہ حانث نہ ہوگا (شرح وقایہ ج ۲ صفہ ۲۲۲، نور الانوار صفہ، والتوضیح والتلویح صفہ) اس لئے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ کی تحقیق میں ان میں تفکہ اور تلذذ سے زائد معنی موجود

ہیں یعنی میوہ تلذذ کے لئے کھایا جاتا ہے اور انگور و انار سے ان کے نزدیک بعض علاقوں میں خوراک اور غذا کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کے کھانے والا حانث نہ ہوگا۔

اگر کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ فلاں عورت سے مجامعت نہیں کرے گا اور اس کو بوسہ نہ دے گا۔ اگر اس عورت کی زندگی میں یہ کار روائی ہوئی تو حانث ہو جائے گا۔ مگر اس عورت کے مرنے کے بعد یہ کار روائی اس سے کی گئی تو حانث نہ ہوگا۔ (فتاویٰ سراجیہ ص۶۸ طبع نولکشور ونحوہ فی جامع الکبیر للامام محمدؒ ص۲۵) اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اس عورت کے رخسار اور شرمگاہ ہی مرنے کے بعد غائب ہو گئی ہے اور بوسہ و مجامعت کا تحقق ہی نہیں ہوا مگر چونکہ عرف عام میں یہ کار روائی زندہ سے مراد لی جاتی ہے لہٰذا مردہ کے ساتھ اس کار روائی سے حنث لازم نہ ہوگا۔

اگر کسی نے یہ قسم اٹھائی کہ میتہ (بے ذبح کیا ہوا جانور) نہیں کھاؤں گا۔ اور اس نے مچھلی اور مکڑی کھالی تو حانث نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ قسم اٹھائی کہ میں دم (خون) نہیں کھاؤں گا اور اس نے جگر اور تلی کھالی تو حانث نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ قسم اٹھائی کہ میں دابہ (جانور) پر سوار نہیں ہوں گا اور وہ کافر پر سوار ہو گیا تو حانث نہ ہوگا۔ حالانکہ حدیث میں مچھلی و مکڑی پر میتہ اور جگر و تلی پر دم کا اطلاق ہوا ہے۔

(اُحِلَّ لنا الميتتان والدمان فاما الميتتان فالحوت والجراد واما الدمان فالكبد والطحال ه۔ لک۔ حق من ابن عمرؓ صحیح الجامع الصغیر ج طبع مصر)

اور کفار کے بارے میں قرآن کریم میں آتا ہے۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (تفسیر کشاف ج ۱ ص۲۱۵ طبع مصر) یعنی بدترین جانور اللہ تعالٰی کے نزدیک کافر ہیں)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح لکھتے ہیں کہ:۔ "پھر الاشباہ والنظائر میں عرف اور شرع میں باہم تعارض ہونے کے بارے میں لکھا ہے کہ جب عرف اور شرع میں باہم تعارض ہووے تو استعمال کے بارے میں جو عرف ہوگا وہی مقدم سمجھا جاوے گا خصوصاً قسم کے مسائل میں۔ مثلاً جب کسی شخص نے قسم کھا کر کہا کہ فرش پر نہ بیٹھوں گا یا یہ کہا کہ بساط پر نہ بیٹھوں گا یا یہ کہا کہ سراج (چراغ) کی روشنی سے فائدہ نہ اٹھاوں گا تو وہ شخص اس صورت میں حانث نہ ہوگا کہ زمین پر بیٹھے اور نہ اس صورت میں حانث ہوگا کہ آفتاب کی روشنی سے فائدہ اٹھائے۔ اگرچہ اللہ تعالٰی نے قرآن شریف میں زمین کو فرش اور بساط فرمایا ہے اور سراج کا لفظ شمس کے معنی میں ارشاد فرمایا ہے اور اگر کسی شخص نے قسم کھا کر کہا کہ گوشت نہ کھاؤں گا تو مچھلی کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا اگرچہ اللہ تعالٰی نے قرآن شریف میں لحم کا لفظ مچھلی کے گوشت کے معنی میں ارشاد فرمایا ہے۔ اگر کسی شخص نے قسم کھا کر کہا کہ دابہ پر سوار نہ ہوگا تو اس صورت

میں حانث نہ ہوگا کہ مثلاً پالکی پر سوار ہو وے اور وہ پالکی کفار سے ہو۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو دابہ ارشاد فرمایا ہے۔ اور اگر قسم کھائی کہ سقف (چھت) کے نیچے نہ بیٹھوں گا اور اس کے بعد آسمان کے نیچے بیٹھا تو حانث نہ ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو سقف ارشاد فرمایا ہے۔ انتہیٰ (فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۲۷۹ مترجم اردو و اصل فارسی ج ۲ ص ۱۲۹ طبع مجتبائی دہلی)۔

اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا اور اس نے شوربا کھالیا یا مچھلی کھائی تو حانث نہ ہوگا۔ ہاں مگر جب نیت کرے تو الگ بات ہے اور اگر اس نے قسم اٹھائی کہ دابہ پر سوار نہیں ہوگا یا میخ اور کیل پر نہ بیٹھے گا اور وہ پہاڑ پر جا بیٹھا تو حانث نہ ہوگا۔ حالانکہ قرآن کریم میں مچھلی پر گوشت کا، کافر پر دابہ کا اور پہاڑوں پر کیلوں (وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا) کا اطلاق ہوا ہے اور یہ نہ حانث ہونا عرف کی وجہ سے ہے۔ (رسائل ابن عابدین ص ۲۳ طبع مصر)

الحاصل کتب فقہ و فتاویٰ و اصول و تفسیر وغیرہ میں قسم کے سلسلہ میں عرف عام کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اسے نظر انداز نہیں کیا گیا لہٰذا فقہ کی اس جزئی سے مطلقاً سماع موتیٰ کی نفی پر استدلال قطعاً صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ خود ماۃ مسائل میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ مردے سلام کہنے والوں کا سلام سنتے ہیں اور یہ حوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اگر ماتہ مسائل میں پیش اور نقل کردہ ان فقہی حوالوں سے ان کے نزدیک مطلقاً

سماعِ موتیٰ کی نفی مراد ہوتی تو پھر مُردے کے کلام سُننے کا کیا مطلب ہے؟
لہٰذا حضرت ملا علی بن القاری رح علامہ داوٗد بن سلیمان البغدادی رح، مولانا
عبدالحی صاحبؒ، حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا
عثمانی رح وغیرہ حضرات کا یہ کہنا بے جا نہیں کہ فقہ کے اس جزئیہ سے
سماعِ موتیٰ کی نفی نہیں ہوتی اور یہ سب حضرات خود فی الجملہ سماعِ موتیٰ
کے قائل ہیں اور یہ سب حضرات محقق حنفی ہیں اور موخرالذکر دونوں
بزرگ علماءِ دیوبند میں بلند پایہ شخصیتیں ہیں۔

ایک مغالطہ اور اُس کا جواب

مؤلف اقامۃ البرہان (دیکھئے ص۵، ص۶) وغیرہ نے ہدایہ، فتح القدیر،
بنایہ، طحطاوی اور مبسوط (ج۲ وص۹۰) کی ایک عبارت سے عدمِ سماعِ موتیٰ
پر استدلال کیا ہے۔ واللفظ للآخر

فان المقصود من الکلام الافہام — کیونکہ کلام سے مقصود افہام ہے اور یہ موت
وذلک لایحصل بعد الموت — کے بعد حاصل نہیں ہوتا۔

الجواب: اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میت سرے سے علم و فہم اور
ادراک و شعور ہی سے محروم ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ جو منکرین
سماعِ موتیٰ میں پیش پیش سمجھی جاتی ہیں۔ مُردوں کے لئے علم و فہم تو وہ بھی
ثابت کرتی ہیں۔ جیسا کہ بخاری وغیرہ کے حوالے سے اس کی تصریح گزر چکی ہے۔

اور اگر سچ مچ مردوں میں فہم و شعور نہیں ہوتا تو پھر وہ نکیرین کے سوالات کو کیسے سمجھتے ہیں؟ اور پھر بلا فہم و شعور ان کو جواب کیسے دیتے ہیں؟ اور پھر ان غیر شعوری جوابات کا عند اللہ تعالیٰ اعتبار کیوں کیا جاتا ہے؟ اور پھر ان جوابات پر راحت و عذاب کیسے مترتب ہے اور پھر فہم و شعور کے بغیر وہ اس راحت و عذاب کا ادراک کیسے کرتے ہیں؟ اور پھر زندوں کا سلام سن کر ان کو جواب کیسے دیتے ہیں؟ (جس کی صحیح احادیث سے پوری بحث پہلے گزر چکی ہے) اور جب زندوں کے بعض اعمال ان پر پیش کئے جاتے ہیں تو اچھے کاموں سے وہ خوش ہوتے ہیں اور برے کاموں پر ان کے لئے وہ دعائیں کرتے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ غیر شعوری طور پر ہی ان سے صادر ہوتا ہے؟ اس نظریہ کے پیش نظر تو راحت و عذاب قبر کی جملہ احادیث پر اور کتب عقائد میں اہل السنت والجماعت کی طرف سے پیش کردہ تمام عقلی اور نقلی دلائل پر پانی پھر جاتا ہے۔ کون عقلمند اس نکمی بات کو تسلیم کر سکتا ہے؟ الغرض بقول حضرت شاہ عبد العزیز صاحب مردوں کے ادراک و شعور کا انکار اگر کفر نہیں تو اس کے الحاد ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے (عبارت ان کی پہلے عرض کی جا چکی ہے) کتب فقہ کی اس عبارت اور جزئیہ کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تکلیفی زندگی کی طرح جس پر عادۃً کوئی نتیجہ مرتب ہوتا ہے، مردوں میں اس قسم کا

افہام وتفہیم نہیں اور عرفِ عام کے لحاظ سے کلام کا جو مقصود ہے وہ اس سے حاصل نہیں ہوتا۔ حافظ ابن الہمام رح (صاحب فتح القدیر) اور علامہ عینی رح (صاحب بنایہ) کی عبارتیں پہلے گزر چکی ہیں کہ وہ فی الجملہ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں۔ پھر ان کی عبارات کی ان کی مرضی کے خلاف توجیہ کرنا توجیہ الکلام بما لا یرضی بہ قائلہ کا مصداق ہے۔ اور حافظ ابن الہمام رح نے علم کلام کی کتاب المسایرہ میں میت کے فہم اور ادراک کا اثبات کیا ہے (ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۱۱۱ مع المسایرہ طبع مصر)۔

عدمِ سماعِ موتیٰ کی ایک اور دلیل

مؤلف شفاء الصدور (ص ۵۸) میں اور صاحب تسکین الصدور (ص ۷۱ میں) لکھتے ہیں: ولا نزاع فی ان المیت لا یسمع (شرح مقاصد ص ۲۳ ج ۲ بحوالہ البصائر ص ۳۲) اس میں کوئی نزاع نہیں کہ میت نہیں سنتی۔ پھر حنفیہ کرام کے یہ اصحاب فتاویٰ۔ البحر الرائق۔ الظہیریہ۔ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح، الجوہرہ، جامع الرموز، معراج الدرایہ، فتاویٰ قاضیخان، اور نہر الفائق سب اس پر متفق ہیں کہ امام سلام پھیرتے وقت نماز جنازہ سے میت کو سلام دینے کا ارادہ نہ کرے اس لئے کہ وہ اس کا اہل نہیں یعنی سنتا نہیں۔ البصائر ص ۴۳ انتہیٰ بلفظہ۔

الجواب: فقہ کے اس جزئیہ سے عدمِ سماعِ موتیٰ پر استدلال صحیح نہیں

ہے۔ اولاً اس لئے کہ میت کو سلام میں مراد لینے اور نہ لینے کا مسئلہ خود حضرات فقہاء احناف رح میں اختلافی ہے چنانچہ علامہ ابن نجیم المصری الحنفی رح لکھتے ہیں کہ:-

ولم یبین المنوی بالتسلیمتین للاختلاف ففی التبیین و فتح القدیر ینوی بھما المیت مع القوم وفی الظھیریۃ ولا ینوی الامام المیت فی تسلیمتی الجنازۃ بل ینوی من عن یمینہ فی التسلیمۃ الاولیٰ ومن عن یسارہ فی التسلیمۃ الثانیۃ اھ وھو الظاھر لان المیت لا یخاطب بالسلام علیہ حتی ینوی بہ اذ المیت لیس اھلاً لہ الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۷ طبع مصر)

دونوں سلاموں میں جس کو مراد لیا جائے اس کا ذکر انھوں نے نہیں کیا اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے تبیین اور فتح القدیر میں ہے کہ ان دونوں سلاموں میں قوم کے ساتھ میت کو بھی مراد لے اور ظہیریہ میں ہے کہ امام جنازہ کے دونوں سلاموں میں میت کی نیت نہ کرے بلکہ دائیں اور بائیں طرف کے سلام میں انھیں لوگوں کی نیت کرے جو اس کے دائیں اور بائیں ہیں اور ظاہر بات بھی یہی ہے کیونکہ (وہ کفنی) سلام کا میت اہل ہی نہیں لہذا اس کو سلام اور خطاب کرنا کیسا؟

اور حافظ ابن الہمام رح لکھتے ہیں کہ:-

وینوی بالتسلیمتین المیت

کہ امام دونوں سلاموں میں قوم کے

ساتھ میت کی نیت بھی کرے۔ (مع الفوائد البہیہ، فتح القدیر ج ۱ طبع مصر)

جب یہ مسئلہ خود حضرات فقہاء احناف رح میں اختلافی ہے تو اس سے بلا اختلاف بتائے استدلال کرنا کون سی علمی خدمت ہے؟ حیرت ہے ان بزرگوں پر جو فقہ کی بہت سی کتابوں کا نام لکھ کر عوام کو یہ باور کرا رہے ہیں بلکہ مغالطہ دے رہے ہیں کہ یہ جزئیہ متفق علیہا ہے۔ الغرض جہاں سلام میں میت کی نیت نہ کرنے والے حضرات موجود ہیں، وہاں حافظ ابن الہمام رح جیسے محقق میت کو نیت میں مراد لینے والے بھی موجود ہیں۔ علاوہ ازیں اس جزئیہ کے اختلافی ہونے کے باوجود اس کو غیر مسلّم کہنے والے بھی موجود ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین الشامی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ:-

وقوله هنا اذ المیت لیس اهلاً له غیر مسلّم وسیأتی ما ورد فی اهل المقبرة السلام علیکم دار قوم مؤمنین وتعلیمه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم السلام علی الموتیٰ (منحة الخالق ج ۲ ص ۱۰۳ طبع مصر)

ابن نجیم رح کا اس مقام پر یہ کہنا کہ میت سلام کی اہل نہیں، مسلّم نہیں ہے اور عنقریب اہلِ قبور کے بارے جو وارد ہوا ہے آ رہا ہے کہ ان کو السلام علیکم دار قوم مؤمنین کے الفاظ سے سلام کہا جائے اور آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (امت کو) مُردوں پر سلام کہنے

کی تعلیم بھی دی ہے۔

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ علامہ شامی رح نے اس امر کا صاف انکار کیا ہے کہ میت سلام کی اہل نہیں اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ علامہ شامی رح بھی فی الجملہ سماع موتیٰ کے قائل ہیں۔ لہٰذا مؤلف شفاء الصدور کا ص٨ میں اور ندائے حق ص٢٣٥ میں علامہ شامی رح کو منکرین سماع موتیٰ میں شامل کرنا قطعاً غلط ہے۔

وثانیاً اس لئے کہ ان عبارات میں "اہل نہیں" کا یہ مطلب نہیں کہ میت سُنتی نہیں بلکہ یہاں حضرات فقہاء کرام رح کا مطمح نظر ہی اور ہے قاضی خان کی عبارت یہ ہے:-

ولا ینوی الامام المیت فی تسلیمتی الجنازة بل ینوی من عن یمینہ بالتسلیمة الاولیٰ ومن عن یسارہ بالتسلیمة الثانیة انتہٰی (فتاویٰ قاضی خان ج۱ طبع نولکشور)	اور جنازہ کے دونوں سلاموں میں امام میت کا ارادہ نہ کرے بلکہ پہلے سلام میں ان لوگوں کا ارادہ کرے جو اس کے دائیں طرف ہیں اور دوسرے سلام میں ان کی نیت کرے جو اس کی بائیں جانب ہیں

اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ پہلے سلام کو بائیں طرف والے اور دوسرے سلام کو دائیں طرف والے نہیں سُنتے بلکہ مقصد یہ ہے کہ پہلے سلام کے دائیں طرف والے اہل اور مستحق ہیں اور دوسرے سلام کے بائیں جانب

والے اور اسی طرح جامع الرموز ج۱ ص۲۲ میں لکھا ہے کہ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت امام ان انسانوں اور جنوں کی نیت کرے جو اس کی دائیں جانب ہیں اور بائیں طرف سلام میں بائیں طرف کے انسانوں اور جنوں کی نیت کرے اور کافی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ امام ہمارے زمانہ میں سلام میں عورتوں کی نیت ہی نہ کرے اور یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ سلام میں فاسقو کی نیت نہ کرے۔ اور یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ پہلے سلام میں حاضرین کی نیت کرے اور دُوسرے سلام میں تمام انسانوں اور جنوں کی نیت کرے اور ج ا ص۲۳ میں یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ بعض کے نزدیک منفرد تمام انسانو کی نیت کرے (ملخصۂ) ان عبارات میں اس کا کہ امام سلام پھیرتے وقت عورتوں اور فاسقوں کی نیت نہ کرے، یہ مطلب تو یقیناً نہیں کہ عورتیں اور فاسق سلام سُنتے ہی نہیں۔ اور اسی معنیٰ میں وہ اہل نہیں کہ وُہ سُننے سے قاصر ہیں بلکہ مُراد یہ ہے کہ عورتیں جو عموماً مبداء فساد ہیں (مشہور مقولہ ہے کہ مبداء فساد تین چیزیں ہیں۔ زن۔ زر۔ زمین۔) اور فاسق جو رب تعالیٰ کے نافرمان ہیں، اس سلام کے اہل اور مستحق نہیں ہیں۔ اسی طرح جو شخص وفات پا چکا ہے اس کے لئے بعد از موت دُنیا کی تکالیف اور مصائب سے سلامتی کی دُعا کا کیا معنیٰ؟ چونکہ زندہ انسان کو اس تکلیفی زندگی میں طرح طرح کے مصائب پیش آتے رہتے ہیں اس لئے اس کے حق میں سلام

کرنا اور سلامتی کی دُعا کرنا درست ہے اور وہ اس کا اہل و مستحق ہے بخلاف میت کے۔ پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جامع الرموز میں ایک قول یہ بھی تو نقل کیا گیا ہے کہ منفرد بعض حضرات فقہاء کے نزدیک سلام پھیرتے وقت تمام انسانوں کو مُراد لے (یعنوی جمیع الناس) کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ تمام انسان اس کے سلام کو سُنتے ہیں اور اس معنی میں وہ اس کے اہل ہیں لہٰذا وہ ان بعض حضرات فقہاء کرام کے نزدیک سلام میں سب کی نیت کرے؟ کون عقلمند یہ معنی مُراد لے سکتا ہے؟

وثالثاً اس لئے کہ کتبِ فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ بعض اوقات ایسے لوگوں کو بھی سلام کہنا مکروہ ہے جو باقاعدہ سُنتے ہیں۔ امام صدر الدین الغزی الحنفی رح کا عربی قصیدہ جو سلامک مکروہ علی من ستسمع سے شروع ہوتا ہے درمختار (ج ۱ صلاہ طبع مصر) میں منقول ہے جس میں تقریباً بیس اشخاص ایسے بتائے ہیں جنھیں سرے سے سلام کہنا ہی مکروہ ہے جن میں نمازی، مؤذن، محدث، خطیب، اقامت کہنے والا، اجنبی عورتیں، شطرنج کھیلنے والا اور قضائے حاجت میں مصروف وغیرہ اشخاص مذکور ہیں، اور فتاویٰ سراجیہ صلاہ میں ہے کہ حمام میں سلام نہ کہے، اور فتاویٰ قاضی خان ج ۴ صلاہ میں ہے کہ جو لوگ خطبہ سُن رہے ہوں ان کو بھی سلام نہ کہے۔ اگر کسی نے سلام کیا تو سامعین پر ردِ سلام واجب نہیں

ان فقہی احکام کا یہ مقصد تو ہرگز نہیں کہ یہ تمام لوگ کانوں سے بہرے ہوتے ہیں اور سلام نہیں سُنا کرتے، اس لئے ان کو سلام نہیں کہنا چاہیئے سلام نہ کہنے یا سلام کہہ کر کسی کی سلام میں نیت نہ کرنے سے یہ کیوں کر ثابت ہوا کہ وہ سُنتا نہیں؟

ورابعاً اس لئے کہ حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں مُسلمان، بُت پرست اور یہودی وغیرہ تھے اور ان میں رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بھی تھا۔ آپ نے اُنھیں سلام کہا۔ (محصلہ بخاری ج ۲ ص ۹۲۳) اس حدیث کی شرح کے فوائد میں علامہ قسطلانیؒ (وغیرہ شراح حدیث) لکھتے ہیں کہ:-

فیہ انہ یسلم بلفظ التعمیم ویقصد بہ المسلم (حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۹۲۳)	اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سلام تو عام لفظ سے کہے لیکن قصد اور نیت صرف مُسلمان کی کرے۔

کون یہ باطل اور بے بنیاد دعویٰ کرسکتا ہے کہ مُشرک، یہودی اور بُت پرست وغیرہ کفار اس لئے سلام کے اہل نہیں کہ وہ سُنتے نہیں؟ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ نافرمان امن اور سلامتی کی دُعا کے اہل و مستحق نہیں ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ بلا ضرورت و مجبوری ان کو ابتداءً سلام کہنا درست نہیں ہے الخ

سماع کی اہلیت وابستہ ہے۔ اور جب اس کو قبر میں دفن کر لیا جاتا ہے تو صحیح حدیث کے رو سے اس کی طرف اس کی روح لوٹائی جاتی ہے اور اس کو ایک گونہ حیات حاصل ہو جاتی ہے (تسکین الصدور ملاحظہ کریں) لہٰذا اب وہ سنتا ہے جیسا کہ صحیح روایات اور فقہاء کرام اور محدثین عظام رحمہم اللہ کے حوالے اس پر پہلے عرض کر دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا قبل از دفن کی حالت پر بعد از دفن کی حالت کو قیاس کر کے مطلق سماع موتی کی نفی کرنا دلائل اور براہین کے لحاظ سے ہرگز درست اور صحیح نہیں ہے اور فقہ کا یہ جزئیہ بھی نہ عدم سماع موتی کا مثبت ہے اور نہ مؤید جیسا کہ کسی بھی ذی فہم و علم سے یہ مخفی نہیں ہے۔

شرح مقاصد کا حوالہ

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

واما قولہ تعالٰی وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ فتمثیل لحال الکفرۃ بحال الموتٰی ولا نزاع فی ان المیت لا یسمع (شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۲۱ طبع محرم آفندی ترکی)	کہ بہرحال اللہ تعالٰے کا ارشاد کہ اور تو نہیں سنا سکتا ان کو جو قبروں میں ہیں تو اس میں کافروں کے حال کو مُردوں کے حال سے مثال دی گئی ہے اور کوئی نزاع نہیں کہ مُردے نہیں سنتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مُردہ نہیں سنتا اور یہ عدم سماع کا مسئلہ اتفاقی

ہے' اختلافی اور نزاعی نہیں ہے۔

الجواب: اس عبارت سے استدلال کرنے والوں نے دھوکہ کھایا ہے اور مغالطہ دیا ہے جس سے ان کا مقصد کسی طرح بھی پورا نہیں ہوتا اور سوء فہم سے انہوں نے شرح مقاصد کا مطلب نہیں سمجھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ علامہ تفتازانیؒ نے متن (مقاصد الطالبین) میں یہ عنوان قائم کیا ہے کہ المبحث السادس سوال القبر وعذابه حق الخ یعنی سمعیات کے سلسلہ کی چھٹی بحث یہ ہے کہ قبر میں (فرشتوں کا) سوال اور عذاب قبر حق ہے۔ پھر اس کی شرح (شرح المقاصد) میں یہ تحریر فرمایا ہے

اتفق الاسلاميون على حقية سؤال منكر ونكير وعذاب الكفار وبعض العصاة فيه ونسب خلافه الى بعض المعتزلة الى قوله لنا الآيات الى قوله والاحاديث المتواترة الى قوله تمسك المنكرون بالسمع والعقل اما السمع الى قوله ولا نزاع في ان الميت لا يسمع واما العقل الى قوله والجواب اجمالا الى قوله وتفصيلا الخ

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قبر میں منکر اور نکیر (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کا سوال اور تمام کفار اور بعض گنہگاروں پر قبر میں عذاب حق ہے اور اس میں بعض معتزلہ کی طرف اختلاف نقل کیا گیا ہے۔ (پھر اس کی تشریح کی) آگے فرمایا ہمارے دلائل میں قرآن کریم کی آیات ہیں (اور بعض آیات کا حوالہ دیا) پھر آگے فرمایا اور احادیث متواترہ بھی ہیں (پھر ان میں سے بعض کا ذکر فرمایا) پھر آگے فرمایا اور منکروں نے دلیل سمعی اور دلیل عقلی سے استدلال کیا ہے۔ بہرحال دلیل سمعی یہ ہے (پھر

اس کی خاصی تفصیل بیان کی جس کے
آخر میں یہ بھی ہے ولا نزاع فی
ان المیت لا یسمع پھر ان کی
عقلی دلیل نقل کی پھر فرمایا کہ معتزلہ کی
سمعی اور عقلی دلیل کا اجمالی جواب یہ
ہے پھر فرمایا۔ تفصیلی جواب یہ ہے۔
پھر آگے اجمالی اور تفصیلی جواب کی
تشریح کی۔

مقاصد اور شرح مقاصد کی مفصل عبارت کا جو تقریباً دو صفحوں میں چھپی ہوئی ہے' یہ نہایت ہی مختصر خلاصہ ہے۔ سماع موتی کے منکرین نے سوءِ فہم سے ولا نزاع فی ان المیت لا یسمع کو اپنی دلیل سمجھ لیا ہے کہ عدم سماع موتی اتفاقی مسئلہ ہے حالانکہ یہ جملہ معتزلہ کی سمعی دلیل کا جز ہے اور اس کا تتمہ ہے جس کو نقل کرکے آگے علامہ تفتازانیؒ نے ان کی سمعی اور عقلی دلیل کا اجمالاً" اور تفصیلاً" خوب رد کیا ہے مگر منکرین سماع موتی نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ' معتزلہ کے اس جملہ کو اچک کر اپنی دلیل بنا ڈالا اور پھولے نہیں سماتے کہ ہم نے علم کلام کی معتبر کتاب سے مفید مطلب حوالہ ڈھونڈ نکالا ہے
مگر

تم جو دیتے ہو نوشتہ وہ نوشتہ کیا ہے
جس میں ایک حرف وفا بھی کہیں مذکور نہیں

تعلق ما بالبدن بالتربة التي دفنت فيها فاذا زار الحي تلك التربة وتوجهت تلقاء نفس الميت حصل بين النفسين ملاقاة وافاضات انتهى (شرح مقاصد ج ۲ ص ۴۳)

ہونے کے بعد بھی ایک گونہ تعلق بدن سے ہوتا ہے اور اس مٹی سے بھی ہوتا ہے جس میں میت دفن کی جاتی ہے۔ جب زندہ قبر کی زیارت کے لئے آتا ہے اور اس کی روح کی میت کی روح کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو دونوں روحوں میں ملاقات اور افاضات حاصل ہوتے ہیں۔

یہ بات تو اونچے طبقے کے حضرات صوفیاء ہی جان سکتے ہیں کہ قبور سے یہ فیض کیسے حاصل ہوتا ہے؟ ہم لوگ اس کے اہل نہیں ہیں لیکن اصولاً ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے اور یہ ممکن ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ فیض الباری ج ۲ ص ۴۳۲ وغیرہ)

اس عبارت سے یہ بات بالکل عیاں ہو گئی کہ روح کا جسم اور قبر سے ایک گونہ تعلق ضرور رہتا ہے اور زیارت کنندہ کی زیارت سے میت کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور اہل زیارت کنندہ بھی افاضات سے جھولی بھر کے جاتا ہے۔ یہ سب کچھ تسلیم کرتے ہوئے کلیتہً سماع کا انکار کیسے درست ہے؟ ہاں یہ بات گزر چکی ہے کہ سماع نافع اور سماع قبول نہیں ہوتا اور اس پر سب کا اتفاق ہے

ایک مغالطہ

مؤلف ندائے حق اس مغالطہ کا شکار ہیں کہ قبور کے پاس قریب سے دعائیں درخواست کرنا بھی شرک ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

نقل یا تصحیح ہے؟

آپ کے نزدیک یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ کسی عالم کا کسی بات کو نقل کر دینا ہی اس کی تصحیح ہے تو آپ خود بہت جلد پھنس جائیں گے۔ دیکھئے حضرت شیخ نے تفسیر بے نظیر صفحہ ۲۴۲ میں بحوالہ ابن تیمیہؒ کہا ہے وہ لوگ جو انبیاء اور صالحین کو بعد وفات کے قریب سے پکارتے ہیں وہ بھی مشرک ہیں۔

او استفتاء اب کیا فرماتے ہیں مولوی برادران اس بارے میں کہ جو شخص انبیاء کو خصوصاً نبی اکرم صلعم کو قبر کے پاس جا کر پکارتا ہے اور کہتا ہے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ادع اللہ لی یا رسول اسئلک الشفاعۃ واتوسل بک الی اللہ فی ان اموت مسلمًا علی ملتک وسنتک السلام علیک یا رسول اللہ من فلاں بن فلاں (بین السطور لکھتے ہیں جو علم غیب بھی ثابت ہو گیا بلفظہ۔ نہ معلوم کسی کا سلام پہنچنے سے علم غیب کیسے ثابت ہو گیا۔ مقصد) یستشفع بک الی ربک وغیر ذلک آیا وہ مشرک ہے یا نہ؟ حضرت مولانا حسین علی رح نے تو امام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ مشرک ہیں گویا ان حضرت صاحب نے اپنی کتاب میں نقل فرما کر اس کو صحیح سمجھا۔ پھر صاحب تسکین کے متعلق کیا فتویٰ ہے جو اس شرک کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں اور وہاں قبر پر جا کر شد رحال سے پکار کر حضور سے

دعا کرلو حضور سے سفارش کرلو اور دوسروں کا نام لے کر کہو کہ فلاں بندہ فلاں کا بیٹا آپ کو سلام کہتا ہے پھر صرف حضور کو نہ پکارو بلکہ ان کے ساتھی ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھی پکار پکار کر کہو اے ابابکر! اے عمرؓ! حضور کو تم ہی ہماری بات کہو کہ ہماری سفارش کریں اور ہمارے حق میں اللہ سے دعا مانگیں کہ اللہ ہماری سعی قبول فرمائے اور ہمیں اپنے دین پر زندہ رکھے اور دین پر مارے اور اسی زمرے میں ہمیں اٹھائے پھر کہے، الشفاعۃ، الشفاعۃ، الشفاعۃ یا رسول اللہ۔ وغیرہ وغیرہ بتاؤ ان کو مشرک کہیں یا نہ؟ اگر مشرک نہ کہیں تو صاحب تسکین کا قاعدہ کلیہ ٹوٹ جائے گا اگر مشرک کہیں تو صاحب تسکین اور اس کے اتباع اس فتویٰ سے مستثنیٰ ہیں۔ اگر ہیں تو کس قاعدے کے تحت مستثنیٰ ہیں بینوا توجروا۔ نیز جو شخص بہاول حق یا معین الدین اجمیری یا داتا گنج بخش یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہم اللہ کو دور و نزدیک سے پکارے وہ مشرک ہے یا نہ؟ اگر مشرک ہے تو اس میں کیا فرق ہے کہ نبی کریمؐ اور ابوبکر و عمر کو پکارے تو موحد اگر ان تین کے علاوہ اوروں کو پکارے تو مشرک؟ کیا نزدیک دور کا فرق کرتے ہو؟ اگر یہی ہے تو پھر فرمایئے کہ جو حضرت اسمٰعیلؒ کی مزار پر کھڑے ہو کر یا فلاں بزرگ کی قبر پر کھڑے ہو کر پکارے اور دعا مانگے کہ خدا پاک سے میرے حق میں سوال کرو کہ میرا فلاں کام ہو جائے یہ شرک تھا یا نہ؟ اگر شرک نہیں تھا تو خدا نے والذین تدعون من دون اللہ کے ساتھ من بعید کی قید کیوں نہیں لگائی؟ بینوا توجروا۔ سائل حق [illegible]

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی سطحی فہم کی واضح دلیل ہے اور محض ہوائی قلعہ ہے۔ اولاً اس لئے کہ کسی عالم کا کسی کے قول کو نقل کرنا اور اس کا کہیں

بھی دو نہ کرنا ہمارے اس وقت استدلال واحتجاج کرنا ہے حقیقتہً اس کی قبر سے تصحیح ہو یہ کس چیز کا نام ہے؟ وثالثاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہوکر سفارش کی التجاء اور دعا کرانا اور بسیطرح حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے ایسا عرض کرنا اگر شرک نہ تو اور لاالفضل سے ہے کرنا ددر عالمگیری ج ۔ معتبر کتب حنفیہ میں اسکی اجازت ہرگز منقول اور حضرت گنگوہی ج جیسے قطب وقت اور فقیہ النفس بزرگ جو اپنے وقت میں موحدین کے مرجع تھے اس کی ہرگز اجازت نہ دیتے۔ اس کے کچھ ضروری حوالے اسی پیش نظر کتاب میں عرض کئے جاچکے ہیں اور مزید تفصیل تسکین الصدور طبع دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔ سواتی برادران بھی اسی کے داعی ہیں جس کے یہ تمام ذمہ دار حضرات داعی ہیں۔ سواتی برادران بھی صرف اسی فتوے کے مستحق ہیں جو ان اکابر پر لگے گا وثالثاً قریب سے پکارنا صرف اس صورت میں شرک ہے جب مردہ سے مراد مانگی جائے جیسا کہ فتاوی رشیدیہ وغیرہ کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے ان سے دعا کرانا شرک نہیں ہے حضرت مولانا حسین علی صاحب حافظ ابن تیمیہ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

لا یجوز لاحد ان یستغیث باحد	کسی کے لیے جائز نہیں کہ غائب اور مردہ
من المشائخ الغائبین ولا المیتین	بزرگوں سے مدد طلب کرے مثلاً یہ کہے
مثل ان یقول یا سیدی فلاں اغثنی	کہ اے میرے فلاں سردار آپ میری مدد
وانصرنی وادفع عنی او انا فی حسبک	کریں اور آپ میری نصرت فرمائیں اور مجھ

ونحو ذلك بل كل هذا من الشرك الذي حرمه الله ورسوله وتحريمه مما يعلم بالاضطرار من دين الاسلام الخ (القاعدة الجليلة ص ۱۵۳ بلغة الحیران ص ۳۰۶)

سے تکلیف دور کریں بائے کریں آپ کی نگرانی میں ہوں اور اسی کی مانند اور الفاظ کہے یہ شرک کی اس حد میں ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور اس کا حرام ہونا دین اسلام (کے قطعی دلائل اور یقینی براہین) سے بالاضطرار معلوم ہے۔

اور خود حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ فرماتے ہیں۔ اور دعا کا معنی عبادت نہیں ہے بلکہ حاصل معنی بیان کرتے ہیں اور لفظ عبادت کہہ دیتے ہیں یعنی دعا سے مراد پکارنا غائبانہ ہے اور فادعوا اللہ کا معنی عبادت والا حاصل معنی ہے کیونکہ مطلق پکار تو منع نہیں ہے۔ (بلغۃ الحیران ص ۳۰) نیز فرماتے ہیں یعنی سوائے حق تعالیٰ کے غائبانہ حاجات میں نہ پکارو۔ اور اسی پر محدثین فقہاء کا اتفاق ہے اور اس پر اجماع امت ہے (بلغۃ الحیران ص ۲۰۸)

الغرض حافظ ابن تیمیہؒ نے جس چیز کو شرک کہا ہے وہ میت سے مراد مانگنا ہے اور اس کے شرک ہونے میں کوئی شک نہیں اور حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ نے مطلق پکار سے منع نہیں کیا بلکہ غائبانہ پکار سے منع کیا ہے اور اسی پر انھوں نے محدثین فقہاء کا اتفاق اور امت کا اجماع نقل کیا ہے لہٰذا قریب و بعید کا فرق نہ کرنا سراسر باطل ہے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی بت یا بعض

انبیاء یا فرشتے جن کو تم خدا سمجھ کر پرستش کرتے ہو۔ اگر مصیبت کے وقت پکارو گے تو اوّلا یہ تمھاری بات سُن ہی نہ سکیں گے کیونکہ بتوں میں تو سُننے کی صلاحیت ہے ہی نہیں۔ انبیاء اور فرشتوں میں اگرچہ صلاحیت ہے مگر وہ نہ ہر جگہ موجود ہیں نہ ہر ایک کے کلام کو سُنتے ہیں۔ آگے فرمایا اگر بالفرض وہ سُن بھی لیں جیسے فرشتے اور انبیاء تو پھر بھی وہ تمھاری درخواست پوری نہ کریں گے کیونکہ ان کو خود قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اُس سے کسی کی سفارش نہیں کر سکتے الخ۔ (تفسیر معارف القرآن جلد ہفتم ص ۳۲۹)

غرضیکہ پکار میں قرب و بُعد کا فرق ایک واضح حقیقت ہے اور حضرت مفتی صاحب نے بھی اس کو نظر انداز نہیں کیا۔

خاتمہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت مفتیٔ اعظم کی ہی ایک عبارت پر سماع موتیٰ کے اس رسالہ کو ختم کر دیں چنانچہ وہ سورۂ نمل میں اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کی تفسیر میں یہ لکھنے کے بعد کہ اس سماع سے سماعِ نافع مُراد ہے یعنی نفی سماعِ نافع کی ہے، تحریر فرماتے ہیں اِس لئے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مُردے کوئی کلام کسی کا سُن ہی نہیں سکتے۔ اس لئے سماعِ موتیٰ کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابلِ نظر ہے کہ مُردے کسی کا کلام سُن سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ سماعِ اموات یہ مسئلہ کہ مُردے کوئی کلام سُن سکتے ہیں یا نہیں۔ ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام رضؓ کا باہم اختلاف رہا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سماعِ موتیٰ کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت اُمّ المومنین صدیقہ

عائشہ رضی اس کی نفی کرتی ہیں اسی لئے دوسرے صحابہ و تابعین میں بھی دو گروہ ہوگئے۔ بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے اور قرآن کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورۂ نمل میں آیا ہے، دوسرے سورۂ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورۂ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے:۔ وَمَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ۔ یعنی آپ اُن لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں۔ ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابلِ نظر ہے کہ ان میں کسی میں یہ نہیں فرمایا کہ مُردے نہیں سن سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ تینوں میں اسی تعبیر و عنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مُردوں میں سُننے کی صلاحیت ہوسکتی ہے مگر ہم باختیار خود ان کو نہیں سُنا سکتے۔ اھ (تفسیر معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۵۹۱) اس کے بعد انہوں نے صفحہ ۵۹۱، صفحہ ۵۹۲ میں اس مسئلہ پر خاصی تفصیلی بحث کی ہے۔ اہلِ ذوق حضرات اس کا مطالعہ فرمائیں۔

سرِ دست ہم ان ہی دلائل اور حوالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر ان شاء اللہ العزیز طبع جدید میں مزید وضاحت کردی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تعصب و تحزب اور غلو فی الدین سے محفوظ رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے خصوصی فضل و کرم سے ہمیں جمہور علماءِ امت اور اکابر کے دامن سے وابستہ

رکھے اور اپنی رائے کی پیروی اور خود پسندی سے بچائے اور ایمان و اسلام پر قائم رکھے اور اسی پر خاتمہ فرمائے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

احقر ابو الزاہد محمد سرفراز۔ خطیب جامع مسجد۔ گکھڑ منڈی
و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم۔ گوجرانوالہ

۲؍ رجب ۱۳۹۵ھ

۱۲؍ جولائی ۱۹۷۵ء